

سین مرقوم سال

ذاتی کتب خانہ

Rare.

Call No. 9289143913  
168C7;1

Acc. No. 42045  
Date of release

**A sum of 5 Paise on general books and 25 P. on text-books per day, shall be charged for books not returned on the date last stamped.**

22 MAY 2001

American Library  
 872 University Ave.  
 174

# یادگارِ غالب

یعنی

جنابِ اسد اللہ خان تخلصِ غالب و پہلی کی زندگی کے حالات

اور

انکی اہم نظم و نثر و وفاسی کا انتخاب ہر ایک تم پر ہر گاہ کیس

مرتب

خاکسارِ لطافت حسین حالی پانی پتی

۱۸۹۷ء

محمد رفیع اللہ رحمد کے

کتابیں کتب خانہ میں چھپی

کتاب خانہ مجلسِ علمی کراچی

صفحہ نمبر	موضوع	صفحہ نمبر	موضوع
۲۹-۳۳	قید ہونے کا واقعہ۔	پہلا حصہ	
۳۳-۳۵	قلعہ کا تعلق۔	مرزا کی لائق	
۳۵	خدمت اصلاح اشعار پادشاہ۔	۹	تاریخ ولادت۔
۳۵-۳۶	برہمہ گوئی۔	۹-۱۳	تاریخ ان۔
۳۶-۳۷	اولاد۔	۱۳-۱۵	تاریخ ولادت۔
۳۷-۳۸	حالات غدر و کتاب دستیو۔	۱۶	تاریخ ان۔
۳۸-۳۹	وظیفہ رام پور۔	۱۶-۱۷	تاریخ ان۔
۳۹-۴۰	قاطع برہان۔	۱۷	تاریخ ان۔
۴۰-۴۱	قاطع برہان کی مخالفت۔	۱۸	تاریخ ان۔
۴۱-۴۲	قاطع برہان کی تائید۔	۱۸	تاریخ ان۔
۴۲-۴۳	گناہ خطوں۔	۱۸-۲۰	تاریخ ان۔
۴۳-۵۸	راقم کے ساتھ مرزا کا	۲۱	تاریخ ان۔
۵۸	استعداوی۔	۲۱-۲۶	تاریخ ان۔
۵۸	فارسی دانی۔	۲۶-۲۸	تاریخ ان۔



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۷-۱۰۸	مرد کا سابقہ استعداد۔	۹۰-۹۱	مرد کی قدر۔
	مرد کے دیوان ریختہ اور انکی	۹۱-۹۳	اس کے بجز کا اقرار۔
۱۰۸-۱۳۹	اردو شاعری پر دیو	۹۳-۹۶	بجز دیگر۔
دیوان ریختہ کا انتخاب		۹۶-۹۸	قائمی تعلقات۔
۱۳۹-۱۶۷	غزلیات۔	۹۸-۹۹	موت کی آرزو۔
۱۶۷-۱۷۱	قطعات۔	۹۹	خیر عمر کی حالت۔
۱۷۱-۱۷۳	رباعیات۔	۹۹-۱۰۰	مرد کی موت کی حالت۔
	نثر اردو پر دیو اور اسکا	۱۰۰	مرد کی وفات۔
۱۷۳-۱۹۵	انتخاب	"	مرد کی زندگی۔
۱۹۵-۱۹۶	نظم و نثر فارسی پر یارک۔	۱۰۰-۱۰۱	مرد کی کثرت۔
	نظم فارسی پر یارک۔	۱۰۱-۱۰۲	مرد کی زندگی۔
۱۹۶-۲۰۷	غزلیات فارسی کا انتخاب	۱۰۲-۱۰۳	مرد کی زندگی۔
	مرد کی غزل کا نسخہ	۱۰۳-۱۰۵	مرد کی زندگی۔
۲۰۷-۲۰۹	مرد کی غزل کا نسخہ	دوسرا حصہ	
	مرد کی غزل کا نسخہ	مرد کی غزل کا نسخہ	
۲۰۹-۲۱۱	مرد کی غزل کا نسخہ	۱۰۶	مرد کی غزل کا نسخہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸-۱۹	خودداری۔	۵۸	عروض۔
۶۹	خوراک۔	۵۹	بخوم۔
۶۹-۷۱	آموں کی رغبت۔	"	تصوف۔
۷۱-۷۲	ناؤ نوش کی عادت۔	"	تاریخ و سیاق و مساحت سے
۷۲-۷۳	مذہب۔	"	اجنبیت
۷۳-۷۴	سلامتی طبع۔	"	خوشحالی۔
۷۴-۷۵	مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین۔	۵۹-۶۰	انداز شعر خوانی۔
۷۵-۷۶	ادب و سخن۔	"	اخلاق و عادات و خیالات سے
۷۶	انصاف۔	۶۱-۶۲	اخلاق
۷۶-۷۷	تقریب لکھنے کا ڈھنگ۔	۶۲	مرآت۔
۷۷	تقریب دیوانِ تفتہ۔	۶۲-۶۳	فرائض و صلی۔
۷۷-۷۸	تقریب تسبیح آئینِ اکبری۔	۶۳	حافظہ۔
۷۸-۷۹	محققانہ نظر۔	۶۵	شعر فنی۔
۷۹-۸۰	حق پسندی۔	۶۵-۶۶	سخنِ سخی۔
۸۰-۸۱	راست گفتاری۔	۶۶	کتاب فنی۔
۹۰	ما قدر دان کی شکایت۔	۶۶-۶۷	مسن بیان اور ظرافت و شوخی۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۹-۲۱۰	نثر فارسی کا انتخاب -	۲۲۶-۲۹۹	مرزا کی رباعیات فارسی -
۲۱۱-۲۱۰	نثر فارسی کا مقابلہ ظہوری کی	۲۲۶-۲۹۹	مرزا کے قصائد فارسی پر یارک
	نثر کے ساتھ		اور ان کے نمونے
۲۱۲-۲۱۵	شیخ علی حزیں اور مرزا کی	۲۲۵-۲۲۴	قطعات فارسی -
	نثر کا مقابلہ		مرزا کے ترکیب بند کا نظیہ کی
۲۱۶-۲۱۹	مرزا اور ابوالفضل کی نثر	۲۲۶-۲۲۹	ترکیب بند سے مقابلہ
	کا مقابلہ	۲۲۶-۲۲۶	مرزا کی فارسی شہنوی کا نمونہ -
۲۲۰-۲۱۸	خاتمہ -	۲۲۵-۲۲۴	نثر فارسی پر یارک

# یادگارِ غالب

یعنی

جنابِ اسد اللہ خاں متخلصِ غالب دہلوی کی زندگی کے حالات

اور

انکی اقسامِ نظم و نثرِ آردو و فارسی کا انتخاب ہر ایک قسم پرچہ نگاہِ یارکس

مرتبہ

خاکسارِ الطاف حسین حالی پانی پتی

۱۸۹۷ء

محمد رحمت اللہ رحمد کے

نامی پریس کالنیو میں چھپی

جب منابدہ رجسٹری کرانی گئی

بنام آووم نام و نشانم پیرس + ماسم سد لوم سم اللهم



نعم الاولی الملک خاتم النبیین با در نظام جنگ المتخلص بقالرب محم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## دیباچہ

تیسریں صدی ہجری میں جبکہ مسلمانوں کا تشریل و ریجہ نہایت کو پہنچ چکا تھا اور انکی دولت، عزت اور حکومت کے ساتھ ہمہ فضیل اور کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے؛ حسن اتفاق سے دار الخلافہ دہلی میں چند اہل کمال ایسے پیدا ہوئے تھے جنکی صحبتیں اور جلسے عہد اکبری و شاہجہانی کی صحبتوں اور مجلسوں کو یاد دلاتی تھیں؛ انہیں سے بعض کی نسبت مرزا غالب مرحوم فرماتے ہیں

ہند را خوش نفاست و سخور کہ بود      باد و خلوت شاہ مشک نشاں از دم شاہ

مومن و قیرو صہبائی و علوی و انجاد      حسرتی آشوت و آزرده بود اعظم شاہ

مگر جس زمانے میں کہ پہلی ہی بار راقم کا دلی جاننا ہوا اس بلع میں پت جہر شروع ہو گئی تھی کچھ لوگ ہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے؛ مگر جو باقی تھے اور جبکہ دیکھنے کا تمہکا ہمیشہ غریب رہا یہی ایسے تھے کہ نہ مرزا دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی دیا اٹھتا نظر نہیں آتا؛

کیونکہ جس سانچے میں وہ ڈھلے تھے وہ سانچا بدل گیا : اور جس ہوا میں انھوں نے نشوونما پائی تھی وہ ہوا پٹ گئی۔

زمانہ دگرگونہ آئیں نہاد      شد آں مرغ کو بیضہ زریں نہاد

علی انصوح مرزا اسد اللہ خاں غالب جنگی عظمت و شان اس سے بالاتر تھی کہ انکو بارہویں طائر ترخیں صدی ہجری کے شاعروں یا انشا پردازوں میں شمار کیا جائے۔

مرزا نے اپنی کتاب ”مہر نیروز“ میں ایک موقع پر بہادر شاہ کی وطن خطاب کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں حکیم شاعر کو سیم وز میں تو لا گیا تھا ؛ مگر میں صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ اوپر کچھ نہیں تو میرا کلام ہی ایک دفعہ فقیر کے کلام کے ساتھ تولیہ لیا جائے۔ اس مضمون کو جو لوگ مرزا کے رتبے سے واقف نہیں ہیں شاید خود ستانی اور عقلی پر عمل کر دیتے ؛ مگر ہمارے نزدیک مرزا نے اس میں کچھ بھی مباغث نہیں کیا ؛ بلکہ بالکل وہی کہا ہے جو انکے زمانے کے اہل نظر و راہل تیز آنکی نسبت اسے رکھتے تھے۔

اگرچہ زمانے نے اپنی بسا اٹ کے موافق مرزا کی کچھ قدر نہیں کی ؛ اُن کا تمام کلام ؛ اردو ، فارسی ، نظم ، اور نثر انکے جیتے ہی جی اطراف ہندوستان میں پھیل گیا تھا ؛ انکے ماننے والے اور مداح و ثنا خواں ملک کے ہر گوشے میں پائے جاتے تھے اور اب تک پائے جاتے ہیں ؛ مدحیہ قصائد پر انکو کم و بیش صلے اور عظمت و انعام بھی ملتے رہے ؛ محرم بہادر شاہ نے بھی اپنی حیثیت کے موافق انکی خاصی قدر کی ؛ ریاست رامپور سے انکے لیے اخیر دم تک معقول وظیفہ جاری رہا ؛ یہ سب کچھ ہوا ؛ مگر جب مرزا کے اُس اعلیٰ مرتبے کا جو شاعری و انشا پر دانی میں فی الواقع انھوں نے حاصل کیا تھا ۔ ٹھیک اندازہ کیا جانا ہے تو ناچار گناہ پر تباہی کے زمانے کی یہ تمام قدر دانی زیادہ سے زیادہ اُس پیر زل کی ہی قدر دانی تھی جو ایک سوت

لی لیکر دوست کی خریداری کو مصر کے بازار میں آئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ مرزا کی قدر جیسی کہ چاہیے یا جلال الدین  
کبر کرنا؛ یا جاناگیر و شاہجہاں؛ مگر جس قدر اس اخیر دور میں انکو مانا گیا اسکو بھی نہایت منقسم سمجھا جاتا ہے۔

یکے مفت بھانہ ہمارے کے ہاتھوں پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

اگرچہ مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام انکی شاعری اور انشا پر داندی کے سوا نظر نہیں آتا۔ مگر صرف

یہی ایک کام نے انکی لائف کو دار الخلافہ کے اخیر دور کا ایک متم نشان واقعہ بنا دیا ہے اور میرا خیال ہے

اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم و شعر کا خاتمہ ہو گیا ہے؛ اور اردو نظم و شعر پر بھی انکا کچھ کم احسان نہیں ہے؛

یہ کہیں کہیں مجھکو اس بات کا خیال آتا تھا کہ مرزا کی زندگی کے عام حالات جس قدر کہ معتبر و یوں

معلوم ہو سکیں اور انکی شاعری و انشا پر داندی کے متعلق جو امور کہ احاطہ بیان میں آسکیں اور انبانی ناں

کی ہم سے بالاتر ہوں؛ انکو اپنے سلیقے کے موافق قلمبند کروں۔

پچھلے برسوں میں جبکہ میں دہلی میں مقیم تھا۔ بعض اہباب کی تحریک سے اس خیال کو مزید ترقیت

ہوئی۔ میں نے مرزا کی تصنیفات کو دوستوں سے مستعار لیکر جمع کیا؛ اور جس قدر اسکی مصالحت

اور اخلاق و عادات کا سراغ ملا انکو قلمبند کیا؛ اور جو باتیں اپنے ذہن میں محفوظ تھیں یا دوستوں

معلوم ہوئیں۔ انکو بھی ضبط تحریر میں لایا۔ مگر ابھی ترتیب مضامین کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ اور کچھ

مصرف ہو گیا؛ اور کئی برس تک تمام یادداشتیں کاغذ کے ٹکٹوں میں بندھی ہوئی رکھی رہیں۔

ان دنوں میں دوستوں کا پھر تقاضا اور بہت سخت تقاضا ہوا اور باوجود کہ میں ایک نہایت کم

اور ضروری کام میں مصروف تھا۔ دوستوں کے تقاضے نے یہاں تک مجبور کیا کہ ضروری کام کو

چند روز کے لیے ملتوی کرنا پڑا؛ اور یہ خیال کیا گیا کہ جو یادداشتیں مرزا کی لائف سے متعلق بڑی خوش



تج کی گئی ہیں : اور جو تھوڑی سی توجہ سے مُرتب ہو سکتی ہیں ۔ اُنکو اب زیادہ حالت متغیر میں رکھنا سنا نہیں  
 میں نے ان مُتحرکوں کو کھولا اور اُن یادداشتوں کے مُرتب کرنے کا ارادہ کیا ؛ مگر اُن کے دیکھنے سے  
 معلوم ہوا کہ مرزا کی تصنیفات پر بھی ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی ؛ اور اسکے سوا کچھ اور کتابیں بھی  
 کار ہو گئی ہیں ۔ میں نے دینی کے قبض بزرگوں اور دوستوں کو لکھا اور اُنھوں نے مہربانی فرما کر میری  
 تمام طلبہ کتابتیں اور جس قدر مرزا کے حالات اُنکو معلوم ہو سکے لکھ کر میرے پاس بھیج دیے ؛ اور  
 اس طرح مرزا کی لائف جہاں تک کہ اسکی تکمیل ہو سکتی تھی مکمل کی گئی ۔

میں اور پچھو چکا ہوں کہ مرزا کی لائف میں کوئی منوۃ بالشان واقعہ اُنکی شاعری و انشا پردازی  
 کے سوا نظر نہیں آتا ۔ لہذا جس قدر واقعات اُنکی لائف کے متعلق اس کتاب میں مذکور ہیں اُنکو ضمنی اور  
 استطرادی سمجھنا چاہیے ۔ اصل مقصود اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اُس عجیب و غریب ملکہ کا  
 لوگوں پر ظاہر کرنا ہے جو خدا تعالیٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا ؛ اور جو کبھی نظم و نثر کے پیرائے  
 میں ، کبھی ظرافت اور بزمِ سخن کے روپ میں ، کبھی عشقِ بازی اور ہندو مشربی کے لباس میں ، اور  
 کبھی قصیدت اور حُبِ اہلبیت کی صورت میں ظہور کرتا تھا ۔ پس جو ذکر ان چاروں باتوں سے علاوہ نہیں  
 رکھتا اسکو کتاب کے موضوع سے خارج سمجھنا چاہیے ۔

طریری : بنامِ بیت سے صاحبِ کمال سے گزرے ہیں جنگِ زمانے میں اُنکی قدر و منزلت کا پورا  
 پورا اندازہ نہیں کیا گیا ؛ مگر آخر کار اُن کا کمال ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہا ۔ سعدی کے زمانے میں اُسکے

شعر ہم عصر اُمی ہر دی کو اسپر ترجیح دیتے تھے : مگر کچھ بہت عرصہ نہ گزرا تھا کہ سعدی کا نام اور اس کا کلام اطراف عالم میں منتشر ہو گیا : اور اُمی کا کلام صرت تذکروں میں باقی رہ گیا۔ شکسپیر کے خیال اسکو ایک ایکڑ سے زیادہ رتبہ نہیں دیا گیا، مگر آج اُسی شکسپیر کے در کس بائبل کے ہم پائے سمجھے جاتے ہیں۔ خود مرزا بھی اپنے کلام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی غزل میں فرماتے ہیں۔

تا ز دیوانم کہ سرمست سخن خواہ شدن ؛ ایں غنی از قحط غریب داری کسں خواہ شدن  
کو کہم را در عدم اوج قبوے بودہ است شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہ شدن

اگرچہ اس لحاظ سے کہ ایشیائی شاعری کا مذاق یورپین سولوشن میں روز بروز جذب ہوتا جاتا ہے اور فارسی لٹریچر ہندوستان سے ایسا رخصت ہوا ہے کہ بظاہر اسکے مراجعت کرنے کی توقع نہیں رہی۔ یہ امید رکھتی تو فضول ہے کہ مرزا کی فارسی نظم و نثر اب یا آئندہ زمانے میں مقبول خاص دعام ہوگی ؛ لیکن جو تو بر تو پردے مرزا کی شاعری اور نکتہ پردازی پر انکی زندگی میں پڑے رہے اور جواب تک مرتفع نہیں ہوئے ؛ کیا عجیب ہے کہ ہماری یا ہمارے بعد کسی دوسرے شخص کی کوشش سے رفع ہو جائیں۔ مرزا کو بحیثیت شاعری پہلے سے روشناس کرنے اور انکی شاعری کا یا یہ لوگوں کی نظریں جلوہ گر کرنے کا عمدہ طریقہ یہ تھا کہ انکے اصناف کلام میں سے ایک معتد بہ مقدمہ نقل کیا جاتا ، ہر صنف میں جو باتیں مرزا کی خصوصیات سے ہیں وہ بیان کی جاتیں ، جو کلام نقل کیا جاتا اسکی لفظی و معنوی خوبیاں تراکتیں ، اور باریکیاں ظاہر کی جاتیں ، شعر کے جس طبقے میں مرزا کو جگہ دینی چاہیے اُس طبقے کے شاعروں کے کلام سے مرزا کے کلام کا موازنہ کیا جاتا ، انکی غزل سے مرزا کی غزل کو ، قصیدے سے میرے کو ، اور اسی طرح ہر صنف سے اُسی صنف کو لکرایا جاتا ، اور اس طرح مرزا کے پائے شاعری اور انکے

کلام کی حقیقت سے اہل وطن کو خبردار کیا جاتا۔ مگر یہ طریقہ جس قدر مصنف کے حق میں دشوار گزار تھا۔ اسی قدر پبلک کے لیے خاص کر اس زمانے میں غیر مفید بھی تھا؛ اگر ہم اس دشوار گزار منزل کے طے کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے تو ہماری وہی مثل ہوتی کہ: مرغی اپنی جان سے گئی اور کھانیوالو کو کچھ فراڈ آیا۔ ناچار ہم نے بجائے طریقہ مذکور کے جو حالت موجودہ میں باوجود دشوار ہونے کے غیر مفید بھی ہے اس موقع پر ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو ہمارے لیے سہل تر اور پبلک کے لیے مفید تر معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے دوسرے حصے میں مرزا کے تمام کلام کو چار قسموں پر تقسیم کیا ہے: نظم اردو، نثر اردو، نظم فارسی اور نثر فارسی۔ اور اسی ترتیب سے ہر قسم کا تھوڑا تھوڑا انتخاب چار جدا جدا فصلوں میں مبع کیا ہے۔ ہر قسم پر اول کچھ مختصر پرکس کیے ہیں۔ پھر اس قسم کا انتخاب لکھا گیا ہے۔ اور ہر شمار یا فقرے شرح طلب کیے ہیں انکی جا بجا شرح بھی کر دی ہے۔ اور کس کس محاسن کلام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور آخر میں - خاص کر ان لوگوں کے لئے جو فارسی لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں - نمونے کے طور پر مرزا کے کسی قدر فارسی کلام کا موازنہ ایران کے مسلم الثبوت استادوں کے کلام کے ساتھ کر کے دکھایا ہے کہ مرزا نے فارسی لٹریچر میں کس درجے تک کمال ہم پہنچایا تھا۔

مذکورہ بالا انتخاب سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ مرزا کے کلام میں جس قدر بلند اور پاکیزہ خیالات تھے وہ سب لے لئے گئے ہیں؛ اور جو ان سے بہت درجے کے خیالات تھے وہ چھوڑ دیے گئے ہیں؛ نہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس رسالے کی مہاد اور وسعت کے موافق تا بقدر ہر ایک صنف میں سے کم و بیش ایسا کلام لے لیا گیا ہے جو اس زمانے کے لوگوں کے مذاق سے بیگانہ اور انکی فہم سے بعید تر نہ ہو؛ اور باوجود اسکے مولف کی نظر میں بھی بوجہ من الوجہ انتخاب کے قابل ہو۔

اس انتخاب سے جبکہ مرزا کے تمام کلام کا نمونہ سمجھنا چاہیے کئی فائدے نصیب کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ

لوگ شریک سمجھ اور اسکا عمدہ مذاق رکھتے ہیں؛ انکو بغیر اس کے کہ تمام کلیات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہو۔ مرزا کا ہر قسم کا عمدہ کلام ایک جگہ جمع کیا ہوا مل جائیگا۔ دوسرے جو لوگ مرزا کا کلام انجمنی طرز نہیں سمجھ سکتے وہ بسبب اس کے کہ ہر شکل شعر یا فقرے کے معنی حل کر دیے گئے ہیں۔ مرزا کے خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل کر لیں گے۔ اور دونوں طبقوں کو معلوم ہو جائیگا کہ مرزا نے قوتِ تخیل اور ملکہ شاعری کس درجے کا پایا تھا؛ اور کس خوبی اور لطافت سے وہ نہایت نازک اور دقیق خیالات کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ادا کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

انگریز یہ رسالہ دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلے حصے میں مرزا کی زندگی کے واقعات۔ جہاں تک کہ معلوم ہو سکے۔ اور ان کے اخلاق و عادات و خیالات کا بیان ہے۔ انھیں حالات کے ضمن میں ان کی خاص تفہیم یا اشعار کو کسی واقعے سے علائقہ رکھتے ہیں، اور ان کے لطافت و نواور جن سے مرزا کی طبیعت کا اصل جوہر اور ان کی تہنیش کی قوت نہایت واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے اپنے موقع پر ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں مرزا کے تمام کلام نظم و نثر اردو اور فارسی کا انتخاب؛ اور ہر قسم پر جدا جدا اثرات اور آخر میں مرزا کے کسی قدر کلام کا موازنہ ایران کے بعض مسلم الشہر استادوں کے کلام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ خاصہ کتاب پر ایک مختصر ریویو مرزا کی تمام لائف اور ان کی طرز شاعری و انشا پر داری پر لکھا گیا ہے؛ جسکو ساری کتاب کا لب لباب سمجھنا چاہیے۔

اگرچہ مرزا کی لائف۔ جیسا کہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کرینگے۔ ان فائدوں سے خالی نہیں ہے جو ایک بائیوگرافی سے حاصل ہونے چاہئیں، لیکن اگر ان فائدوں سے قطع نظر لکھ جائے تو یہی ایک ایسی زندگی کا بیان جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی اور انگشتگی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ہماری نثر مردہ اور

دل مردہ سوانحی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ اسکے سوا ہر قوم میں غمنا، اور گری ہوئی قوموں میں  
 غصہ و حسد، ایسے عالی فطرت انسان شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں جنکی ذات سے (اگرچہ قوم کو براہ راست  
 کوئی مستعد بہ فائدہ نہ پہنچا ہو) لیکن کسی علم یا صنعت یا طریقہ میں کوئی حقیقی اضافہ کم دہش ظہور میں آیا ہو،  
 اور سلف کے ذخیرے میں کچھ نیا سرمایہ شامل ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کی لاف پر غور کرنا، اُنکے ورکس میں  
 چھان بین کرنی، اور اُنکے نوادر انکار سے مستفید ہونا، قوم کے اُن فرائض میں سے ہے جن سے  
 غافل رہنا قوم کے لیے نہایت افسوس کی بات ہے۔ جیسا کہ خود مرزا ایک جگہ لکھتے ہیں ”حیف کہ  
 ابنائے روزگار حسن گفتار، مرا شاقتند۔ مرا خود دل پر آناں می سوزد کہ کامیاب شناسائی خیر و ایزدی نگشتند،  
 و انیس نایشما ی نظر فرزد کہ در قلم و شریکار بردہ ام۔ سرگراں گدشتند۔“

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### آغاز کتاب

پہلے  
دیکھو  
جنگ

میرزا اسد اللہ خان غالب المعروف بہ میرزا نوشہ، مخاطب بہ نغم الدولہ دیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ، المخلص بہ غالب در فارسی و اسد در پختہ؛ شب ہشتم ماہ رجب سال ۱۲۸۶ ہجری کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ مرزا کے خاندان اور اصل و گوہر کا حال جیسا کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں باریکاً ظاہر کیا ہے۔ یہ ہے کہ انکے آباؤ اجداد ایک قوم کے ترک تھے؛ اور ان کا سلسلہ نسب ابن فریدوں تک پہنچتا ہے۔ جب کیانی تمام ایران و توران پر سلاطہ ہو گئے، اور تورانیوں کا جاہ و جلال دنیا سے رخصت ہو گیا؛ تو ایک مدت دراز تک تور کی نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہی۔ مگر تلوار کبھی ہاتھ سے نہ چھوئی؛ کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کے متروک میراث بیٹے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ ملتا تھا؛ اور کل مال و اسباب اور گھریلو بیٹی کے حصے میں آتا تھا۔ بارہا ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں اسی تلوار کی بدولت ترکوں کے بختِ خفہ نے پھر کر دٹ بدلی؛

لاڑیک کے لشکر میں شامل ہوئے، تو انھوں نے مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں کو جس سے  
 نواب موصوف کی ہیشیر منسوب تھیں۔ سرکاری فوج میں بھدہ رسالدار کی ملازم کر دیا۔ اُن کی ذات اور سال  
 کی تنخواہ میں دہڑپگنے یعنی سو تک اور سونسا۔ جو فوج آگرہ میں واقع ہیں۔ سرکار سے اُن کے نام پر مقرر  
 ہو گئے۔ جب تک وہ زندہ رہے دونوں پر گئے اُن کے نامزد رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کے وارثوں  
 اور متعلقوں کی پنشنیں سرکار نے فیروز پور جھک کی ریاست سے مقرر کرا دیں جس میں سے سات سو روپیہ  
 سالانہ مرزا کو اخراج پیل مشتمل ایک برابر ملتا رہا۔ مگر فتح دہلی کے بعد تین برس تک قلعے کے تعلقات کے  
 سبب یہ پنشن بند رہی۔ آخر جب مرزا کی ہر طرح سے بریت ہو گئی تو پنشن پھر جاری ہو گئی، اور تین برس کی  
 واصلات بھی سرکار نے عنایت کی۔ جب تک پنشن بند رہی مرزا کے دوستوں کو نہایت غلظت خاطر رہا۔  
 اکثر لوگ پنشن کا حال دریافت کرنے کو خطا بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ میر ہمدانی نے اسی مضمون کا خط بھیجا  
 تھا۔ اُس کے جواب میں مرزا صاحب لکھتے ہیں ”میاں بے زرق جیسے کا ڈمب مجھ کو آگیا ہے، اس طرف سے  
 خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا صید روزے کھا کھا کر کاٹا، خدا زناق ہے، کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔“  
 مرزا نے اپنے علو خانہ ان پر جایا فارسی اشعار میں خنک کیا ہے چونکہ اُن میں سے بعض اشعار لطفت  
 سے خالی نہیں اس لیے اس مقام پر نقل کیے جاتے ہیں۔ قطعہ

غالب از خاک پاک تو را نیم	لا جسم در نسب فرہ مستدیم
ترک زادیم دور و ترا دہم	بے ستر گمان قوم پو ندیم
ایکسیم از جماعت تراک	در مقامی ز ماہ دہ چندیم

• ایک ترک زاد ہے اور کب سے آئے جان کو اور کب کمال اور بزرگی کو کہتے ہیں پس ایک کے سنی ماہ تمام دہ بزرگی کے  
 ہیں۔ اسی لئے مرزا نے کہا ہے وہ دہ تھی ز ماہ دہ چندیم ۱۳

فن آباے ماکشا در زیست      مرزباں زادہ سمرقندیم  
 در زمینی سخن گزار دہ      خود چہ گویم تاجہ و چندیم  
 فیض حق را کیستہ تا گردیم      عقل کل را ہیستہ فرزندیم  
 ہم یہ تابش بہ برق ہمنسیم      ہم بہ بخشش بہ ابرمانندیم  
 یہ تلاش کہ ہست خیر و زیم      بے تلاش کہ نیست خرسندیم  
 ہمسہ بر خوشین ہمنے کریم      ہمسہ بر روزگاری خندیم

قطع

ساقی! چوں پشنگی و افزاییم      دانی کہ اہل گوہرم از دودہ جمست  
 میراث جم کئے بود اکوں بن پار      زیر پس رسد بہشت کہ میراث آدمست

رباعی

غالب بہ گمزدودہ زاد ششم      زان رو بصفای دم نخست دم  
 چوں رفت پہدی ز دم چنگ شعر      شد تیر شکستہ نیاگاں مسلم

مرزا غالب مع اپنے چھوٹے بھائی کے بن شورتک اگرے ہی میں رہے، اگرچہ سات برس  
 کی عمر سے وہ دہلی میں آنے جانے لگے تھے لیکن شادی کے بعد تک انکی مستقل سکونت اگرے ہی میں  
 رہی اور شیخ معظم جو اس زمانے میں اگرے کے نامی مملوکوں میں سے تھے ان سے تعلیم یافتہ  
 بعد ایک شخص پاری نژاد جسکا نام آتش پرستی کے زمانے میں ہر مہر و تھا اور

۱۱ چنگ نژاد کا بپ کا نام ہے ۱۲ \* ناظم از سبک دار و چنگ بپ کا نام ہے





نومبرین بہماں در ہزار و سبت و دویش ظہور خسرو سعدی پیشش صد و پنجاہ

ملا عبد الصمد علاوہ فارسی زبان کے جو اسکی مادری زبان اور اسکی قوم کی مذہبی زبان تھی۔ عربی زبان کا بھی۔ جیسا کہ مرزا نے لکھا ہے۔ بہت بڑا فاضل تھا۔ اگرچہ مرزا کو اسکی صحبت بہت کم میسر آئی؛ مگر مرزا جیسے جو ہر قابل کو صغیرین میں ایسے شفیق، کامل، اور جامع اللسان استاد کامل جانا ان نوادر اتفاقات میں سے تھا جو بہت کم واقع ہوتے ہیں۔ اگرچہ مرزا کو اس سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا؛ مگر اسکی فیض صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور مرزا میں پیدا کر دیا تھا جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ ”اگر حاصل شود خواندہ و ناخواندہ برابرست؛ و اگر حاصل نشود ہم خواندہ و ناخواندہ برابر“، معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی حسنِ قابلیت اور حسنِ استعداد نے ملا عبد الصمد کے دل پر گہرا نقش بٹھا دیا تھا کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی وہ مدت تک مرزا کو نہیں بھولا۔ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہتے تھے کہ ملا کے ایک خط میں جو اس نے مرزا کو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ لکھا تھا ”اے عزیز چہ کسی؟ کہ! ایں ہمہ آزاد ہوا گاہ گاہ بخاطرے گذری“، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دوسرے کے قلیل عرصے میں وہ مرزا کو سکھا سکتا تھا انیس ہرگز مضائقہ نہ کیا ہو گا اور جیسا کہ قاطع برہان اور درفش کاویانی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گہرا پاریسوں کے مذہبی خیالات اور اسرارِ جملو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پاریسی و سنسکرت کا متحدہ الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے دل میں بوجہ اونے تہ نشین کر دی تھیں۔

چونکہ مرزا کے چچا کا رشتہ نواب فخر الدولہ کے خاندان میں ہو چکا تھا اور اس لئے اُنکے خاندان سے ایک نوع کا تعلق پیدا ہو گیا تھا؛ مرزا کی شادی نواب فخر الدولہ کے چھوٹے بھائی مرزا آغی بن علی سے ہوئی۔ اور جیسا کہ مرزا نے ایک رقعہ میں اشارہ کیا ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں۔۔۔ جب سلسلہ ہجری۔ کو اُن کا عقد ہو گیا۔ اس تقریب سے اُن کی آمد و رفت دلی میں زیادہ ہو گئی۔ اور آخر کار یہیں سکونت اختیار کر لی اور اخیر عمر تک دلی ہی میں رہے۔

مرزا کے زمانہ کی جاگیر میں متعدد دیہات اور اگرہ شہر میں بہت بڑی املاک تھیں۔ وہ منشی شیون رائے رئیس اگرہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنی دھڑک پڑے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے عزیز دل بند ہو۔ اب تم کو مشفق و دکرتم لکھوں تو گنگار۔ تمکو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم؟ مجھے سنو! تمھارے پرداد احمد بخش خاں میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی، اور گھر بیٹھے، تو تمھارے پرداد نے بھی مگر کھول دی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنی دھر۔ خاں صاحب کے ساتھ ہیں؛ اور انھوں نے جو کہ تہنم گانا اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو بنی دھر اس امر کے متصرم ہیں؛ اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہمہم تھے۔ شاید منشی بنی دھر مجھے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ اُنیں "بین" برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر اُن کی؛ باہم شہنچہ اور اختلاط اور محبت؛ آدمی آدمی رات گزر جاتی تھی؛ چونکہ گھر اُن کا بہت دور نہ تھا اس واسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے۔ بس ہمارے اور اُنکے مکان میں پھیپھا رہنڈی کا گھر

اور ہمارے دو کٹرے درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جواب لکھی چند سیڑھوں نے مولے لے لی ہے اسی کے دروازے کی ٹنگیں بارہ دری پر میری نشست تھی۔ اور پاس اُسکے ایک کھنیا دالی حویلی، اور سلیم شاہ کے تکیے کے پاس دوسری حویلی، اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی، اور اُس سے آگے بڑھ کر ایک کڑا۔ کہ وہ گدیوں والا مشہور تھا۔ اور ایک کڑا کہ وہ کشمیرن والا کلاتا تھا۔ اُس کٹرے کے ایک کونے پر تین پتنگ اڑاتا تھا؛ اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔ وہ صبح سے اسے ایک سپاہی تھا جسے دادا کا چیدہ ست رہتا تھا اور وہ کڑوں کا کڑا بگاڑ کر جرج کر داتا تھا۔ بھائی تم سنو تو سہی! تمہارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا۔ علانے مول لیے تھے اور زمیندارہ اپنا کر لیا تھا۔ دس ہزار روپے کی سرکاری مالگداری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمہارے ہاتھ آئے نہیں؟ اسکا حال از روے تفصیل جلد مجھ کو لکھو، اس خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے نانا کی آگرے میں ایک خاصی سرکاری جلی بدولت اُنکے ملازم اور متوسلین دس دس ہزار کے مالگدارین گئے تھے؛ اور مرزا کا بچپن اور غفوان شباب بڑے اعلیٰ تلوں میں بسر ہوا تھا۔

اہل دہلی میں سے جن لوگوں نے مرزا کو جوانی میں دیکھا تھا اُن سے سنا گیا ہے کہ غفوان شباب میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوش رو لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور بڑھاپے میں بھی۔ جلیہ راقم نے پہلی ہی بار اُن کو دیکھا ہے۔ حسانت اور خوبصورتی کے آثار اُن کے چہرے اور قد و قامت اور ذیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ مگر اخیر عمر میں قلب خوراک اور امراض دائمی کے سبب وہ نہایت نحیف و زار و تزار ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ بار بہت چکلا قد کشیدہ اور ہاتھ پانوں بڑے تھے اس حالت میں بھی وہ ایک نوادر و ثمرانی معلوم ہوتے تھے۔

دن میں آنے قیام کا زمانہ قریب پچاس برس کے معلوم ہوتا ہے۔ اس تمام مدت میں انھوں نے  
 نابینا یاں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا۔ ہمیشہ کرایے کے مکانوں میں رہا کیے۔ یا ایک مدت  
 تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے تھے۔ جب ایک مکان سے جمی اٹلایا  
 اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھاٹک یا اسکے قریب جواہر  
 کے سوا کسی اور محل میں جا کر نہیں رہے۔ سب سے اخیر مکان جس میں اُن کا انتقال ہوا حکیم  
 محمود خاں مرحوم کے دیوانخانے کے متعلّق مسجد کے عقب میں تھا جسکی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے یہ بندہ کیسہ ہمسایہ خدا ہے

جس طرح مرزا نے تمام عمر رہنے کے لیے مکان نہیں خریدا اسی طرح مطالعے کے لیے بھی۔ باوجود کہ  
 ساری عمر تصنیف کے شغل میں گزری۔ کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ الا ماشاء اللہ ایک شخص کا  
 یہی پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کی دکان سے نوٹوں کو کرائے کی کتابیں لا دیا کرتا تھا، مرزا صاحب  
 بھی ہمیشہ اُسی سے کرائے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔

ظاہر امرزانے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا۔ اسی سفر کی آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ  
 اور بنارس میں بھی ٹھہرے تھے۔ کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں  
 نے وفات پائی تھی اُس وقت مرزا کی عمر نو برس کی تھی اور اُن کے بھائی کی عمر سات برس کی  
 تھی۔ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد اُن کے متعلقوں اور وارثوں کے لیے۔ جن میں مرزا  
 اور اُنکے بھائی بھی شریک تھے۔ جو نیشن گورنمنٹ نے ریاست فیروز پور جگر پر محول کر دی تھی جب تک  
 مرزا صغیر سن رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے۔ جب بن تمیز کو پہنچے اور شادی بھی ہو گئی۔

عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ آنا تھا وہ بھی چند روز میں سب خرچ ہو گیا؛ لاجاً رنکر معاش دانگیر ہوئی۔ اول مرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروز پور سے جس قدر پیش ہمارے خاندان کے لیے گورنمنٹ نے مقرر کرائی تھی اُس قدر ہکو نہیں ملتی۔ فیروز پور نے سخت تنگ کر رکھا تھا؛ اور ہر قرضوں ہموں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا؛ اُدھر چوہے بھائی کو جنون ہو گیا؛ مرزا جیسے آزاد منش آدمی کے لیے یہ وقت نہایت سخت تھا؛ اُس کشمکش میں اُنکو اسکے سوا اور کچھ نہ سوجھا کہ کلکتے پہونچکر سو پریم گورنمنٹ میں پیش کی بابت استعائنہ پیش کریں۔ چنانچہ مرزا اُس حالت کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں دو ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرف، و غوغا نامی دام خواہاں یک سو؛ آشوبے پدید آمد کہ نفس راہ لب، و نگاہ روز نہ چشم فراموش کرد؛ و گیتی بدیں روشنی روشنای در نظرتیرہ و تار شد۔ بابے از سخن دوختہ، و چشمے از خوش فرستہ جہاں جہاں شکستگی؛ و عالم عالم خستگی با خود گرفتہ؛ و از بیدار و روزگار نالاں، و سینہ بروم تنہا مالانہ کلکتہ رسیدم۔“

غرض کہ مرزا کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی جبکہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے۔ کلکتے میں لوگوں نے اُنکی بہت خاطر و مدارات کی اور اُن کو کامیابی کی امید دلائی۔ اسٹرلنگ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے جنگی مع میں مرزا کا فارسی قصیدہ اُنکے کلیات میں موجود ہے؛ و دعا کیا کہ تمہارا حق ضرور تمکو ملے گا۔ کول برک صاحب جو اُس وقت دلی میں رزیدنٹ تھے اُنہوں نے دلی ہی میں مرزا سے عہدہ رپورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ ان امیدوں کے دھوکے میں وہ پورے دو برس کلکتے میں رہے؛ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ گورنمنٹ نے سر جان مسکیم

گورنر جنہی سے۔ جو لارڈ لیک کے سکریٹری رہ چکے تھے، اور انھیں کے روبرو جاگیروں اور زمینوں کی سندیں لوگوں کو ملی گئیں؛ مرزا کے معاملے کی بابت استفسار کیا۔ انھوں نے مرزا کے دیکھ کو غلط بتایا اور جس طرح اور جس قدر پیش فیروز پور سے ملنی قرار پائی تھی اسکی مفصل کیفیت۔ جو مرزا کے دعوے کے بالکل برخلاف تھی۔ گورنمنٹ میں بھیج دی۔ جب یہاں سے مرزا کو مایوسی ہوئی تو انھوں نے ولایت میں اپیل کیا؛ مگر وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔

مرزا صاحب نے گورنمنٹ ہند سے پانچ درخواستیں کی گئیں؛ ایک تو یہی کہ انکے خیال کے موافق جو مقدمہ انیشن کی سکرٹری نے مقرر کی ہے وہ آئندہ پوری ملا کرے۔ دوسری یہ کہ اب تک جس قدر کم پیش ملتی رہی ہے اسکی دامانات ابتدا سے آج تک ریاست فیروز پور سے دوائی جائے۔ چونکہ پہلی درخواست نامنظور ہوئی تھی (اس لیے دوسری درخواست کیونکر منظور ہوتی) تیسری درخواست یہ تھی کہ کل پیش میں جو حصہ میرا قرار پائے وہ اور شرکا سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چوتھی یہ کہ پیش فیروز پور سے خزانہ سرکار میں منتقل ہو جائے؛ تاکہ رئیس فیروز پور سے مانگنی نہ پڑے۔ یہ دونوں درخواستیں منظور ہو گئیں اور انکے موافق اخیر تک عملدرآمد رہا؛ پانچویں درخواست خطاب اور خلعت کی تھی۔ جہاں تک معلوم ہے کوئی خطاب گورنمنٹ سے مرزا کو نہیں ملا۔ لیکن گورنمنٹ ہند اور لوکل گورنمنٹ سے ان کو خا نصاحب بسیار مہربان دوستاں "لکھا جاتا تھا۔ اور جب کبھی دہلی میں دیر اسے یا فلٹن گورنر کا دربار ہوتا تھا تو انکو بھی مثل دیگر رؤسا و عائدہ شہر کے بلایا جاتا تھا۔ اور سات پارچہ کا خلعت مع جینہ و سرترچ و مالابہ مردارید کے انکو براہر ملتا رہا۔ اور تمام لوکل حکام اور افسرانے رئیس زادوں کی طرح ملتے رہے۔

کلکتے کے قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے مرزا کے کلام پر اعتراض کیے تھے اور اپنے  
اعتراضوں پر قلیل کا قول سنا پیش کیا تھا۔ مگر مرزا ہندوستان کے فارسی گو شاعروں میں  
خسر و کے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں ”اہل ہند میں سو اسے  
خسر و دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں؛ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھینک نکل جاتی ہے“  
اسی لیے وہ قلیل و واقف وغیرہ کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے قلیل کا نام سنکر  
ناک محبوں پر حائی اور کما کما میں دہوالی سنگھ فرید آباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا اور اہل ہند  
کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا۔ اور اپنے کلام کی سند میں اہل زبان کے  
اقوال پیش کیے۔ اس پر معترضین میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوا اور مرزا پر اعتراضوں  
کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اگرچہ مرزا کے طرفدار بھی کلکتے میں بہت تھے مگر چونکہ مرزا اعتراض اور  
مخالفت سے بہت جریز ہوتے تھے۔ ان کے گھبراہٹ کو ایک معترض بھی کافی تھا۔ انھوں نے  
تینگ اگر ایک مثنوی موسوم بہ بادِ مخالفت۔ جس میں اپنی غریب الوطنی کا ذکر اور اہل کلکتہ  
کی نامہ ربانی کی شکایت اور ان کے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی اور صفائی اور  
دروازہ گزیر طریقے سے بیان کیے ہیں۔ لکھی۔ یہاں اُس مثنوی کے کچھ کچھ اشعار مختلف مقامات  
سے نقل کیے جاتے ہیں۔

اے تاشانیانِ بزمِ سخن      دے میسہ اومانِ نادرہ فن  
اے گرانمایگانِ عالمِ حرفت      خوش نشینانِ اسِ مبارک نگر

مرزا قلیل نے فرمایا ہے: اسلام لانے سے پہلے اُن کا نام دھالی سنگھ تھا اور وہ فرید آباد ضلع دہلی کے کھتری تھے۔ مسلمان ہونے  
کے بعد کلمہ پڑھتے تھے جہاں اُن کی نہایت قدر ہوئی۔



وے زباں اور ان کلکتے	اے سخن پروران کلکتے
شمع خلوت سراے کار گئے	ہر یکے صبر بزم بار گئے
ہر یکے کتھڑے مرحلہ	ہر یکے پیش تاز قافلہ
واہ غمنوار ہے جہاں دادہ	اے بہ شغل و کالت آمادہ
بسفارت رسیدہ از اطراف	اے شکر فغان عالم انصاف
صحنی را ساز گلستاں دادہ	اے سخن را طراز جاں دادہ
پہلوانان پس لوی داناں	عطر بزم گیتی افشاں
نفسہ دریا کشتان عبرہ جو	اے کرامی فنان بخیتہ گو
وے فراہم شدہ نہ ہفت اقلیم	اے رنیاں این سواد عظیم
بہر کارے رسیدہ این شہر	بجو من آرمیدہ این شہر
در حسم و بیج عجب سر گشتہ	اسد اللہ بنت برگشتہ
بے سخن ریزہ چین خوان شہاست	گرچہ ناخواندہ میہمان شہاست
بامید آرمیدہ است اینجا	بہ نظلم رسیدہ است اینجا
خستہ را بہ سایہ دیوار	آرمیدہ دہیدہ روزے چار
میسماں را نواختن تیرست	کار اجاب ساختن تیرست
شیوہ میسماں نوازی کو	اں ردہ در رسم کار سازی کو
بیدلے خستہ ستم زدہ	کیستم؟ دل شکستہ غم زدہ

آتشِ عنم بچانِ دوانِ زودہ	برقِ جلیقِ جیجاںِ زودہ
درِ بیا بانِ یاسِ تفتیلے	از گدازِ نفسِ تبابِ دتے
سہرِ گر دکارِ دوانِ فنا	منسِ طوفانیِ محیطِ بلا
از عنم دہرِ زہرِ باختہ	درِ دمندے جگرِ گداختہ
ہمسہ بر خویشِ پشتِ پازودہ	درِ آگاہیے فنا زودہ
کہ بدخیا رسیدہ امِ احسہ	چہ بلا ہا کشیدہ امِ احسہ
تیرہ شہاے دشتِ مینسید	ہر سید روزِ غمِ بزمِ مینسید
عنم چہ بانِ عجبِ نگرید	اندہ دوریے وطنِ نگرید
من و جاںِ آفسرینِ کجاںِ لیم	نہ مسمیں نالہ و فغاںِ لیم
غصتِ بہ غمِ کردہ است مرا	ہو چہ چوں موے کردہ است مرا
کئے زبانِ سخنِ سراست مرا	ذوقِ شعہ و سخنِ کجاست مرا
نومہ بر خویش و بنیوائیِ خویش	دارم آرسے زہرِ نہ لائیِ خویش
حسرتِ کار و بارِ خویشتم	گردشِ روزگارِ خویشتم
من چناں تاں چنیں!! درینِ دریغ	با من ایں خشم و کیں!! درینِ دریغ
رسمِ اگر نیتِ خود چراست ستم	بر عنم بیاں کجا رود است ستم

بندہ ام بندہ محمد بایان!      رزمِ محسانِ نکستہ داناں!

ایک از من ہزار بار یہ است	ایک از من ہزار بار یہ است
من کتب خاک واد سپر بلند	من کتب خاک واد سپر بلند
وصف او صد چون منے بنود	وصف او صد چون منے بنود
مرجبا ساز خوش بیا نی او	مرجبا ساز خوش بیا نی او
نظمش آب حیات را ماند	نظمش آب حیات را ماند
نثر او نقش بال طاووس است	نثر او نقش بال طاووس است
پادشاہے کہ در سلم و حرف	پادشاہے کہ در سلم و حرف
خامہ ہندوی پاری دانش	خامہ ہندوی پاری دانش
ایں رقمہا کہ بحیث ملک خیال	ایں رقمہا کہ بحیث ملک خیال
از من نار ساسے سپرداں	از من نار ساسے سپرداں
بوکہ آید ز عذر خواہی ما	بوکہ آید ز عذر خواہی ما
آشتی نامہ و داد و پیام	آشتی نامہ و داد و پیام
از من ہجرت من منار بہ است	از من ہجرت من منار بہ است
خاک را کے رسد ہجرت نکند	خاک را کے رسد ہجرت نکند
مہر در خور و روز نے بنود	مہر در خور و روز نے بنود
حبذا شور نکست دانی او	حبذا شور نکست دانی او
در روانی فرات را ماند	در روانی فرات را ماند
اتحاب صرح وقاموس است	اتحاب صرح وقاموس است
کردہ ایجا دنگتہ ہاے شگرف	کردہ ایجا دنگتہ ہاے شگرف
ہندیان سر بخند فرماش	ہندیان سر بخند فرماش
بود سطح ز نامہ اعمال	بود سطح ز نامہ اعمال
معذرت نامہ لیت ز می یاراں	معذرت نامہ لیت ز می یاراں
رسم بر ما و بیگناہی ما	رسم بر ما و بیگناہی ما
ختم شدہ والسلام والا کرام	ختم شدہ والسلام والا کرام

جب مرزا نے دلی سے کلکتہ جانے کا ارادہ کیا تھا اسوقت راہ میں ٹھہرنے کا قصد نہ تھا۔ مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذمی اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار لکھنؤ آئیں، اس لیے کانپور پہنچ کر انکو خیال آیا کہ لکھنؤ بھی دیکھتے چلیے۔ اُس زمانے میں نصیر الدین حیدر مرزا نزد اورنگ زیب نائب السلطنہ تھے۔ اہل لکھنؤ نے مرزا کی عمدہ طور پر مدارات کی اور روشن الدولہ کے ہاں بخون نشانی

انکی تقریب کی گئی۔ مرزا سے اس پریشانی کے عالم میں قصیدہ تو سراخام نہیں ہو سکا؛ مگر ایک مرتبہ صنعت قیلیل میں۔ جو انکے مسودات میں موجود ہے۔ نائب السلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے لکھی تھی لیکن مرزا صاحب نے ملاقات سے پہلے دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں؛ ایک یہ کہ نائب میری تعلیم دیں، دوسرے نذر سے مجھے معاف رکھا جائے۔ اسی وجہ سے مرزا۔ بغیر اسکے کہ روشن الدولہ سے ملیں اور وہ شریعت کریں۔ وہاں سے کلکتے کو روانہ ہو گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے سے واپس آنے کے بعد انہوں نے ایک قصیدہ دلی سے نصیر الدین حیدر کی شان میں لکھ کر ایک دوسرے کے توسط سے گزرا دیا تھا۔ اور اسپر پانچ ہزار روپے بطور صلے کے ملنے کا حکم ہوا تھا۔ شیخ امام بخش تاج نے مرزا کو لکھا کہ پانچ ہزار ملے تھے؛ تین ہزار روشن الدولہ کھا گئے؛ اور دو ہزار متوسط کو دیکر کہا کہ اس میں سے جو مناسب سمجھو مرزا کو بھیج دو۔ مرزا صاحب نے یہ سن کر بھرپور تحریک کی۔ مگر تین دن بعد یہ خبر سوچنی کہ نصیر الدین مر گئے۔ پھر واجد علی شاہ کے زمانے میں مرزا نے سلسلہ جنابانی کی؛ اور پانسو روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لئے وہاں سے مقرر ہو گئے۔ لیکن صرف دو برس گزرے تھے کہ ریاست ضبط ہو گئی؛ اور وہ دفتر کا دھور دھ گیا۔ لکھنؤ کی ایک صحبت میں۔ جب کہ مرزا وہاں موجود تھے۔ ایک روز لکھنؤ اور دلی کی زبان پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب نے مرزا سے کہا کہ جس موقع پر اہل دہلی اپنے تئیں بولتے ہیں وہاں اہل لکھنؤ آپ کو بولتے ہیں؛ آپ کی رائے میں نصیح آپ کو ہے یا اپنے تئیں؛ مرزا نے کہا نصیح تو یہی معلوم ہوتا ہے جو آپ بولتے ہیں؛ مگر اس میں وقت یہ ہے کہ مثلاً اس سے کہیں یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں، اور میں اس کے جواب میں کہ میں

کروں کہ بن تو آپ کو کتنے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں؛ تو سخت مشکل واقع ہوگی۔ میں تو اپنی نسبت کو ہنکا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں۔ سب حاضرین یہ لطیف سنکر ہنک گئے۔ مرزا کا مطلب صرف اس قدر بیان کرنا تھا کہ آپ کو مخاطب کے لئے تو عموماً بولایا جاتا ہے؛ اگر مکالمہ کے لئے بھی اسکا استعمال ہوگا تو بعض مواقع پر التباس واقع ہوگا۔ اس مطلب کو انھوں نے اس لطیف پیرایے میں بیان کیا۔ مگر یہ فقط ایک لطیف اہل صحبت کے خوش کرنے کے لئے تھا۔ ورنہ اہل دہلی بھی اکثر بجاے اپنے تئیں کے آپ کو بولتے ہیں؛ اسیس کچھ اہل گفتگو کی خصوصیت نہیں ہے۔

ملاحظہ

ازبان کے متعلق مرزا کا اسی قسم کا ایک اور لطیف مشہور ہے۔ دہلی میں رتھہ کو بعضے مونٹ اور بعض مذکور بولتے ہیں کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت! رتھہ مونٹ ہے یا مذکور؟ آپ نے کہا بھیتا! جب رتھہ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مونٹ کو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکور سمجھو۔

ملاحظہ  
ملاحظہ  
ملاحظہ

اتذکرۃ اہلیات میں لکھا ہے کہ ۱۲۴۷ھ میں۔ جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا۔ مشرک مسن سکرٹری گورنمنٹ ہند۔ جو آخر نو اضلاع شمال و مغرب میں انفنٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دہلی میں آئے۔ اور چاہا کہ جس طرح سورہ پیما ہوا کا ایک عربی مدرس کالج میں مقرر ہے؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرس مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے مرزا اور بیویوں اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا۔ سب پہلے مرزا صاحب کو بلایا گیا۔ مرزا بالکل میں سوار ہو کر صفا سکرٹری کے ڈیسے پر پہنچے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی؛ انھوں نے فوراً بتلایا۔ مگر یہ بالکل

سے اتر کر اس انتظار میں ٹھہرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکرٹری اُنکے لینے کو آئیں گے۔ جب بہت دیر ہو گئی، اور صاحب کو معلوم ہوا کہ اس سبب سے نہیں آئے؛ وہ خود باہر چلے آئے اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربارِ گورنری میں تشریف لاویں گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائیگا۔ لیکن اس وقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے کہا گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ آغاز کچھ زیادہ ہونے اس لئے کہ موجودہ آغاز میں بھی فرق آئے۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا مجھ کو اس خدمت سے معاف رکھا جائے؛ اور یہ لکھر چلے آئے۔

مرزا کو شطرنج اور چوہ سر کھیلنے کی بہت عادت تھی۔ اور چوہ سرب کبھی کبھلے تھے برائے نام کچھ بازی بہر کھیلانے تھے۔ اسی چوہ سر کی بدولت سلسلہٴ ہجری میں مرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ گذرا۔ مرزا نے خود اس واقعہ کو ایک فارسی خط میں مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں۔ کو تو ال دشمن تھا اور مجھ پر ٹ ناواقف؛ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باجج مجھ پر ٹ کو تو ال کا حاکم ہے؛ میرے باب میں وہ کو تو ال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سشن نج۔ باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ کرتا تھا اور اکثر محبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اسنے بھی اغراض اور تعافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا کہ کسی نے نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گذر گئی تو مجھ پر کورم آیا اور صدر میں میری رہائی کی رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے اسی رپورٹ سمجھنے پر اسکی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رجم دل حاکموں نے مجھ پر ٹ کو بہت نفرت کی اور

میری خاکساری اور آزادہ روی سے اسکو مطلع کیا؛ یہاں تک کہ اُنہوں نے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ بھیجی۔ اگرچہ میں اس وجہ سے کہ ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے ڈرتا ہوں جاکچہ گزرا اُسکے تنگ سے آزاد اور جو کچہ گزرنے والا ہے اُسپر راضی ہوں۔ مگر اُنہوں کو آئینِ عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں؛ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں ہوں۔ روم ہے، مصر ہے، ایران ہے، ہندو ہے؛ یہ بھی جانے دو خود کو آزادوں کی جاسے پناہ اور اتنا رحمۃ اللعالمین دلوادوں کی تمکین گاہ ہے۔ دیکھیے وہ وقت کب آئے گا کہ درمانگی کی قید سے جو اس گزری ہوئی قید سے زیادہ جانفراہ ہے نجات پاؤں اور بغیر اس کے کہ کوئی متزل مقصود قرار دوں۔

سبھی بھرا نکل جاؤں۔ یہ ہے جو کچہ کہ مجھے گزرا اور یہ ہے جسکا میں آرزو مند ہوں۔  
 واقعہ مرزا صاحب پر نہایت شاق گذرا تھا۔ اگرچہ پہلے حصہ مہینے کے تین مہینے جو انکو قید خانے میں گزرے اُن کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی؛ وہ بالکل قید خانے میں اُسی آرام سے رہے جیسے گھر پر رہتے تھے۔ کھانا اور کپڑا اور تمام ضروریات حسبِ دلخواہ گھر سے انکو پہنچتی تھیں۔ اُنکے دوست اُن سے ملنے جاتے تھے۔ اور وہ صرف بطور نظر بندوں کے چلیانے کے ایک علیحدہ کمرے میں رہتے تھے۔ مگر چونکہ اسوقت تک شہر کے شرفا و اعیان کے ساتھ کبھی اس قسم کا سلوک مرزا نے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ اسکو ایک بڑی بے اُردوئی کی بات سمجھتے تھے۔ چنانچہ جو ترکیب بند انھوں نے قید خانے میں لکھا تھا اُس میں کہتے ہیں

راز دانا غمِ رسوائی جاویدِ بلاست	بہرِ آزارِ عثم از قیدِ فرنگمِ نبذ
جو برِ اعدا رود از دلِ بہرہائی - لیکن	طعنِ اجاب کم از غمِ فرنگمِ نبذ

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے اُس زمانے میں مرزا کے ساتھ دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا۔  
 اپیل میں جو کچھ صرف ہوا وہ اپنے پاس سے صرف کیا اور تین مہینے تک برابر انکی غمخواری اور ہر طرح کی  
 خبر گیری میں مصروف رہے۔ چنانچہ اسی ترکیب بند میں نواب مرحوم کی نسبت کہتے ہیں۔

خود چراغوں غم از غم کہ غمخواری من رحمت حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی

خواجہ بہت دریں شکر گزارِ پرش و پایہ خویش تسم در غمِ بشر آمد گوئی

مصطفیٰ خاں۔ کہ دریں واقعہ غمخوارِ منت

گر بمرم چہ غم از مرگ۔ عند اداِ منت

جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو میاں کاٹلے صاحب کے مکان میں آکر رہتے تھے۔  
 ایک روز میاں کے پاس بیٹھے تھے؛ کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا  
 ”کوں بھڑو قید سے چھوٹا ہے؟ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔“

مرزا نے قید میں ایک فارسی ترکیب بند اپنے صاحبِ مال لکھ کر دوستوں کو بھیجا تھا۔ اس نظم  
 میں گلِ ساتِ بند اور ہر بند میں بارہ بارہ شعر ہیں۔ مرزا کے عزیزوں اور دوستوں نے کلیات فارسی  
 میں اس نظم کو چھپنے نہیں دیا تھا؛ مگر مرزا صاحب نے مرنے سے کسی قدر پہلے اپنی جدید نظم کا ایک  
 مجموعہ موسوم بہ ”سبدِ چین“ شائع کیا تھا؛ انہیں اس ترکیب بند کو بھی شامل کر دیا تھا۔ لیکن چین  
 کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی؛ اس لئے یہ ترکیب بند بہت کم لوگوں کی نظر سے گزر رہی ہے۔ چونکہ

۴۴ حضرت محمد نصیر الدین ۶۷۰ میاں کاٹلے صاحب بابر شاہ مرحوم کے بیٹے اور مولانا خزاہی قدس سرہ کے پوتے تھے۔  
 مرزا قتل تک ان کے مکان میں رہے ہیں۔ وہ مرزا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور انہیں کی قریب سے تعلیم

تعلق پیدا ہوا تھا ۱۱



یہ ترکیب بند مرزا کی عمدہ ترین حالتیہ نظموں میں سے ہے اس واسطے اس کے مختلف بندوں میں سے  
کچھ کچھ شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں

غم دل پر وہ دوری کرد۔ فغاں ساز کنم	خواہم از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم
خویشتر را بہ سخن ز مرمر پرداز کنم	بہ نوائے کہ ز مضرب چکاند خواب
چوں نویسم غزل اندیشہ ز غماز کنم	چوں سرایم سخن انصاف ز مجرم خواہم
اں نہ گنج بہ کہ تو دور کو بی و من باز کنم	یار دیرینہ! قدم رنجب منفر کا بجایا
تا جوں مسد ز نشینی چہ قدر باز کنم	اہل زنداں بسر و چشم خودم جادواز
خویشتر را بہ شمشاد ہم و ہر از کنم	ہلہ دزدان گرفتار! دغا نیست بشہر
دور زنداں بکشاید کہ من سے ایم	پاسانان بہم آید کہ من سے ایم
خیرعت دم بسر آید کہ من سے ایم	ہر کہ دیدے بہر خویش سپاسم گفتے
راحم از دور نماید کہ من سے ایم	جادو نشناسم و زانبہ شامی ترسم
سخت گیرندہ چہ آید کہ من سے ایم	رہر و جسادہ قتلیم درختی کند
بخت خود را بتناہد کہ من سے ایم	ہاں عزیزاں کہ دریں کلبہ اقامت داید
قدمے رنج نماید کہ من سے ایم	تا بہ دروازہ زنداں پہلے آؤد دن من
بہر از من برآید کہ من سے ایم	چوں سخن سنجی و فرزاگی آئین من ست
آفتاب از جہت قبلہ برآمد گوئی	اچہ فردا ست مسم امر در دماغ گوئی
شب و روز یکہ مرا بود سر آمد گوئی	دل دہستے کہ مرا بود فردا تہر کار

ابن  
اول

ابن  
۱۰

ابن  
۱۱

بہرہ اہل جہاں چوں نہ جہاں دروغ و غمست  
 بہرہ من ز جہاں بیشتر آمد گوئی  
 خشن و دبستن من بد غمست - برو  
 بر من اینہا ز صفت او قدر آمد گوئی  
 ہنرم را نتوان کرد چو خشن صنائع  
 خشکی غازیہ روئے ہنر آمد گوئی  
 چرخ یک مرد گر انانیہ بر نذاں خواہد  
 یوسف از قید زمین ابر آمد گوئی  
 ہمدماں! در دلم از دیدہ نہانید ہمہ  
 غالب غنجدہ را روح در دانید ہمہ  
 بندہ احمد کہ در عیش و نشاطید ہمہ  
 بندہ اش کہ کہ باشوکت و شایید ہمہ  
 من بخون خفتہ و نیم ہمہ بینید ہمہ  
 من جگر خستہ و دامن ہمہ دانید ہمہ  
 در میاں ضابطہ مہر و فائے دوست  
 من بر نیم کہ ہر آئینہ بر آید ہمہ  
 روزے از مہر گفتیہ فلانی چوں ست  
 بارے از لطف گوید چنانید ہمہ  
 چارہ گر نتوان کرد دعائے کافی ست  
 دل اگر نیست حسد او نہ بر آید ہمہ  
 ہفت بندست کہ در بند رقم ساختہ ام  
 بنویسید و بر بسیند و بخوانید ہمہ

اں نہ باشم کہ ہر بزم زمں یاد آید

دارم امید کہ در بزم سخن یاد آید

۱۲۶۶ھ میں مرحوم ابو ظفر سراج الدین بجا در شاہ نے مرزا کو خطاب بزم الدولہ و دبیر الملک نظام جنگ

اور بیضہ پارسے کا خلعت مع تین رقوم جہا ہر یعنی جغیہ و سر تیج و حائل مردا بیگے - در بار عام میں حرم

فرمایا اور خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کی خدمت پر ہشاہر و پچاس - و پیہ ماہوار کے مامور کیا - اور یہ قرا پالہ

کہ احترام الدولہ حکیم حسن اللہ خاں مرحوم مختلف تاریخوں سے مضامین اتفاقا کر کے مرزا کے حوالہ کیا کریں

وینہ  
پتہ

مجلس  
مجلس

اور مرزا ان تمام مطالب کو اپنی طرز خاص کی فارسی ختیس بیان کریں۔ اور کتاب دوحصوں پر تقسیم کی جائے۔ پہلے حصے میں کچھ مختصر حال ابداءے آفرینش سے صاحبقران تیمور گورکان تک، اور کسی قدر معقل حالات تیمور سے نصیر الدین ہایوں کے اخیر زمانے تک بیان کئے جائیں۔ اور دوسرے حصے میں جلال الدین اکبر بادشاہ سے لیکر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک تمام واقعات منسلک و کے ساتھ درج کئے جائیں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام پر توستان اور اس کے پہلے حصے کا نام مہر نیمروز اور دوسرے حصے کا نام ماہ نیم ماہ تجویز کیا تھا۔ ان کو اپنی دو ترکیبوں پرناز تھا؛ ایک ماہ نیم ماہ اور دوسرے رتخیز بجیا۔ مرزا کہتے تھے کہ چودھویں رات کے چاند کو ماہ چاروہ اور ماہ دومفتہ تو پہلے لوگوں نے اکثر باندھا ہے؛ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے ماہ نیم ماہ کسی نے نہیں باندھا۔ یہ ترکیب خاص میری تراشی ہوئی ہے۔ مگر اس میں ہے کہ دو مرحلہ یعنی ماہ نیم ماہ بالکل نہیں لکھا گیا۔ مہر نیمروز ختم ہونے کے بعد مرزا نے ذرا آرام لینے کے لئے چند روز توقف کیا تھا اور ماہوہ تھا کہ طلبہ دو مرحلہ شروع کریں کہ اتنے میں غدر ہو گیا اور اس حصے کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔

حیدرآباد سے ایک صاحب نے مرزا سے ماہ نیم ماہ کو طلب کیا تھا اس کے جواب میں لکھتے ہیں ”ماہ نیم ماہ اسیست کہ سنی ندارد۔ چون از سر نوشت گردن نتوان بیچید سرگذشت باز گویم ہر گاہ یک نیز از پر توستان انجام یافت، و مہر نیمروز نام یافت، نختے درنگ و زدیہ شد؛ تا نفس راست کردہ آید، ناگاہ کار فرما را روز فردرفت، و روزگار سر آمد؛ و دولت و یرثہ ترکمانان فرچا رتہ سپری گشت۔ ماہ نیم ماہ مچوں

۴۰ رتخیز بے جا نہ کہ تاریخ کا مادہ ہے۔ اس میں رتخیز کے اعداد یعنی ۱۲۷۷ میں سے جا کے عدد یعنی ۴۰ کا استخراج

کیا ہے

بادست و ہشت شبہ ناپدیدار، و نامش بعنوان بے نشانی در مہر نیم روز آشکار ماند۔

اسٹنہ جری میں۔ جبکہ شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کے اشعار کی اصلاح بھی مرزا سے متعلق ہو گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اس کام کو بادل ناخواستہ سرانجام کرتے تھے۔ ناظر حسین مرزا مرحوم کہتے تھے کہ ایک روز میں اور مرزا صاحب دیوان عام میں بیٹھے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا کہ حضور نے غزلیں مانگی ہیں۔ مرزا نے کہا ذرا ٹھیر جاؤ؛ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پاگلیں کچھ کاغذ و مال میں بندھے ہوئے رکھتے ہیں وہ لے آؤ۔ وہ فوراً لے آیا۔ مرزا نے جو اسکو کھولا تو انیس سے آٹھ نو پرچے۔ جن پر ایک ایک دو دو مصرع لکھا ہوا تھا؛ نکالے۔ اور اسی وقت دو دات قلم منگو کر ان مصرعوں پر غزلیں لکھنی شروع کیں؛ اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ یا نو غزلیں تمام و کمال لکھ کر چوبدار کے حوالے کیں۔ ناظر مرحوم کہتے تھے کہ ان تمام غزلوں کے لکھنے میں ان کو اس سے زیادہ دیر نہیں لگی کہ ایک مشتاق استاد چند غزلیں مرتب کیں اصلاح دیکر درست کر دے جب چوبدار غزلیں لیکر چلا گیا تو مجھے کہا کہ حضور کی کبھی کبھی کی فرمائشوں سے آج مدت کے بعد سبکدوشی ہوئی ہے اگرچہ مرزا صاحب جو کچھ اپنی طرز خاص میں لکھتے تھے۔ قلم ہر یا نثر اسکو بڑی کاوش اور جانکاری سے سرانجام کرتے تھے؛ چنانچہ خود انھوں نے جا بجا اسکی تصحیح کی ہے؛ مگر جب کبھی اپنی خاص روش پر چلنے کی ضرورت منوئی تھی اس وقت ان کو فکر پر زیادہ زور دانا نہیں پڑتا تھا۔

اسٹنہ ع میں۔ جبکہ نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم کلکتے گئے ہوئے ہیں۔ مولوی محمد عالم مرحوم نے جو کلکتے کے ایک دیرینہ سال فاضل تھے۔ نواب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔ ایک مجلس میں۔ جہاں مرزا بھی موجود تھے؛ اور میں بھی حاضر تھا۔ شعر کا ذکر

منت  
اصلاح  
اشعار  
بادشاہ

چوبدار

ہو۔ باتا۔ اثنائے گفتگو میں ایک صاحب نے فیضی کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ”فیضی کو جیسا  
 لوگ سمجھتے ہیں ویسا نہیں ہے۔“ سپر بات بڑھی۔ اُس شخص نے کہا فیضی جب پہلی ہی بار اکبر کے  
 دربار ویا تھا۔ اُسے دھاتی سوشر کا قصیدہ اُسی وقت ارتجالاً لکھ کر پڑھا تھا۔ مرزا بولے ”اب  
 بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سونہیں تو دو چار شعر ہر موقع پر چاہتے کہہ سکتے ہیں۔“ چنانچہ  
 نے جیب میں سے ایک چمکنی ڈلی نکال کر پیش کی پر کئی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ لکھنا  
 ۔ مرزا نے کیا۔ وہ شعر کا قطعہ اُسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیا۔ جو کہ اُنکے دیوانِ رحیمتہ میں موجود  
 ہے۔ اور جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ہے جو صاحب کے کن دست پہ چمکنی ڈلی      زیب دیا ہے اسے جس قدر اچھا کیسے

مرزا صاحب کے اولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے پے درپے ہوئے؛ مگر کوئی زندہ نہیں با  
 اس لئے ایک مدت سے وہ اور اُنکی بی بی تنہا زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر غرض سے چند سال پہلے جبکہ  
 اُنکی بی بی کے بھانجے زمین العابدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا، اور اُنکے دونوں بچے ایک باقی ماند  
 اور دوسرے حسین علی خاں صغیر سن رہ گئے۔ تو مرزا اور اُنکی بی بی نے چھوٹے لڑکے حسین علی خاں کو جو  
 اُس وقت بہت کم عمر تھا اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ مرزا حسین علی خاں کو حقیقی اولاد سے  
 بھی کچھ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے اور کبھی اُنکے سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے اور حد سے زیادہ نافرمانی  
 کرتے تھے۔

جب زمین العابدین خاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علی خاں کے بڑے بھائی باقر علی خاں  
 کو بھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ دونوں خوش فکر اور اہل اور نیکو اور نہایت شریف مزاج تھے

مگر افسوس ہے کہ مرزا کی وفات کے بعد وہ نو تھوڑے تھوڑے فاصلے سے جوان عمر میں فوت ہو گئے۔

ازین العابدین خاں عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجے کا تعلق تھا۔ کچھ تو قرابت کے سبب، اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے، اور

باوجود پُرگوئی کے نہایت خوش گو تھے؛ انکو حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسی لئے جب جوان عمر میں فوت ہو گئے تو مرزا اور انکی بی بی پر سخت حادثہ گذرا۔ مرزا نے انکے مرنے پر ایک غزل بطور نوحہ کے لکھی ہے جو نہایت بلیغ اور دردناک ہے۔ چنانچہ انکے چند شعر ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

لازم تھا کہ دیکھو مرزا کونئی دن اور	تنہا گئے کیوں؟ اب ہوتا کونئی دن اور
اُنے ہو گل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں	ماں کہ نہیں آج سے اچھا کونئی دن اور
جانے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے	کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کونئی دن اور
ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف	کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرنا کونئی دن اور
تم ماؤ شب چارو ہم تھے برس گھر کے	پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کونئی دن اور
تم ایسے کہاں کے تھے کہ بے داد و شک	کرنا ملک الموت تفت اندا کونئی دن اور
جھٹھے تھیں نفرت سی پیر سے لڑائی	پتھوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کونئی دن اور
گذری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش؟	کرنا تھا جواں مرگ! گذرا کونئی دن اور
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب!	قسمت میں ہے مرنے کی تماشا کونئی دن اور

غدر کے زمانے میں مرزا دلی سے بلکہ گھر سے بھی باہر نہیں نکلے۔ جو میں بناوت کا قندہ تھا۔ انھوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا، اور گوشہ تنہائی میں غدر کے حالات لکھنے شروع کئے۔

اگرچہ فتح دہلی کے بعد مہاراج پٹیا لکی طرن سے حکیم محمود خاں مرحوم اور انکے ہمایوں کے مکان پر۔  
 جنہیں ایک مرزا بھی تھے۔ حفاظت کے لئے پہرہ بیٹھ گیا تھا؛ اس لئے وہ فخریہ سپاہیوں کی  
 لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہے؛ مگر پھر بھی انکو طرح طرح کی کلفتیں اٹھانی پڑیں۔ مرزا کے چھوٹے  
 بھائی جو تین برس کی عمر میں دیوانے ہو گئے تھے، اور اخیر دم تک اسی حالت میں رہے؛ جب مرزا نے  
 دلی میں سکونت اختیار کی تو انکو بھی اپنے ساتھ میں لے آئے تھے۔ مرزا کے مکان سے انکا مکان  
 تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ ایک دربان اور ایک کنیز کہ دو نو عمر سیدہ تھیں۔ انکے پاس رہتے  
 تھے۔ جب دلی فتح ہو گئی، اور شہر اہل دہلی سے خالی ہو گیا، اور رستے بند ہو گئے؛ اس وقت  
 مرزا بھائی کی طرن سے سخت پریشان رہنے لگے۔ بھائی کے کھانے پینے سونے مرنے اور بیٹنے  
 کی مطلق خبر نہ تھی۔ ایک روز یہ خبر آئی کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی کچھ سپاہی گھس آئے تھے،  
 اور جو کچھ اسباب ملا۔ لے گئے۔ پھر ایک دن وہی بڑا دربان جو مرزا یوسف کی دیوڑھی پر رہتا تھا  
 یہ خبر لایا کہ پانچ روز سخت تپ میں مبتلا رہ کر آج آدھی رات گزرے مرزا یوسف کا انتقال ہو گیا۔  
 اس وقت تکفن کے لئے کچرا بازار میں مل سکتا تھا؛ نہ غسل اور گورکن کا کپڑا تھا؛ نہ شہر سے  
 قبرستان تک جانا ممکن تھا؛ مگر مرزا کے ہمایوں نے انکی بڑی مدد کی۔ پٹیا لکی فوج کے ایک  
 سپاہی کو۔ جو حفاظت کے لئے تعینات تھا۔ اور مرزا کے دو آدمیوں کو ساتھ لیا؛ اور مرزا صاحب  
 کے ہاں سے دو سفید چادریں لیکر مرزا یوسف کے مکان پر پہنچے۔ اور بعد غسل اور تھمیز و تکفین  
 کے مسجد کے صحن میں۔ جو مکان کے قریب تھی۔ دفن کر دیا۔ مرزا نے دستہ بنوں میں اس مقام پر  
 یہ اشارہ کیے ہیں۔

دینج آں کہ اندر درنگ نہ بیت      سہ شادوی سال ناشاد بیت  
 تیر خاک بالیں خشتش نہ بود      بجز خاک در سرخشتش نہ بود  
 خدا یا بریں مردہ بتخانے      کہ نادیدہ دزیت آسانے  
 سر دشتے بد بولے اوزرست      روانشن بجا دہ مینورست  
 اور بھائی کے مرنے کی تاریخ اس طرح لکھی ہے،  
 ز سال مرگ ستودہ میرزا دوست      کہ زیتے بچاں در ز خوش بکا:  
 یکے در تخمین از سن ہے پڑدش کرد      کشیدم آہے و گفتم دینج دیوانہ  
 ہمیں لفظ آہے کا ترجمہ درینج دیوانہ میں سے کیا ہے۔

ایک روز کچھ گورے مرزا کے مکان میں بھی گھس آئے تھے۔ ماجہ کے سپاہیوں نے ہر چند روکا  
 مگر انھوں نے کچھ اتفاقات نہیں کیا۔ مرزا دستیوں لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر  
 کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا، مگر مجھے، اور دونوں بچوں کو، اور دو تین نوکروں کو، مع چند سپاہیوں  
 کے کرنل بردن کے رو برو۔ جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں  
 مقیم تھے۔ یلئے۔ کرنل بردن نے بہت نرمی اور انسانیت سے ہمارا حال پوچھا اور ہر کھڑکت کر دیا۔  
 آنا ہے کہ مرزا جب کرنل بردن کے رو برو گئے تو اس وقت کلاہ سپانچ انکے سر پہ تھی۔ انھوں نے  
 مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا کہ دل تم مسلمان؟ مرزا نے کہا اؤھا۔ کرنل نے کہا اسکا کیا مطلب؟  
 مرزا نے کہا ”شراب پیتا ہوں، سوز نہیں کھاتا، کرنل پٹنکرہ نے لگا۔ پھر مرزا نے وزیر ہند



کی جھٹی۔ بولمکہ منظر کے مرتبہ قیصر سے کی رسید اور جواب میں آئی تھی۔ دکھائی۔ کرنیل نے کہا تم سرکار کی نفع کے بعد پیاری پڑکیوں نہ حاضر ہوئے؟ مرزا نے کہا ”میں چار کماروں کا افسر تھا۔ دو چاروں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے؛ میں کیونکر حاضر ہوتا؟ کرنیل نے نہایت مہروانی سے مرزا اور ان کے تمام ساتھیوں کو نصیحت کر دیا۔

اس مقام پر مرزا اپنی کتاب دستنبویں لکھتے ہیں کہ ”سچ بات کا چھپانا آزادوں کا کام نہیں ہے۔ میں آدھا مسلمان کہ جس طرح قید کیش وقت سے آزاد ہوں اسی طرح بدنامی اور ہوائی کے خوف سے وارستہ ہوں۔ میری موت سے یہ عادت تھی کہ رات کو فریج کے سوا کچھ کھاتا پیتا تھا اور اگر وہ نہ ملتی تھی تو جھکڑ بنیدہ آتی تھی۔ اگر جو امزد، خدا دوست، خدا شناس، دیار بدل نہیں دس ہندوستانی شراب۔ جو رنگ میں فریج سے مشابہ، اور بویں اس سے بہتر تھی۔ مجھے نہ بھیجتا تو میں ہرگز جاں نہ ہوتا۔ اس کے بعد یہ رباعی لکھی ہے

رباعی

از دیر دلم واپہ ز ہر درمی جست از بادۂ تاب یک دوسا غمی جست

فرزادہ ہمیشہ داس بخشیدہ بن امیے کہ برے خود سکتہ درمی جست

چونکہ اس وقت مسلمانوں سے شہر خالی ہو گیا تھا مرزا کے ہندو دوستوں کے سوا۔ جو ان کے پاس برابر آتے رہتے تھے، اور ہر طرح سے انکی غمخواری کرتے تھے۔ کوئی ان کا غمخوار نہیں رہا تھا۔ مرزا کی سفاک کے صرف دو ذریعے تھے؛ سرکاری پنشن، اور طلے کی خواہ؛ سو یہ دونو ذریعے مسدود

ہو گئے تھے۔ شہر کے تمام مسلمان عائد جو مرزا کے دوست اور عزیز تھے۔ اپنی اپنی حالت میں گڑھا کرتے۔  
 اسکے سوا گھر میں جس قدر بی بی کے پاس زیور یا کوئی اور قیمتی چیز تھی؛ جب شہر لٹنے لگا۔ تو وہ دوسری  
 جگہ گھارنے دا بنے کے لئے بیچ دیا؛ جہاں سے فتنہ سپاہ نے کھود کر سب نکال لیا۔ مگر مرزا نے  
 اس تنگی و مصرت کی حالت میں بھی اپنے متعدد نوکروں میں سے کسی کو جواب نہیں دیا، اور جو حالت  
 آہنہ اور انکے متعلقین پر خوش و ناخوش گذری انہیں نوکر بھی برابر شریک رہے۔ نوکروں کے علاوہ  
 جن لوگوں کے ساتھ مرزا اس کے زمانے میں ہمیشہ سلوک کرتے تھے وہ اس حالت میں بھی مرزا کو  
 ستاتے تھے اور چارنا چار انکی بھی مرزا کو خیر لینی پڑتی تھی۔ مرزا لکھتے ہیں کہ اس ناداری کے  
 زمانے میں جس قدر کہڑا، اور ڈھنا، اور بھونا گھر میں تھا سب بیچ کر کھا گیا گویا اور لوگ  
 روٹی کھاتے تھے اور میں کہڑا کھاتا تھا، اسکے بعد کتاب کو اس طرح ختم کرتے ہیں کہ اس بار خیر  
 اطفال یمینی کتاب دستنبو کے لکھنے میں کب تک خامہ فرسائی کی جائے؛ جو حالت کو اس وقت  
 درپیش ہے ظاہر ہے؛ کہ اسکا انجام باموت ہے، یا بھیک مانگنا۔ پہلی صورت میں قینا پادشاہ  
 تمام رہنے والی ہے، اور دوسری صورت میں نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؛ کہ کسی دکان  
 سے دھسکارے گئے، اور کسی دروازے سے کوڑی پیسا کچھ مل گیا۔ پس اپنی ذلت و رسوائی  
 کے سوا اب انہیں لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ قدیم نیشن اگر مل بھی گئی تو بھی کام چلتا نظر نہیں آتا؛  
 اور نہ ملی تو تو کلام ہی تمام ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دونو صورتوں میں۔ چونکہ اس شہر کی آب و ہوا اب  
 خستہ دلوں کو اس آتی معلوم نہیں ہوتی۔ ضرور شہر چھوڑنا اور کسی اور بستی میں ہجرت کرنا پڑے گا۔  
 اندر کے بعد دو برس تک مرزا کا یہی حال رہا۔ مگر دو برس بعد نواب دوست علیخان مرحوم میں مہر

نے نواز و پید ناہور ہمیشہ کے لئے مرزا کے واسطے مقرر کر دیا۔ جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے  
بھی بدستور مرزا کے اخیر دم تک جاری رکھا۔ اور قدرے تین برس بعد جب مرزا ہر ایک الزام  
سے بری ثابت ہوئے سرکاری نشین بھی جاری ہو گئی۔

جب نواب یوسف علیخان کا انتقال ہو گیا اور مرزا اتونیت کے لئے رام پور گئے چند روز بعد  
نواب کلب علیخان مرحوم کا نواب فاضل گزیرے لئے کو بیلی جانا ہوا انکی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود  
تھے پلٹے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا ”خدا کے سپرد“ مرزا نے کہا حضرت  
خدا نے تو مجھے آپکے سپرد کیا ہے آپ پھر اٹھا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں“

جب مرزا دستنبو کو قلم کر چکے، اور اب بھی تنہائی اور نشائے کا وہی عالم رہا، اس وقت سوار کے  
اور کیا چارہ تھا کہ دوات اور قلم کو مونس اور رفیق سمجھیں، اور کچھ لکھ پڑھ کر اپنا غم غلط کریں۔ اور دل سہلائیں  
مرزا پاس اس وقت سوائے برہان قاطع اور دساتیر کے کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ برہان کو اٹھا کر  
سرسری نظر سے دیکھا شروع کیا۔ پہلی ہی نگاہ میں کچھ بے ربطیاں سی معلوم ہوئیں۔ پھر زیادہ غور سے  
دیکھا تو اکثر لغات کی تعریف غلط پائی۔ ایک ایک لفظ متعدد فصلوں میں مختلف صورتوں سے لکھا دیکھا۔ شعرا  
نے بوالفاظ بطور مجاز و کنایہ کے استعمال کئے ہیں ان کا ذکر بطور مستقل لغات کے دیکھا۔ طریق بیان اکثر  
بہوڑا اور اصول لغت نگاری کے خلاف پایا۔ بہت سے لغات کی ایسی تفسیر بھی دیکھی جسکے معنی بالکل  
سمجھ میں نہ آئے۔ مرزا نے یادداشت کے طور پر جو مقام قابل اعتراض نظر آئے انکو ضبط کرنا شروع  
کیا۔ شدہ شدہ وہ ایک کتاب بن گئی۔ جب کا نام قاطع برہان رکھا گیا، اور شدہ شدہ اے میں حبیب کر  
شائع ہو گئی۔ پھر مرزا نے شدہ اے میں باضائے دیگر مضامین و فوائد اسکو دوسری بار چھپوایا اور اسکا

نام درفش کاویانی رکھا۔

یہاں دو چار مثالیں اُن الفاظ کی دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں جن پر مرزا نے صاحبِ باں کا  
تخنیہ کیا ہے۔ مثلاً صاحبِ برہان نے عنبر لڑاں کے معنی گیسوے رسول مقبول کے لکھے ہیں؛ اور پھر  
کتاہے کہ اُسکو عنبر لڑاں بھی کہتے ہیں۔ مرزا۔ صاحبِ برہان کی غلطی کا منشاء یہ بتاتے ہیں کہ اُسے  
انظامی کا یہ شعر دیکھا ہے جو لغت میں ہے ”جو بے کراں عنبر لڑاں دی ہو مگر بد عالم وہی اڑاں وہی“۔  
پس عنبر لڑاں میں استعارہ کو اصلی لغت قرار دیا اور دوسرے مصرعے میں اڑاں کے موقع اور عمل  
کو بالکل نہیں سمجھا اور انحضرت کی زلف عنبر جو دو نوجوان کے بدلے میں بھی اڑاں ہو اسکا نام عنبر لڑاں  
رکھ دیا یا مثلاً برہان میں لکھا ہے ”قافلہ شد یعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ گناہ از فوت شدن  
بینبر باشد“۔ اول تو قافلہ شد کو ایک لغت قرار دینا ہی بے معنی ہے پھر اس کے معنی قافلہ سالار رفت کہنا  
اور قافلہ سالار کے جانے سے وفات سرور کائنات مراد لینا غلط و غلط اور خطہ خطہ ہے مرزا غلطی کا منشاء  
مولانا نظامی کے اس شعر کو بتاتے ہیں ”قافلہ شد واپسی ماہیں“۔ اسے کس مابکیس ماہیں +  
یہ شعر مخزنِ اسرار کی مناجات میں واقع ہوا ہے مگر مرزا نے سہو سے اسکو جامی کی طرز منسوب کیا ہے شعر کا  
مطلب یہ ہے کہ چاہے دوست اور رفیق اور ساتھی سب چل دیے اب تیرے سوا کوئی ہمارا یا رہ نہ گا نہیں  
ہے یا مثلاً صاحبِ برہان لکھتا ہے کہ ”شش ضرب تیجہ خوب گناہ از گھر و دریا شد و گناہ از شک  
و گناہ از شکر و عمل و اقسام میرہ اہم بہت و مخوف ضرب ہم بفرآمد کہ شش تیجہ خوب باشد“۔ مرزا نے  
جو اسکا خاکا اڑایا ہے وہ طول طویل ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس مرتبہ اور بے معنی جملے کو لغت قرار دینا  
صاحبِ برہان ہی کا کام ہے اور اس طرح کے مدعا انفا میں جن پر مرزا نے گرفت کی ہو اور اس طرح کے

نفرشیں اور بے رعبیاں ہیں جو بغیر اسکے کہ درفش کا دیانی کو اول سے آخر تک دیکھا جائے ذہن نشیں نہیں ہو سکتیں۔

جس وقت مرزا نے قاطع برہاں لکھی ہے نہ اس وقت اُنکے پاس ایک قلمی برہان کے سوا کوئی فرہنگ لغات تھی، اور نہ کوئی اور ایسا سامان موجود تھا جس پر تحقیق لغت کی بنیاد رکھی جاتی۔ پس کچھ اُنہوں نے لکھا یا محض اپنی یادداشت کے بھروسے پر اور یا ذوق و وجدان کی شہادت سے لکھا۔  
 ہائیمہ چند مقامات کے سوا۔ جہاں فی الواقع مرزا سے نفرش ہوئی ہے، اور بعض غلطیوں کا اُٹھول نے خود بھی اقرار کیا ہے۔ اُنکے تمام ایراد و اجبی معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ درفش کا دیانی لکھتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ فضلاء فلکاتہ کی مصحح و مطبوعہ برہان مرزا کے پیش نظر تھی۔

اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہر کس و ناکس مرزا کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ ایک قاطع برہاں کے جواب میں محرق قاطع، قاطع قاطع، سوزیر برہان، ساطع برہان وغیرہ چند رسالے لکھے گئے۔  
 مخالفت کی وجہ ظاہر ہے۔ تقلید نہ صرف امور مذہبی میں بلکہ ہر چیز، ہر کام، ہر علم، اور ہر فن میں ایسی ضروری شے ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ خود کسی کے دل میں خطور کرتا ہے؛ اور نہ کسی دوسرے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ سلف کے خلاف کوئی بات زبان پر لائے۔ جو کتاب تودو سو برس پہلے لکھی جا چکی ہے وہ وحی منزل کی طرح واجب التسلیم سمجھی جاتی ہے۔ پس مرزا کے اعتراضات برہان قاطع پر کیسے ہی صحیح اور دیہی ہوتے؛ لیکن نہ تھا کہ اُنکی سختی کے ساتھ مخالفت نہ کیا جاتی۔

بعض لوگوں کو یہ خیال ہے کہ مرزا نے جواز راہ شوخی طبع کے صاحب برہان کا جا بجا خاک اُڑایا ہے اور کہیں کہیں الفاظ ناملائم بھی غیظ و غضب میں اُنکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں زیادہ تر اس وجہ سے

دین کی مخالفت کی وجہ

مخالفت ہوئی؛ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اگر مرزا صاحب برہاں کی نسبت ایسے الفاظ نہ لکھتے تو بھی مخالفت ضرور ہوتی۔ کیونکہ ہندوستان کے پرانے تعلیم یافتہ جو آج کل ایک نہایت کس پرہز حالت میں ہیں۔ اُنکے لئے کچھ غول دگنامی سے نکلنے کا کوئی موقع ایک سو ابائی نہیں رہا کہ کسی سربراہ اور ممتاز آدمی کی کتاب کا رد لکھیں اور لوگوں پر یہ چاہا ہر کریں کہ ہم بھی کوئی چیزیں جو رسالے قاطع برہاں کے جواب میں لکھے گئے ہیں جب اُن کو سرسری نظر سے دیکھا جاتا ہے تو مرزا کے اعتراضوں کے اکثر جواب بہت صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک عجیب برہاں کی تائید اس طرح کرتا ہے کہ جس طرح صاحب برہاں نے لغت کی تحقیق کی ہے: اسی طرح فرهنگ جمانگیری، یا فرهنگ رشیدی، یا سراج اللغات، یا مؤد الفضلار، یا ہفت قلم، یا کسی اور فرهنگ میں لکھا ہے۔ اور اس سے بادی النظر میں صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا اعتراض غلط ہے۔ مگر جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فارسی لغات کی اکثر فرهنگیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، اور جو فرهنگ سے پہلے لکھی گئی تھی پھلوں نے زیادہ تر اسکا نتیجہ کیا ہے؛ تو کسی عجیب کے جواب کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی۔

ایران کے ایک مشہور مصنف رضا قلی خاں ہدایت نے مشاعرہ میں یعنی مرزا کی وفات سے چار برس بعد فارسی لغت کی ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ جو فرهنگ نامہ صری کے نام سے موسوم ہے، اور مرزا کی وفات سے دس بارہ برس بعد ہندوستان میں آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ فارسی لغات کے متعلق جو کچھ اُس نے لکھا ہے وہ بہر حال اُن فرهنگ نگاروں کی تحقیقات سے جنہوں نے ہندوستان میں مبسوط فارسی لغت کی کتابیں لکھی ہیں۔ زیادہ معتبر اور زیادہ اطمینان کے لائق ہوگا۔ اُس نے اپنی فرهنگ کے شروع میں ایک باب فرهنگ جمانگیری، فرهنگ رشیدی، اور برہاں قاطع

تینوں کی غلیظوں اور فرشتوں کے بیان میں منعقد کیا ہے اور اُسکے بعد ایک باب میں صرف  
برہان قاطع کی غلیظاں ظاہر کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اندلس ایک جزیرہ ہے ایک پہاڑ کے اوپر، یا  
ہندو ایک صوبہ ہے ہندوستان کا، یا چچاک کے تین معنی لکھے ہیں؛ پیشانی، قبالہ نویس،  
اور ہر کن (اور یہ تینوں معنی غلط لکھے ہیں) یا کروخ جو ایک قریب ہے مضافات ہرات میں اُسکو  
برہان میں لکھا ہے۔ قریب است از قراے عالم۔ یہاں از راہ طرہ صاحب فرہنگ نامری لکھتا  
ہے "فی الحقیقت تحقیقہ دقیق فرمودہ است" اسی طرح بہت سی غلیظاں صاحب برہان کی اس  
باب میں ظاہر کی ہیں۔ اور اسکے سوا اپنی تمام فرہنگ میں جا بجا اُسکا تخریض کیا ہے۔

بواغراض مرزا نے برہان پر وار د کئے ہیں؛ انکی بھی جا بجا فرہنگ نامری سے تائید ہوتی  
ہے۔ ازاں جملہ لفظ انجلیں۔ استخر و اصطر، جمدہ، بانتر، راوش، دزاوش، کار کیا،  
دبڑہ، داویشرو، اور اسی طرح کے اور بہت سے الفاظ کی تحقیق فرہنگ نامری میں مرزا کے  
بیان کے مطابق پائی جاتی ہے۔ اسکے سوا برہان کے بیان کو جہاں مرزا نے بے معنی اور مہمل  
بتایا ہے؛ رضا قلی خاں بھی اُسکو مہمل بتاتا ہے۔ مثلاً لفظ انجکک کی تفسیر میں صاحب برہان  
لکھتا ہے "ہر چند فراش خیال جارد بہ سنبل بر بل فرسک ریش زنداز پوست اُس پاک تواند"  
مرزا اسکی نسبت لکھتے ہیں "نفردہ اخیر گو کلام دیوست؛ ہر گاہ خوبی تحقیق چناں و حسن عبارت  
چنین باشد مقصود اصل کہ معلوم کردن محبوباں است از برہان قاطع چگونہ حاصل تو اں کرد" غلطی  
از راہ طرہ اسی فقرے پر یہ لکھتا ہے "دریں مقام اِس اُفتاسے بر بیع و بیان بلینج زادہ طبع پیشانی  
مجددہ برہان ذوق سلیم و سلیقہ مستقیم صاحب برہاں خود ہیں عبارات بس است تا از پیش

ازوجہ آید۔ اسی طرح برہان کی اکثر مثل عبارتیں نقل کر کے اسپر منتا ہے اور کہتا ہے کہ ”در ولایت ہند  
 کہ ترک و دامتہ دہ پارسی ضبط و تصحیح لغات فارسی کے توانند“ ایک ملکہ صاحبہ برہان جامع (جو کراچی ہے)  
 کا قول برہان قاطع کے باب میں نقل کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ”برہان قاطع میں لغات بغیر سند اور  
 شواہد کے ذکر کئے گئے ہیں؛ انہیں اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ انہیں کنایات کو بھی ملحدہ لغت قرار دیتا ہے،  
 اور سریانی و عبرانی و ترکی و ہند و پارہ کے غیر متعل لغات کے بیان میں، اور ایک ایک لغت کو بار  
 بار مختلف صورتوں سے ذکر کرنے میں؛ تطویل لاطائل کرتا ہے“ اس کے بعد رضاعلی صاحب برہان  
 جامع کی تصدیق، اور اس کے ساتھ اتفاق رائے، کرتا ہے۔ چونکہ مرزا کی لائف میں یہ بیان بے مزہ  
 معلوم ہوگا اس لئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہیں جس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو وہ فرہنگیہ  
 کو خود ملاحظہ کرے۔

اگرچہ مرزا نے قاطع برہان میں بعض اعتراض غلط کئے ہیں؛ خصوصاً لفظ افسوس کے شعلق  
 ایک بڑی فاحش غلطی کی ہے۔ کہ اسکو لفظ عربی الاصل ماخوذ از لغت قرار دیا ہے۔ اور اس غلطی کا  
 انہوں نے آخر کار خود بھی اعتراف کیا ہے۔ اور عربی الفاظ کی تحقیق سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے،  
 اور ممکن ہے کہ اسکے سوا اور بھی کہیں کہیں اُن سے غلطی ہوئی ہو؛ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے  
 تو قاطع برہان کے دیکھنے سے مرزا کی سلامتی طبع اور ذوق جمیع کا کافی ثبوت ملتا ہے اور۔ جیسا کہ  
 وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ”فارسی زبان کے قواعد و منوال بطیرے منیر میں اس طرح جاگزیں ہیں  
 جیسے فولاد میں جہر“ فی الواقع فارسی زبان سے اُن کو فطری مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ جو اس کے  
 کہ انہوں نے محض اپنے وجدانِ سلیم کی ہدایت سے برہان کی نسبت قائم کی تھی وہی رائے براہِ راست



محققوں نے اسکی نسبت ظاہر کی ہے، اور جو غلطیاں اور بے ربطیاں مرزا نے برہان میں بتائی ہیں، برائے سوا اور بے شمار غلطیاں صاحبِ فرہنگِ ناصری نے ہمیں نشان دی ہیں۔ اس سے زیادہ ایک ہندوستانی محقق کی سلامتی طبع کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

مرزا نے قاطع برہاں کے اخیر میں چند فوائد لکھے ہیں: انہیں سے فائدہ اول کا حاصل یہ ہے کہ "ان فوائد نے پیش کرنے میں چونکہ خود نمائی کی ہوتی ہے اس لئے شاید لوگ یہ کہیں کہ خود ہندوستانی ہو کر ادھر پہنچا ہوا ہو" تو غلط نہ جاننا اور خود زبانی کا دعوے کرنا بہ معنی ہے۔ سو میں اقرار کرتا ہوں کہ میرا دادا تو اس سے آیا تھا اور میرا باپ دلی میں پیدا ہوا، اور میں آگرے میں، حاشاکر میں اپنے تئیں اہلِ زبان سمجھتا ہوں میں ہاشمیہ زبنداں ہوں، اور میری زباندانی اولاً دادا و سلامتی طبع کی بدولت ہے؛ جو غلطی کو قبول نہیں کرتی اور بغیر کجائی کے تسلی نہیں پاتی۔ دوسرے اس وجہ سے ہے کہ میری طبیعت فارسی زبان سے فطرتاً مناسب واقع ہوئی ہے۔ تیسرے مولانا عبد الصمد کے فیضِ صحبت سے جو مجھ کو دوسرے تک برابر حاصل رہا، چودہ برس کی عمر میں میں نے اُس سے تربیت پائی؛ اور بارہ برس مشقِ سخن کی۔ اب کہ مجھ کو چھپا سٹھ سال ہے۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا کہ ان باتوں برسوں میں اُس نے کس قدر معنی کے دروازے مجھ پر کھولے ہیں؛ اور میری فکر کو کس درجہ کی بلندی بخشی ہے۔ افسوس کہ لوگوں نے میرے کلام کی خوبی کو نہ سمجھا؛ اور زیادہ تر افسوس یہ کہ وہ شانِ ایزدی کی شناخت سے محروم رہے؛ اور میری نظم و شعر کے کثرتم کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ گویا فطری جنتِ ارام گاہ کا قطع میرے مسبِّحِ مال ہے۔

"تو نظیری نہ فلک آمدہ بودی جو سیح باز پس رفتی و کس تہر تو نشا خست دینغ"

جتنے آدمیوں نے قاطع برہاں کے جواب لکھے ہیں ان میں سے بعض کے جواب مرزا نے بھی لکھے ہیں

اور ان جوابوں میں زیادہ تر ظرافت اور شوخی طبع سے کام لیا ہے۔ کہیں اُنکے طرز بیان کا خاکا ڈال دیا ہے کہیں اُن کی تحقیقات کا مضحکہ کیا ہے۔

مروئی امین الدین کی کتاب ”وقائع قاطع“ کا جواب مرزا نے کچھ نہیں دیا؛ کیونکہ اُمیس قمش اور ناشایستہ الفاظ کثرت سے تھے۔ کسی نے کہا حضرت! آپ نے اُس کا کچھ جواب نہیں لکھا۔ مرزا نے کہا: اگر کوئی کہہ جائے کہ اسے لات مارے تو کیا تم بھی اُسکے لات مارو گے؟

ایک شخص مرزا احمد علی بیگ متوطن ملکتہ ہیں؛ جنہوں نے مرزا کے خلاف ایک مہسوس کتاب ”توید البرہان“ لکھی ہے؛ جسکے کچھ وقت تمام ایشیا تک سوسائٹی کا کتب خانہ قاطع برہان کے چند اوراق کی تردید کے لئے بھجوا دیا ہے۔ اور شل اور بیسوں کے مرزا کے کسی اعتراض کو تسلیم نہیں کیا۔ اور جو سبک الفاظ مرزا نے صاحب برہان کی نسبت استعمال کئے تھے ویسے ہی الفاظ مرزا کی نسبت استعمال کئے ہیں۔ اپنے تئیں اصفہانی الاصل قرار دیا ہے اور ایک چند بار اور قتل کی بہت تعریف کی ہے اور اپنی کتاب کی تعریف میں تعریفیں اور بایغیں لکھوا کر کتاب کے آخر میں چسپائی ہیں اُسکے جواب میں مرزا نے ایک رسالہ موسوم بتیغ تیز لکھا ہے؛ اور ایک فارسی قطعہ بھی اُن کو لکھ کر بھجوا ہے۔ جسکے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جو لطف سے خالی نہیں۔

خواجه را از اصفہانی بودن آبا چہ سود	خاقش در کشور بنگا لہ پیدا کردہ است
باقتیل و جامع برہان دلائل تک چند	لا تہ و سوغیری و لطف مدار کردہ است
داوری گاہے بنا فرمود و در دوسہ ہر سہ	منصف و صدرا مین و صدرا علی کردہ است

گزینیں باندہیں دار و تولا در سخن  
 من ہم از ہندم چرا زمین تیرا کردہ است  
 طلب از بختن من صیت با گویا نیکو  
 مژدایں کار از حق - آفرینش تما کردہ است  
 صاحب علم داب با و انگ زافر با غضب  
 چون سیماں دفتر نفیرین دہم واکر کردہ است  
 در چہل و شتام کام بر سیاں باشد ہے  
 ننگ دارد علم از کارے کہ انما کردہ است  
 انتقام جان بر بان قاطع می کشد  
 آن چہ ما کردیم باوے خواہ بیا کردہ است  
 من سپاہی زادہ ام نقاب من باید و رشت  
 داسے بروے گزقلید من اینا کردہ است  
 زشت گفتہ نیک و بد نہ کہ سبخی دادہ ام  
 شونے طبعے کہ دارم این تقاضا کردہ است  
 سینکند تائید بر ہاں ایک بر ہاں ناہیہ  
 نیست جز خرام حست اند بر ہاں نگار  
 بہر من تو بین دہر خویش خویش جابجا  
 ہم مرا ہم خویش را در دہر سوا کردہ است  
 یافتہ از دین تارینماے آن کتاب  
 خود ہم گفت دیا سباب خود یا کردہ است  
 غازیان ہمراہ خویش آورد از بہر جا و  
 مانہ پنداری کہ این بیکار تما کردہ است

قاطع برہان اور اسکے متعلق مرزا کی جس قدر تحریریں ہیں اُن میں اعتراضوں اور جوابوں کے علاوہ بہت سے پیش بہافائے اور لطیف دوحسب حکایتیں اور لطائف و ضربات بھی درج ہیں ۔  
 انظر فر از کو صاحب برہان اصدا دین سے گفتا ہے اور فر از کردن کے معنی بند کرنا اور کھولنا دونو تبا تا ہے ۔ مگر مرزا اسکو اصدا دین نہیں گئے ؛ بلکہ اسکے معنی مرن بند کرنے کے بتاتے ہیں ؛ اور جو اشعار مخالفوں نے سندیں پیش کئے ہیں مرزا نے انھیں اشعار سے اپنے دعوے کی تائید کی ہے ۔ مگر چونکہ ہندستان کے

تمام فرہنگ نگاروں نے فراز کو اہل شام میں شمار کیا ہے۔ اسکی بابت مرزا لکھتے ہیں کہ "اسکو ملواری  
قراردیتا دیا ہی اجلع ہے جیسا کہ اہل شام نے خلافتِ یزید پر اجلع کیا تھا"

۱ صاحبِ برہان کی چند عامیانا غلطیاں اور اسکے بیان کی بے ریلیاں ظاہر کرنے کے بعد ایک جگہ  
لکھتے ہیں "وہذا پرہتاں! از بہر خدا اس عربی منعم فارسی ماں (یعنی جامعِ برہاں) نہی پریم کہست؟  
می پریم کہ چیست؟ ایک اور جگہ نہایت طیش میں آکر لکھتے ہیں "چوں شناسائی حقیقت جو ہر لفظ  
تہا در فرہنگ چرامی نگارو؟ بوریا می بافت، رسن می تافت، ہیزیم می فروخت، گلشن می اورخت"  
مرزا نے ایک فارسی رسالے کے مولف پر جو قاطعِ برہان کے جواب میں لکھا گیا تھا، اور جو شخص  
دشنام سے بھرا ہوا تھا۔ آزادِ حیثیتِ عربی کی ناش بھی کی تھی، مگر جب کامیابی کی امید نہ رہی تو آخر کار  
انھوں نے راضی نامہ داخل کر دیا۔ اُنہا نے تحقیقات میں دلی کے بعض اہل علم و ادب میں اس بات کے  
استفسار کے لئے بلائے گئے تھے کہ جو فقرے مدعی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں آیا  
نی الواقع اُن سے نفش و دشنام مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟ انھوں نے غریبِ ملزم کو سزا سے بچانے  
کے لئے اُن فقرہوں کے ایسے معنی بیان کئے جن سے ملزم پر کوئی الزام عائد نہ ہو۔ ان مولویوں کا فرار  
سے ملنا جلنا تھا۔ کسی نے پوچھا حضرت! انھوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی؟ مرزا نے

اپنا فارسی کا یہ شعر پڑھا

بہرچہ درنگری جز بجنسِ اہل نیست      عیار بے کسی من شرافتِ نبیست

۲ یعنی میری بیکی کی وجہ شرافتِ نبی ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس کی طرف اہل ہوتا ہے چونکہ شرافتِ نبی میں کوئی میرزا  
بجنس نہیں ہے اس لئے کوئی میرزا ساتھ نہیں دیتا"

جب یہ مقدمہ داخل دفتر ہو گیا ایک مدت کے بعد لوگوں نے مرزا کے نام گنگنام خط منصفین  
 سب دستخط کیجئے شروع کئے۔ جن میں شراب نوشی اور بد مذہبی وغیرہ پر سخت نفیر اور عین دہشت  
 لکھی ہوئی تھی۔ اُن دنوں میں مرزا کی عیب حالت تھی؛ نہایت کمزور اور بے لطف رہتے تھے، اور  
 جب مٹی رساں ڈاک پکڑتا تھا تو اس خیال سے کہ مبادا کوئی ایسی قسم کا خط آیا ہو۔ اُن کا چہرہ  
 متغیر ہو جاتا تھا، اتفاق سے انھیں دنوں میں نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے ہمراہ میرادلی میں  
 آنا ہوا۔ چونکہ مجھ کو ان ملائق گنگنام خطوں کے آنے کا حال معلوم نہ تھا؛ ایک روز مجھے ایک  
 ایسی غلطی ہو گئی جس کے تعذرت مجھ کو ہمیشہ نہایت شرمندگی ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ میرا چہرہ  
 کتنے نشتے میں سرشار تھے۔ خدائی تمام مخلوق میں سے صرف مسلمانوں کو، اندر مسلمانوں کے ہتھ پڑنے  
 میں سے اہل سنت کو، اور اہل سنت میں سے صرف خفیہ کو، اور اُن میں سے بھی صرف اُن لوگوں  
 کو جو صوم و صلوة اور دیگر احکامِ غامبرِی کے نہایت تقید کے ساتھ پابند ہیں؛ نجات اور مغفرت  
 کے لائق جانتے تھے۔ گویا دائرہ امت اُنہی کو کوئن و کوئرا کی وسعت سلطنت سے بھی۔ جس میں  
 ہندو، اور ملت کے آدمی، امن و امان زندگی بسر کرتے ہیں۔ زیادہ تنگ اور محدود خیال کرتے  
 تھے۔ جس قدر کسی کے ساتھ محبت یا لگاؤ زیادہ ہوتا تھا اُسی قدر اس بات کی تپا ہوتی تھی کہ اسکا  
 خاتمہ ایسی حالت پر ہو جو ہمارے زعم میں نجات اور مغفرت کے لئے ناگزیر ہے۔ چونکہ مرزا کی ذات  
 کے ساتھ محبت اور لگاؤ بدرجہ نہایت تھا اس لئے ہمیشہ انکی حالت پر افسوس رہتا تھا۔ گویا یہ سمجھتے تھے  
 کہ دھرم و رسواں میں ہمارا اُن کا ساتھ چھوٹ جائیگا، اور مرنے کے بعد پھر اُن سے ملاقات نہ ہو سکیگی۔  
 ایک روز مرزا کی بزرگی اُستادی، اور کبر سنی کے ادب اور تعظیم کو بالاسے طاق رکھ کر خشک منہ زار غصوں کی

گنگنام خطوں میں

مرزا کے چہرہ میں

طح انکو نصیحت کرنی شروع کی۔ چونکہ اُن کا نقلِ ہمت انتہا کے درجے کو پہنچ گیا تھا، اور اُن سے جیست  
 صرف خیر کے ذریعے سے کچا تھی۔ نماز پچگانہ کی فریت اور نایکد پر ایک لمبا چوڑا لکچر لکھ کر اُن کے سامنے  
 پیش کیا۔ جس میں اُن سے اس بات کی درخواست تھی کہ آپ کھڑے ہو کر، یا بیٹھ کر، یا ایسا اشارے سے؛  
 غرض جس طرح ہو سکے نماز پچگانہ کی پابندی اختیار کریں۔ اگر وضو نہ ہو سکے تو تمیم ہی سہی؛ مگر نماز کی نہ۔  
 مرزا کو یہ تحریک سخت ناگوار گزری؛ اور ناگوار گزرنے کی بات ہی تھی، خصوصاً اس وجہ سے کہ انھیں  
 دنوں میں لوگ گناہ خطوں میں اُنکے اعمال و افعال پر بہت نازیبا طریقے سے نفیر و ملامت کر رہے تھے،  
 اور بازار یوں کی طرح کھلم کھلا گایاں لگتے تھے۔ مرزا صاحب نے میری نو تحریر کو دیکھ کر جب کہ فرمایا دہشتے  
 کے لائق ہے، انھوں نے کہا: ساری عمر فسق و فجور میں گزری؛ نہ کبھی نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا، نہ  
 کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند انفاس باقی رہ گئے ہیں؛ اب اگر چند روز بیٹھ کر، یا ایسا اشارے سے۔  
 نماز پڑھی؛ تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیونکر ہو سکے گی؛ میں تو اس قابل ہوں کہ جبے وں  
 میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں، اور میرے پاؤں میں تسی باندھ کر شہر کے تمام گلی کوچوں اور  
 بازاروں میں تشہیر کریں، اور پھر شہر سے باہر لجا کر کتھن، اور چلیوں، اور کتھوں کے کھانے کو (اگر وہ  
 ایسی چیز کھانا گوارا کریں) چھوڑ آئیں۔ اگرچہ میرے گناہ ایسے ہی ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر  
 سلوک کیا جائے؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں ہر وقت ہوں، ہمیشہ تنائی اور سکوت کے عالم میں یہ  
 کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں ”لا الہ الا اللہ“، ”لا وجود الا اللہ“، ”لا موبشر فی الوجود الا اللہ“،  
 شاید اسی روز جب کہ یہ گفتگو ہو چکی تھی اور مرزا صاحب کھانا کھا رہے تھے۔ جیسی رساں نے  
 ایک نفاذہ کر دیا۔ نفاذہ کی بے رطبی اور کاتب کے نام کی اجنبیت سے انکو یقین ہو گیا کہ یہ نفاذہ

رسید نشد عفاں چو ذکر نمی زندی  
 دود به ریشہ بد لما جو حزن به مهر زدی  
 اگر به بزم نشاندی اگر نشد خوردی  
 بزم عفت و سر سبته باز بکشودی  
 ز سبته تفرقه و سببه قصه بازندی  
 بر آمد از دل بیکجا کماں ترانه ذوق  
 طیفه با که به افط و بیای می گنجینه  
 بحق عفت کلامت که هست بر دل ما  
 تو اس که هر سخن نفس تو بدل جا کرد  
 هر آنچه گفتی اندر جواب بر من نیاید  
 و نه بعبیه از حرف چند با خویشم  
 عجب که قاعه روان نیاید سندی  
 عجب که پاشنی اندوز خاکساری را  
 عجب که شغله را از نقب نامر و آش  
 نه راه حزن بسویت به جاس من است  
 اگر نه روس سخن با تو بود می گفتم  
 و لیک خرد و ادب نیست بر تو خورده گرفت

شگفت خاطر یاریاں گزار عبا گفتی  
 دمیہ غفل تنها چو از دست گفتی  
 اثر ز لطف و مامدی اگر عبا گفتی  
 هزار نکته پوشیده بر ملا گفتی  
 ز سیر انفس و آفاق مانده با گفتی  
 به محضی که سخن با می آشنا گفتی  
 تو چون فرشته ز غیب آمدی بود گفتی  
 که پای سخن افراشته تنه تا گفتی  
 جز آن که در حق حالی بر فردا گفتی  
 غل بود که گبیه هم اگر خطا گفتی  
 که اگر گفتی ام آخر تو از کج گفتی  
 سفید و سبب و خود بر من خود گفتی  
 رهین ذوق نوا سنجی آنا گفتی  
 به زرق در گرد و عرض کیا گفتی  
 جواب چیت اگر پرسم از کجا گفتی  
 چگونه گفتی؟ و چون گفتی؟ و چرا گفتی  
 هر آنچه در حق من گفتی بجا گفتی

تو اس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانے میں مجھ کو نواب مرحوم متخلص بشیفتہ  
 وحسرتی رئیس جاگیر آباد کے ہاں تعلق تھا، اور ان دنوں میں وہ دلی آئے ہوئے تھے، اور میں  
 انھیں کے مکان پر مقیم تھا۔ جب یہ قطعہ مرزا صاحب کی نظر سے گذرا تو انھوں نے چار بیت کا ایک  
 نہایت لطیف قطعہ نواب مرحوم کے پاس لکھ کر بھیجا جو ذیل میں درج ہے۔

### قطعہ

تو اسے کہ شفیقتہ وحسرتی لقب داری      می بہ طلفت تو خود را امیدوار کنم  
 چہ حالی ازین آشفتنہ بے سبب بخید      تو گر شفیغ نگر دی بگو چہ کار کنم  
 دوبارہ عسر و ہندم اگر بفرض محال      براں سرم کو دریاں عمر لیں دو کار کنم  
 یکے او اسے عبادات عسر بشینہ      و گر بہ پیشگیر حالی اعتذار کنم  
 اگرچہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ مرزا کے عالی رتبہ کلام کے ساتھ اپنا کم وزن دے وقت کلام نثرین  
 کے سامنے بار بار پیش کروں، مگر مقام اور موقع اس بات کا مقتضی ہے کہ جس واقعہ کا ذکر پھر کیا ہے  
 اسکو انجام تک پہنچایا جائے۔ مرزا صاحب کے اس قطعہ پر میں نے ایک اور قطعہ لکھ کر ان کی خدمت  
 میں بھیجا جو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

### قطعہ

تو اسے کہ عذر فرستادہ برسے رہی      منذ کہ جان گرامی براں نثار کنم  
 شکایتی کہ تو اس گفت غین اخلا مش      گرم تو دوست شماری ہزار کنم  
 نماز قاعدہ مشکوٰۃ بے مایہ بیان      اساس دوستی از شکوہ استوار کنم



پر شکوہ جز بقا مناسے دوستی نہ ہو      زغیر شکرت نکایت زدہ  
 شربت پاک دول صاف دودہ اندر      بحر تلخ دے خالی از غبار دم  
 خوش آن کہ ساز کنم از تو شکوہ عیبا      تو امت نذر کنی و من افتخار کنم  
 خوش آن کہ عذر تو چون در کند دراز      دگر پیش تو تہیہ اعتذار کنم  
 ہاں سرم کہ اگر مرگ اماں ہدیز پس      زکار اسے جہاں خاصہ اس کار کنم  
 ز کردہ تو بہ نایم ز گفتہ استغفار      دگر سپاس تو پیمان و آشکار کنم

جب یہ قطعہ مرزا صاحب کے پاس پہنچا اُس پر یہ لکھ کر کہ ”بس اب بیت کجی موقوف“ یہ پاس  
 بھیج دیا اسکے بعد پھر اور کچھ نہیں لکھا گیا۔

مرزا نے عربی میں صرف و نحو کے سوا اور کچھ استاد سے نہیں پڑھا تھا، مگر چونکہ علم سان سے اُن کو  
 فطری مناسبت تھی۔ انکی نظم و نثر اردو و فارسی کے دیکھنے سے کیسے اس بات کا خطہ تک دل میں  
 نہیں گذرتا کہ یہ شخص عربیت اور فن ادب سے ناواقف ہوگا۔ عربی الفاظ کو انھوں نے ہر جگہ اُسی  
 سلیقے سے استعمال کیا ہے جس طرح ایک اچھے فاضل اور ادیب کو استعمال کرنا چاہیے۔ شاعری جسکا  
 مکہ آن کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ اُس سے قطع نظر کہ فارسی زبان اور فارسی الفاظ و  
 محاورات کی تحقیق اور اہل زبان کے اسالیب بیان پر مرزا کو اس قدر عبور تھا کہ خود اہل زبان میں بھی  
 متشبیہ تو میں کو ایران کے مستند شعرا کی زبان پر اس قدر عبور ہوگا۔ اسکے سوا فن عروض میں  
 بھی اُن کو کافی دستگاہ معلوم ہوتی ہے۔ اکثر بڑے بڑے نامور شعرا کو دیکھا اور سنا گیا ہے کہ باوجود کمال  
 شاعری کے اس فن سے محض نا آشنا ہوتے ہیں، اور سید محی سید محی بحرول کے سوا سب کے وزن اور

استغفار

فانی

ادبی

ٹول کا اندازہ صرف استقامت طبع سے ہو سکتا ہے۔ اور مجروروں میں کلام موزوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مولانا  
 رومؒ فرماتے ہیں مدینہ نام فاعلاتن فاعلات + شعری گویم بہ از قند و نبات + مرثا کا ایسا حال تھا  
 چنانچہ فارسی اور اردو میں متعدد غزلیں اور نیز ایک اودہ فارسی قصیدہ ایسی طبعی مجروروں میں انھوں نے  
 لکھا ہے کہ اکثر موزوں طبع بغیر واقفیت عروض کے ان مجروروں میں نہیں چل سکتے۔ علم نجوم سے کسی قدر، اور  
 اسکی اصطلاحات سے پوری واقفیت ان کو تھی۔ چنانچہ انکی نظم فارسی میں باجا اس کا کافی ثبوت ملتا  
 ہے۔ علم نجوم سے جبکی نسبت کیا گیا ہے کہ ”برائے شعر گفتن خوبست“ ان کو قاصد مناسبت تھی  
 اور حقائق و معارف کی کتابیں اور رسالے کثرت سے انکے مطالعے سے گزرے تھے۔ اور سچ پوچھیے تو  
 انھیں متصرفانہ خیالات نے مرثا کو نہ صرف اپنے امصروں میں بلکہ بادعویں اور تیرہویں صدی کے تمام  
 شعرا میں ممتاز بنا دیا تھا۔ فن تاریخ اور سیاق و سیرہ سے ان کو مطلق لگاؤ نہ تھا۔ جس زمانے  
 میں کہ وہ خانقاہ تہذیب کی تاریخ مبنی مہریر دیکھ رہے ہیں کسی نے اُس کو متوجہ سمجھ کر کچھ سوالات کئے ہیں۔ اسکے  
 جواب میں لکھتے ہیں ”میں فن تاریخ و سیرت و سیاق سے آنا بیگانہ ہوں کہ اس فنون کو کچھ بھی نہیں سکتا۔  
 لاہور و ارباب و قریب ہی علامہ حالات اندوہ کتب اردو میں لکھ کر میرے پاس بھیجتے ہیں، میں اسکو فارسی کر کے روانہ کرتا  
 ہوں۔ میرے ہاں ایک کتاب بھی نہیں میں اسی قدر ہوں کہ نظم و شعر بقدر اپنی استعداد کے لکھ سکتا ہوں، متوجہ نہیں  
 ”ما قصہ سکندر و دارا خواندہ ایم اذما بجز حکایت مرد و قاصد میر“  
 [مرزا کا خط تسلیم غصہ آمیز نہایت شیریں اور دلاویز تھا جیسا کہ اکثر اہل ایران کا ہوتا ہے اور  
 باوجود خوشحالی کے نہایت زور و زور سے اذیت دیتے تھے۔ شعر پڑھنے کا انداز بھی خاص کر شاعرانہ میں حد  
 + لطیفہ شعر اسلام آباد کا ماحضہ سے کسی نے پوچھا کہ مرثا صاحب کو راضی میں بھی کچھ دہل تھا یا نہیں؟ انھوں نے کہا  
 ایسا ہی دہل تھا جیسا کہ شاعری میں ہے۔]

نزاہہ دلکش اور موثر تھا۔ میں نے قدرے چند سال پہلے۔ جب کہ دیوان عام میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ مرنے  
ایک دفعہ مرزا صاحب کو مشاعرے میں پڑھتے سنا ہے۔ چونکہ آئنگے پڑھنے کی باری سب کے بعد آتی تھی  
اس لئے صبح ہو گئی تھی۔ مرنے کما صاحبو! میں بھی اپنی بھیدیں لاپتا ہوں؛ یہ کیکر اول اردو طرح  
کی غزل اور اسکے بعد فارسی کی غیر طبع منایت پر درو آواز سے پڑھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو  
اپنا قدر دان نہیں پاتے؛ اور اس لئے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

جس زمانے میں میر نظام الدین منوں شاہ صاحب کے پرانے در سے میں مشاعرہ کرتے تھے ایک  
شاعرے میں مرزا نے اپنا فارسی قصیدہ دریا گریستن اور تنہا گریستن جو جناب سید الشہدائی کی نسبت  
میں انھوں نے لکھا تھا پڑھا۔ سنا ہے کہ مجلس شاعرہ بزم غزبان گئی تھی۔ جب تک قصیدہ پڑھا گیا  
لوگ برابر دتے رہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم بھی موجود تھے اتفاق سے اسی حالت میں مینہ بھی  
پڑنے لگا مفتی صاحب نے کہا ”آسمان ہم گریست“

اسی قصیدے کی نسبت سید اکبر مرزا خلیفہ الصدق ناظر سید حسین مرزا مرحوم بیان کرتے ہیں کہ بندر گام  
بھرو میں ایک جگہ مجلس غزائی، اور بارش ہو رہی تھی۔ بانی مجلس نے مجھے کہا کہ تم بھی کچھ پڑھو۔ میرے  
پاس اس وقت پڑھنے کی کوئی چیز نہیں یا کتاب تھی۔ اسی قصیدے کے چند اشعار زبانی یاد تھے؛ میں نے  
وہی پڑھ دیے۔ پانچ ہی سات شعروں پر مجلس میں خوب رقت ہوئی۔ عرب، عجم، اور ہندی سب اس  
مجلس میں شریک تھے۔ مجلس کے بعد ہر ایک مجھے پوچھتا تھا کہ یہ اشعار کس شخص کے تھے؟ خصوصاً  
اس شعر کی بہت توجہ کرتے رہے۔

مزد شغاف و صلا مبر و خونہا      بیچ از کسے خواستہ الا گریستن

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک دفعہ مرزا دیر مرحوم نے اسی شعر پر مصرعے لگائے تھے مگر انکو خود پسند نہ آئے اور کیا کہ جس رتبے کا یہ شعر ہے ویسے مصرعے نہیں لگ سکتے۔

### مرزا کے اخلاق و عادات و خیالات

مرزا کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے یا آقا بہت کثرت و ہشیانہ سے ملتے تھے۔ ہر شخص ایک دفعہ ان سے بل آتا تھا اسکو ہمیشہ ان سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ وہ ہر کوئی دیکھ کر وہ باغ باغ ہر جاتے تھے؛ اور ان کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ اپنے ان کے دوست ہر ملت اور ہر مذہب کے نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔ جو غلط انھوں نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں ان کے ایک ایک حرف سے مہر و محبت و غمخواری و محبت کی پٹی ہوتی ہے۔ ہر ایک خط کا جواب لکھنا وہ اپنے ذمے فرض مین سمجھتے تھے۔ ان کا بہت سادقت دوستوں کے غلوں کے جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بیاری اور کلین کی حالت میں بھی وہ غلوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ وہ دوستوں کی فرمائشوں سے کبھی تنگدل نہ ہوتے تھے۔ غلوں کی اصلاح کے سوا اور طرح طرح کی فرمائشیں ان کے بعض قاصد و غرض دوست کرتے تھے اور وہ انکی تعمیل کرتے تھے۔ لوگ انکو اکثر بزرگ خانہ سمجھتے تھے مگر ان کو کہیں ناگوار نہ گذرتا تھا۔ اگر کوئی شخص لغائے میں ٹٹ رکھ کر کہتا تھا تو شکایت کرتے تھے۔ انھوں نے میسر کے ایک شہزادے کو اپنی کوئی کتاب بھیجی ہے اسنے کتاب کی رسید لکھی ہے، اور قیمت دریافت کی ہے۔ اسکے جواب میں لکھتے ہیں ”حرف پرش مقدار قیمت چار انہ بان تہ رفت؛ ہنجا رنوازش نیاز منداں بے نوا نہ است۔ بے سرمایہ ام نہ فرومایہ۔ مخورم نہ سوداگر۔ مونسہ چشم نہ کتاب فروش۔ پذیرندہ عطایم نہ گیرندہ ہما۔ ہرچہ آنداواں بشمار ماں فرستند ندرست؛ و ہرچہ شاہراہاں

آزادگان بخشند تبرک۔ بیج و شرانیت۔ چون و چرا نیست۔ ہرچہ فرشادہ ام ارغمان ست۔ و ہرچہ  
خواہم فرشا دارغمان خواہر بود۔

انروز اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بہرہ نہ غایت تھا۔ باوجودیکہ اخیر عمر میں وہ اشعار کی اصلاح دینے  
سے بہت گہرا نہ لگے تھے؛ بااینکہ کسی کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے۔  
ایک صاحب کہتے ہیں: ”جہاں تک ہوسکا اجاب کی خدمت بجالایا۔ اور اہل اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا۔  
اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ انکو سے اچھی طرح سوجھے، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شہر  
یہ علی قلندر کو سبب کبریا کے خدانے فرض اور پیر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے  
دوست بھی خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شرقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھ کر بھیج  
دیں۔ باوجود اسکے بھی لوگ مرزا کو براہ ستاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ کہیں مرزا تفتہ نے یہ لکھ دیا تھا کہ آپ نے  
سبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی، اسکے جواب میں لکھتے ہیں ”لا حول ولا قوۃ! کس  
ملوں نے سبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی؟ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا حشر  
مجھے بیزار۔ میں نے تو بطریق قہر و دہش بجان درویش لکھا تھا؛ جیسے اچھی جو روئے خاوند کے  
ساتھ مرزا بھڑنا اختیار کرتی ہے میرا تھا جسے ساتھ وہ معاملہ ہے۔“

انروز مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر مصلہ فرخ تھا۔ سائل انکے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا۔  
انکے مکان کے آگے اندھے لکڑیے لولے اور اپلیج مرد و عورت ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ غدر کے بعد  
انکی آمدنی کچھ اوپر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی ہو گئی تھی؛ اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لمبا چڑھتا تھا؛  
مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مردانہ بیاد سے زیادہ کہتے تھے؛ اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے۔

تندر کے بعد ایک باہیں نے خرد دیکھا کہ تو اب نشت گورز کے دربار میں اُن کو حسب معمول سات پانچ کا خلعت مع تین رقوم جو اہر کے ملا تھا۔ نشتی کے چپراسی اور مجدد قاعدے کے موافق انعام لینے کو آئے۔ مرزا صاحب کو پہلے ہی معلوم تھا کہ انعام دینا ہوگا اس لئے انہوں نے دربار سے آتے ہی خلعت اور رقوم جو اہر بازار میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دی تھیں۔ چپراسیوں کو الگ مکان میں بٹھا دیا اور جب بازار سے خلعت کی قیمت آئی تب اُن کو انعام دے کر رخصت کیا۔

وہ اپنے اُن دوستوں کے ساتھ یوگوش رزمگار سے لڑنے تھے نہایت شرفیاء طو سے سلوک کرتے تھے۔ دلی کے عائد میں سے ایک صاحب۔ جو مرزا کے دلی دوست تھے، اور تندر کے بعد انکی حالت سیم ہو گئی تھی۔ ایک روز چھینٹ کا فضل پہنے ہوئے مرزا سے ملنے کو آئے۔ مرزا نے کبھی انکو مالیدہ یا جامہ وار و غیرہ کے جنموں کے سوا ایسا حقیر کپڑا پہنے نہیں دیکھا تھا۔ چھینٹ کا فضل اُن کے بدن پر دیکھ کر دل بھرا یا۔ اُن سے پوچھا کہ یہ چھینٹ اپنے کہاں سے لی؟ مجھے اسکی وضع بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے؛ آپ مجھے بھی فضل کے لئے یہ چھینٹ منگوادیں۔ انہوں نے کہا یہ فضل آج ہی بن کر آیا ہے، اور میں نے اسی وقت اسکو پہنا ہے؛ اگر آپ کو پسند ہے تو ہی حاضر ہے۔ مرزا نے کہا جی تو ہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر بہن لوں مگر جاڑا شدت سے پڑ رہا ہے آپ یہاں سے مکان تک کیا بہن کر جائینگے؟ پھر اوہ ارادہ کر دیکھا کہ کوئی پرے اپنا مالیدہ کا نیا چٹخہ انار کر انھیں پہنا دیا اور اس خوبصورتی کے ساتھ وہ چٹخہ انکی تندر کیا۔

وہ ایک خط میں لکھتے ہیں مد قلندری و تاروگی و ایتار دکر م کے جو دواسے میرے خالق نے مجھ میں بھردیے ہیں تندر ہزار یک غلو میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقت جہانی کہ ایک لامٹھی ہاتھ میں لوں

اور اُس میں شمر غنی اور ایک تین کا دوا مع سوت کی تہی کے نکالوں اور پیادہ پا چل دوں ؛ کبھی شیراز  
 جانا تھا ، کبھی ہمس میں جا شیراز ، کبھی نجف جا بیرونجا ۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں ۔ اگر تمام  
 عالم میں نہ سکے دسی ؛ جس شہر میں رہوں اُس شہر میں تو مجھ کا مٹکا نظر نہ آئے ۔ خدا کا مقہور ، خلق کا  
 مردود ، بڑھا ، ناتوان ، بیمار ، فقیر ، نکبت میں گرفتار ۔ میرے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر  
 کر دو ؛ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے وہ میں ہوں ۔“

یہی مرزا کی طبیعت میں دُر کی اور ذہن میں جودت اور سرعت انتقال تھی اسی طرح اُنکا مافضہ بھی  
 نہایت قوی تھا ۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ انکے گھر میں کتاب کا کیس نشان نہ تھا ؛ ہمیشہ کرایے کی کتابیں  
 منگوا لینے تھے ؛ اور اُنکو دیکھ کر واپس بھیج دیتے تھے ۔ مگر جو طیف یا کام کی بات کتاب میں نظر نہ پڑ جاتی  
 تھی اُن کے دل پر نقش ہو جاتی تھی ۔ فارسی کلام میں وہ کوئی لفظ یا محاورہ یا ترکیب ایسی نہیں  
 بہتے تھے جسکی سند اہل زبان کے کلام سے نہ دے سکتے ہوں ۔ کلکتے میں جن لوگوں نے اُن کے  
 کلام پر اعتراض کئے تھے ، اور جبکہ جواب میں مرزا نے مشنوی یا بدخالت لکھی تھی ؛ اُن کو مشنوی  
 کے علاوہ ایک ایک اعتراض کے جواب میں دس دس بارہ سندیں اساتذہ کے کلام سے  
 لکھ کر ملحدہ بھیجی تھیں ۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے خطوط میں اُنکو مفصل بیان کیا ہے ۔ برہان قاطع  
 پر جو کچھ اُنھوں نے لکھا وہ محض اپنی یادداشت کے بعد سے پر لکھا ۔ فکر شعر کا یہ طریقہ تھا کہ اکثر  
 رات کو عالم سرخوشی میں فکر کیا کرتے تھے ۔ اور جب کوئی شعر سرانجام ہو جاتا تھا تو کمر بند میں ایک گہ  
 لکھ لیتے تھے ۔ اسی طرح آٹھ آٹھ دس دس گزہیں لگا کر سو بہتے تھے ۔ اور دوسرے دن صرف  
 یاد پر سوچ سوچ کر تمام اشعار قلمبند کر لیتے تھے ۔

شعر فی اور کتاب می میں وہ ایک شے آدمی تھے۔ کیسا ہی مشکل مضمون ہو وہ اکثر ایک سری  
 نظریں اسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم گلشنِ بنجار میں مرزا کی نسبت لکھتے  
 ہیں ”مضامین شعری را کہا ہو حقہ می خمد، و جمیع نکات و لطائف پے می برد؛ و این فضیلت است  
 کہ مخصوص خواص اہل سخن است۔ اگر طبع سخن شناس داری بایں نکتہ می رسی؛ چہ۔ خوش فکر اگرچہ  
 کیاب است اما خوش فہم کیاب تر۔ خوشا حال کسیکہ از ہر دو شر پے یانتہ، و قطعے ربودہ۔ بالجلہ جنیں  
 نکتہ بیخ نظر گفتار کمتر می شدہ“ نواب ممدوح نے مجھے ایک واقعہ بیان کیا جس سے مرزا کی سخن  
 کا بہت بڑا اثر ملتا ہے۔ مولانا آزدہ نے ”دور نہیں“ ”خوش نہیں“ اس زمین میں غل لکھی  
 تھی۔ ہمیں اتفاق سے مطلع بہت اچھا نکل آیا تھا۔ مولانا نے اپنی غزل دوستوں کو سن کر کہنے  
 کہا کہ ”اگرچہ مجرودہ سری ہے مگر اسی ردیف و قافیہ میں نظیری کی بھی ایک غزل ہے جسکا مطلع  
 ہے ”عشق عصیانست اگر مستور نیست چہ کشتہ جرم زباں مغفور نیست“ ظاہر ہے کہ اگر نظری  
 ہندی نژاد ہوتا اور اسی زمین میں۔ جس میں ہماری غزل ہے۔ اردو غزل لکھتا تو اسکا مطلع اس طرح  
 ہوتا ”عشق عصیاں ہے اگر مخفی و مستور نہیں چہ کشتہ جرم زباں ناجی و مغفور نہیں“ آؤ آج  
 مرزا غالب کے ہاں چلیں اور۔ بغیر اسکے کہ قائل کا نام لیا جائے۔ اپنا مطلع اور نظیری کے مطلع کا  
 یہی اردو ترجمہ (جو اوپر مذکور ہوا) مرزا کو سنائیں اور پوچھیں کہ کون سا مطلع اچھا ہے، چونکہ نظیری کا  
 مطلع اردو ترجمے سے بہت پست ہو گیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ مرزا نظیری کے مطلع کو ناپسند کرینگے  
 اور مولانا آزدہ کے مطلع کو ترجیح دینگے۔ چنانچہ مولانا اور نواب صاحب اور بعض اور اصحاب مرزا کے  
 ہاں پہنچے۔ معمولی بات چیت کے بعد مولانا نے کہا کہ اردو کے دو مطلع ہیں، ان میں آپ محاکمہ



کہ کون سا مطلع اچھا ہے؟ اور بطور تین کے اول نظیری کے مطلع کا یہی ترجمہ پڑھا۔ ابھی مولانا اپنا مطلع پڑھنے نہیں پائے تھے کہ مرزا اس مطلع کو سنکر سر دھنسنے لگے؛ اور تجویز ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ مطلع کس نے لکھا؟ اور اس قدر تعریف کی کہ مولانا آزر دہ کو یہ امید نہ رہی کہ اس سے زیادہ میرے مطلع کی داد لیگی۔ چنانچہ انھوں نے اپنا مطلع نہیں پڑھا؛ اور سب لوگ نہایت تعجب کرتے ہوئے وہاں سے اٹھے۔

مرزا حقائق و معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ کرتے تھے اور ان کو خوب سمجھتے تھے۔ نواب مدوح فرماتے تھے کہ میں شاہ ولی اللہ کا ایک فارسی رسالہ جو حقائق و معارف کے نہایت دقیق مسائل پر مشتمل تھا مطالعہ کر رہا تھا؛ اور ایک مقام بالکل سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اتفاقاً اسی وقت مرزا صاحب آئے۔ میں نے وہ مقام مرزا کو دکھایا۔ انھوں نے کسی قدر غور کے بعد اس کا مطلب ایسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ شاہ صاحب بھی شاید اس سے زیادہ نہ بیان کر سکتے۔

مرزا کی تقریریں انکی تحریر اور ان کی نظم و نثر سے کچھ کم لطف نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور انکی باتیں سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے؛ مگر جو کچھ انکی زبان سے نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ فرات مزاج میں اس قدر نرمی کہ اگر ان کو بجائے جوان ملحق کے جوان ظریف کہا جائے تو بجا ہے۔ حسن بیان، حاضر جوابی، اور بات میں سے بات پیدا کرنا انکی خصوصیات میں سے تھا۔

ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مرد اتنے کتنے روزے رکھے؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر ملنے کو آئے۔ انکے مکان کے آگے چوہہ بہت تارک تھا۔ جب چھتے سے گزر کر دیوار تھانے کے دروازے پر پہنچے۔

زواہاں خواب صاحب اُنکے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے اُن کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا کہ آپ شہنشاہ  
 میواں درون تارکیست، جب دیوانخانے میں پہنچے تو اُنکے دالان میں بسبب شرق رویہ ہونے کے  
 دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرع پڑھا ”ایں فاد تمام آفتابست“ ایک صحبت  
 میں مرزا۔ میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے؛ انھوں سودا کو میر پر تنبیہ  
 دی۔ مرزا نے کہا ”میں تو ٹکڑی میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودا آتی ہیں۔“

مولوی امام بخش صبانی مرحوم کی رائے پھر قہر اور مینا بازار کی نسبت یہ تھی کہ یہ دونو تحریریں بھی  
 مثل سہ نثر کے مٹا ظہوری کی ہیں مگر مرزا اُسکے خلاف تھے۔ ایک جلسے میں دونو صاحب  
 موجود تھے۔ اتفاق سے یہ ذکر چڑ گیا۔ مرزا نے کہا ”مطلع نظر اسکے کہ سہ نثر کی اور پھر قہر و مینا بازار  
 کی طرز میں یوں بید ہے۔ ظہوری کی شان سے نہیں ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم نہ لکھے۔ تمام سہ نثر  
 میں ایسا ایک منہ بھی شکل سے نکلیگا جس میں نثر ہو اور نظم نہ ہو۔ برخلاف اسکے تمام پھر قہر و مینا بازار میں  
 ایک شعر کے سوا کہ وہ بھی ظہوری کا نہیں ہے۔ نظم کا کہیں پتا نہیں۔ یہ بات مجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص نظم  
 نثر دونو چیزوں پر برابر قدرت رکھتا ہو اُسکی نثر میں کہیں نظم نہ پائی جائے“ مولانا صبانی نے کہا ”اے  
 اتفاقات اکثر یہ جانتے ہیں یہ محض ایک اتفاق کی بات ہے، مرزا نے کہا ”بے شک! مگر یہ ایسا اتفاق  
 ہوگا کہ ایک شخص ہر ایک لحاظ سے نہایت بخیرہ، شایستہ، اور معقول آدمی ہے؛ مگر اتفاق سے کبھی کبھی  
 ٹٹ بھی کھاتا ہے“ یہ شکر ب لوگ ہنس پڑے؛ اور مولانا صبانی مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھے اُٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا؛  
 اور اُسکے ایک جانب ایک کوٹڑی تنگ دھار کی تھی۔ جس کا در اس قدر چھوٹا تھا کہ کوٹڑی میں

بست ٹھیک کر جانا پڑتا تھا؛ ہمیں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا اور مرزا اکثر گرمی اور ٹوکے موسم میں دس بجے سے نین چار بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن جبکہ رمضان کا مہینا اور گرمی کا موسم تھا۔ مولانا آزدوم ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے کو چلے آئے۔ اس وقت مرزا صاحب اُسی کوٹھڑی میں کسی دوست کے ساتھ چوسرہ شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہنچے؛ اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسرہ کھیلنے ہرے دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے؛ مگر آج اس حدیث کی محنت میں تردد پیدا ہو گیا، مرزا نے کہا: قبلہ! حدیث بالکل صحیح ہے؛ مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی تو ہے۔

الغرض مرزا کی کوئی بات لطف اور ذراقت سے خالی نہ تھی۔ اگر کوئی اُنکے تمام ملفوظات جمع کرنا تو ایک ضخیم کتاب لطائف و ذرائع کی تیار ہو جاتی۔

باد وجوہ کہ مرزا کی آمدنی اور نقد در بہت کم تھا؛ مگر خود داری اور حفظ وضع کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ شہر کے امراء و عائد سے برابر کی ملاقات تھی۔ کبھی بازار میں بغیر بالکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے۔ عائد شہر میں سے جو لوگ اُنکے مکان پر نہیں آتے تھے؛ وہ بھی کبھی اُنکے مکان پر نہیں جاتے تھے۔ اور جو شخص اُنکے مکان پر آتا تھا وہ بھی اُنکے مکان پر ضرور جاتے تھے۔ ایک روز کسی سے بل کر نواب مصطفیٰ خان مرحوم کے مکان پر آئے؛ میں بھی اُس وقت وہاں موجود تھا؛ نواب صاحب نے کہا آپ مکان سے سیدھے یہیں آتے ہیں یا کیس اور بھی جانا ہوا تھا؟ مرزا نے کہا مجھ کو آن کا ایک آنا دینا تھا؛ اس لیے اتول وہاں گیا تھا؛ وہاں سے یہاں لایا۔ ایک دن دیوان فضل اللہ خاں مرحوم۔ چرٹ میں سوار۔ مرزا کے مکان کے پاس سے

بغیر ملے نکل گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رقعہ دیوان جی کو لکھا مضمون یہ: ”کہ آج محلکوتہ در  
نہایت ہوئی ہے کہ شرم کے اسے زمین میں گرا جاتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا مال لکھی ہو سکتی ہے  
کہ آپ کبھی نہ کبھی تو اس طرف سے گریں اور میں سلام کو حاضر ہوں۔“ جب یہ رقعہ دیوان جی پاس  
پہنچا وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت گاڑی میں سوار ہو کر مرزا صاحب سے ملے کو آئے۔

مرزا کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی، وہ ایک وقت بھی بغیر گوشت کے  
نہیں رہ سکتے تھے؛ یہاں تک کہ سسل کے دن بھی انہوں نے کھجڑی یا شولہ کبھی نہیں کھایا، اخیر میں  
اُن کی خوراک بہت کم ہو گئی تھی، صبح کو وہ اکثر خیرہ بادام پیٹتے تھے۔ دن کو جو کھانا اُن کے لئے لکھتے تھے  
آتا تھا اُس میں صرف پادوسیر گوشت کا قورمہ ہوتا تھا۔ ایک پیالے میں بوٹیاں، دوسرے میں عاب،  
یا شوربا، ایک پیالی میں ایک ٹھیکلے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا، ایک پیالی میں کبھی کبھی ایک ٹپے  
لی زردی، ایک اور پیالی میں دوسرے پیسہ بھر دی، اور شام کو کسی قدر شامی کباب، یا سج کے کباب  
بس اس سے زیادہ اُنکی خوراک اور کچھ نہ تھی۔

ایک روز دو پہر کا کھانا آیا، اور دسترخواں بچھا؛ برتن تو بہت سے تھے؛ مگر کھانا نہایت  
طییل تھا۔ مرزا نے مسکرا کر کہا: ”اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان  
معلوم ہوتا ہے؛ اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو بایزید کا۔“

نواک میں اُم اُن کو نہایت مرغوب تھا۔ اُموں کی فصل میں اُن کے دوست و  
لئے عمدہ عمدہ آٹھ بکتے تھے؛ اور وہ خود اپنے پیسے دوستوں سے تقاضہ لے

آٹھ فارسی مکتوبات میں ایک خط ہے جو غالباً گلشن کے قلم

سے لکھا گیا ہے۔

کے متوالی صاحب کو انہوں کی طلب میں لکھا ہے۔ "میں لکھتے ہیں" یعنی حکم بندہ ام، و قدرے اتواں،  
 ہم تراشش خواں جویم، و ہم آسائش جاں۔ خود و زان دانند کہ این ہر دو صفت پرانہ اندرست؛ و  
 اہل کلکتہ برکتند کہ نظر و انہ بنگلی بندرست۔ آری انہ از بنگلی، و گل از گلشن؛ ایثار از جناب، و سپاہ  
 از من۔ شوق می سالک کرتا پایاں موسم دوسہ بار بخاطر دل نعت خرام گزشت۔ و آذمی نالہ کہ حاشا بدین  
 بر غور داری خورسند خواہم گشت۔

ایک روز مرحوم بادشاہ آموں کے موسم میں چند مصاحبوں کے ساتھ جن میں مرزا بھی تھے۔  
 باغ جات بخش یا صاب باغ میں ٹل رہے تھے۔ آم کے پیر رنگ برنگ کے آموں سے لدرہے تھے۔  
 یہاں کا آم بادشاہ یا سلاطین یا بیگات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا بار بار آموں کی طرف  
 غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا "مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟ مرزا نے ہاتھ بانڈھ کر  
 عرض کیا "پیر و مرشد یہ جو کسی جرگہ نے کہا ہے "بر سر ہر دان توشتہ عیاں" کایں غلاں ابن غلاں  
 ابن غلاں + اسکو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں۔  
 بادشاہ مسکرائے اور اُسی روز ایک بنگلی عمدہ عمدہ آموں کی مرزا کو بھیجوائی۔

حکیم رضی الدین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے ان کو آم نہیں بھانے تھے ایک دن وہ مرزا  
 کے مکان پر براہ راست میں بیٹھے تھے، اور مرزا بھی وہیں موجود تھے۔ ایک گرسے والا اپنے گرسے  
 لئے ہوئے علی سے گزرا۔ آم کے پھلکے پٹے تھے، گرسے نے سونٹھ کر چوڑ دیے۔ حکیم صاحب نے کہا  
 دیجیے آم ایسی چیز ہے جسے کو حاد بھی نہیں کھاتا، مرزا نے کہا بے شک کہ حاد نہیں کھاتا۔

مرزا کی تیت آموں سے کسی طرح میر نونہی تھی، اہل شہر تھوڑے ہی تھے، خود بازار سے ملوانے تھے

باہر سے دور دور کا آم بطور سوغات کے آتا تھا، مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا۔ نواب مصطفیٰ خان  
 مرحوم ناقل تھے کہ ایک صبت میں مولانا فضل حق اور مرزا اور دیگر احباب جمع تھے، اور آم کی نسبت  
 ہر شخص اپنی اپنی رائے بیان کر رہا تھا کہ اُس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ جب سب لوگ اپنی اپنی  
 کہہ چکے تو مولانا فضل حق نے مرزا سے کہا کہ تم بھی اپنی رائے بیان کرو۔ مرزا نے کہا بھی میرے نزدیک  
 تو آم میں صرت دو باتیں ہونی چاہئیں؛ میٹھا ہو اور بت ہو۔ سب حاضرین ہنس پڑے۔

مرزا کو مدت سے رات کو سوتے وقت کسی قدر پینے کی عادت تھی۔ جو مقدار انہوں نے مقدار کر لی  
 تھی اُس سے زیادہ کبھی نہیں پیتے تھے۔ جس کبیس میں تو پئیس رہتی تھیں اُسکی کچی واروغہ کے  
 پاس رہتی تھی؛ اور اُسکو سخت ناکید تھی کہ اگر رات کو سرخوشی کے واسطے مجھ کو زیادہ پینے کا خیال پیدا  
 ہو تو ہرگز میرا کمانہ مانتا؛ اور کبھی مجھ کو نہ پینا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دو رات کو کبھی طلب کرتے تھے؛ اور نشے  
 کی بجائے انھیں واروغہ کو بہت بڑا بھلا کہتے تھے؛ مگر واروغہ نہایت غیر خواہ تھا ہرگز کبھی نہ پیتا تھا۔ اول  
 تو وہ مقدار میں بت کم پیتے تھے؛ دوسرے اُسے کبھی سے کلاب لالیتے تھے۔ جس سے اُسکی قدرت  
 اور تیزی کم ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں۔

اسودہ بادو خاطر غالب کہ غوسے اور ستونہ کے چمن بے بادو صافی گلاب را

مگر بادو جو اس قدر امتیاز دار ہے جس میں کافرنشے کی عادت نے آخر کار مرزا کی صحت کو  
 سخت صدمہ پہنچایا جسکی شکایت سے مرزا دور در فترات بھرے ہوئے ہیں۔

مرزا کے خاص خاص نشے جن سے نہایت بے تکلفی تھی۔ اکثر شام کو اُن کے  
 پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اور

ایک روز میرمدی مروج بیٹھے تھے؛ اور مرزا پٹنگ پر پڑے ہوئے کرا رہے تھے۔ میرمدی بانو  
 دبا بنے گئے۔ مرزانے کہا بھی تو سید زادہ ہے مجھے کیوں گھٹکار کرتا ہے؟ انھوں نے نہ مانا؛ اور  
 کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پھر دبا بنے کی اجرت دینے لگے گا۔ مرزانے کہا اہل اسکا مضائقہ نہیں  
 جب وہ پیر داب چکے انھوں نے اجرت طلب کی۔ مرزانے کہا ”بھینا کیسی اجرت؟ تم نے  
 میرے پانودا بے؛ میں نے تمہارے پیسے دا بے؛ حساب برابر ہوا۔“

ایک دن قبل غروب آفتاب نے مرزا صاحب شام کا کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں صرف ناشی کباب  
 تھے میں بھی وہاں موجود تھا اور آنکے سامنے بیٹھا رومال سے کھیاں جھل رہا تھا۔ مرزانے کہا ”آپ  
 ناحق تکلیف فرماتے ہیں؛ میں ان کبابوں میں سے آپ کو کچھ نہ دے گا۔ پھر آپ ہی یہ حکایت بیان کی کہ  
 ”نواب محمد الامد خاں کے دسترخوان پر ان کے مصاحبوں اور عزیزوں اور دوستوں کے لئے ہر قسم کے  
 کھانے پینے جاتے تھے؛ مگر خاص اُنکے لئے ہمیشہ ایک چیز تیار ہوتی تھی۔ وہ اُنکے سوا اور کچھ نہ کھاتے  
 تھے۔ ایک روز اُنکے لئے مرغ پر بچا تھا؛ وہی اُنکے سامنے لگایا گیا۔ مصاحبوں میں ایک آدم بہت  
 سستہ لگا ہوا تھا جو اسوقت دسترخوان پر موجود تھا۔ نواب نے اُسکو کھانا دینے کے لئے خالی رکابی  
 طلب کی۔ اُنکے آنے میں دیر ہوئی۔ نواب کھانا کھاتے جاتے تھے اور خالی رکابی بار بار مانگتے تھے۔  
 وہ مصاحب نواب کے آگے رومال پٹانے لگا؛ اور کہا ”حضور اور رکابی کیا کیجیے گا اب سبھی خالی  
 ہوئی جاتی ہے۔“ نواب یہ فقرہ سنکر پھٹک گئے اور وہی رکابی اُسکی طرف سرکادی۔“

ایک دفعہ مرزا کو پٹنگ پر لیٹے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ستاروں کی طاہری بے نظمی  
 اور انتشار دیکھ کر دسے ”جو کام خود رائے سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ ستاروں کو تو دیکھو

کس اتبری سے بکھرے ہوئے ہیں؟ متناسب ہے، نہ انتظام ہے، نہ میل ہے، نہ بولہ ہے، مگر بادشاہ خود مختار ہے؛ کوئی دم نہیں مار سکتا۔

ایک دن سید سروا مرزا مرحوم شام کو چلے آئے۔ جب تھوڑی دیر بٹھیر کر رہ جانے لگے تو مرزا خود اپنے ہاتھ میں شمعداں لے کر کھستے ہوئے لب فرش تک آئے تاکہ دفنی میں جوتا بیکر سپن لیں۔ انھوں نے کہا جلد و کعبہ آپ نے کیوں تخلیق فرمائی؟ میں اپنا جوتا آپ پہن لیتا۔ مرزا نے کہا میں آپ کا جوتا کھانے کو شمعداں نہیں لایا؛ بلکہ اس لئے لایا ہوں کہ میں آپ میرا جوتا نہ پہن جائیں۔

اگرچہ شاعری کی حیثیت سے انھوں نے شراب کی جا بجا تعریف کی ہے مگر اعتقاد وہ اسکو بہت برا مانتے تھے؛ اور اپنے اس فعل پر سخت مادم تھے۔ باوجود اسکے انھوں نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپائیں شراب کے متعلق انکی غرافت آمیز باتیں بہت مشہور ہیں۔ ایک شخص نے انکے سامنے شراب کی نہایت ذمت کی اور کہا کہ شراب خوار کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا نے کہا بھائی جبکو شراب تیرا ہے اسکو اور کیا چاہیے جسکے لئے دعا مانگے۔

ایک خط کو اس طرح شروع کرتے ہیں ”بے مے کند در کف من خامد دانی“ + ”سروست ہوا آتش“ بے دود و دیکائی ”ہمیر بعدی“؛ صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگلیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دوزخ کو لکھتا ہوں؛ اقدار پاتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سی گروہ آتش سیال کہاں کہ جب دوزخ نے فوراً آگ دپنے میں دوڑ گئی۔ دل تو مانا ہو گیا، دماغ روشن ہو گیا، نفس نااطفہ کو تو ابجد بہم پہنچا۔ ساقی کو ڈیر کا بندہ اور تشنہ لب !!! اے غضب اے غضب!! یہ خافہ کے بعد اس زمانے میں لکھا ہے جب نشین و فیرو سب بند ہے اور بیب عسرت و تلکدستی کے کچھ پیتے پاتے نہیں ہیں۔



میر ہندی مجروح نے بے پورے خطیب کا ہے اور وہاں جو کسی تقریب میں کئی تئوں مصری کا شربت مہمانوں کے لئے کیا گیا تھا اسکا ذکر لکھا ہے اس کے جواب میں مرزا لکھتے ہیں

”میرا محسوس و مرزا قربان بیگ نامہ شمارا خواندند وہ ذوق شربت ہفت صد من نبات ہر دورا آب و درہن گشت سخن از بادۂ ناب نہ بود ورنہ مرا نیز دل از جارتے“

مرزا نے غزلیات و قصائد و قطعات و رباعیات میں شراب کے متعلق جس قدر مضمون بانٹے ہیں وہ خواجہ حافظ اور عمر قیام سے کم نہ ہونگے، یہاں ایک شعراء دو غزل کا اور ایک فارسی کا اور ایک فارسی رباعی لکھی جاتی ہے۔

علی کے لئے کرآن ز منت شراب میں	یہ سو دشمن ہے ساتی کوثر کے باب میں
خجست بلکہ در فتنام نہ یافتند	جزر و زہ در ست بہ صبا کشودہ
غالب بہمن گرد گشت بہ نیست	از نقشہ ہوش صحت اندر نہ نیست
سے خواہی دشت و قزو و گاہ بسیار !!!	ایں بادہ فردش ساتی کوثر نیست

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحید و جود کی کو اسلام کا اہل اصول اور رکن دیکھ جانتے تھے۔ اگرچہ وہ بظاہر اہل مال سے نہ تھے، مگر مبیا کہ لکھا گیا ہے ”و من حب شیناً اکثر ذکرہ“ توحید و جود کی انکی شاعری کا عنصر بن گئی تھی۔ اس مضمون کو انھوں نے جس صاف سخن میں بیان کیا ہے غالباً نظیری اور بیدل کے بند کسی نے نہیں بیان کیا۔ مرزا کے حق میں اگر اور کچھ نہیں تو دعویٰ کا یہ شعر ضرور صادق آتا ہے۔

امید ہست کہ بیگائے عربی را بہ دوستی سخن اسے آشنا بخشند

بلا

بی

اسلام کا  
یقین

انہوں نے تمام عبادات اور قرآن و احکامات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک ترمیم وجودی اور دوسرے بنی اور اہمیت نبی کی محبت ؛ اور اسی کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔

اگرچہ شاعری کے کلام سے اُسکے عقائد پر استدلال نہیں ہو سکتا مگر جو بات دل سے نکلنی ہے وہ چھپی نہیں رہتی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر حکماء اسلام نے نعیم جہانی سے انکار کیا ہے مرزا بھی اُسکے قائل نہ تھے چنانچہ انہوں نے اس خیال کو اپنے شاعرانہ انداز میں متعدد جگہ ظاہر کیا ہے ایک جگہ کہتے ہیں ”ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن + دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے“

یہی خیال ایک فارسی رباعی میں اس طرح ظاہر کیا ہے ”گردیدن ز اہاں بہشت گسختن + ہاں دست درازی بہ تر شاخ بنش + چون نیک نظر کنی ز درہ تشبیہ + ماند بہ بہائم و غلغلت زار فراخ“  
مرزا با وجودیکہ احکام ظاہری کے بہت کم پابند تھے ؛ لیکن مسلمانوں کی ذلت کی کوئی بات سن پاتے تھے تو اُن کو سخت رنج ہوتا تھا ایک روز میرے سامنے اسی قسم کے ایک واقعہ پر نہایت افسوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے ؛ پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج اور تاسف ہوتا ہے ؛ مگر چونکہ طبیعت نہایت شورش و فزع ہوئی تھی ۔ جب کوئی گرم فقاہ شوجہ جاتا تھا پھر اُن سے بغیر کے نہیں رہا جاتا تھا ؛ خواہ اس میں اُنکو کوئی کافر سمجھے ؛ یا رند شراب کسے ؛ یا بد مذہب جانے۔

فد کے بعد ۔ جبکہ نیشن بند تھی اور دربار میں شریک ہونے کی اجازت نہ تھی ۔ پندرہ سب  
موتی لال میرمنشی نقشبندی پنجاب مرزا صاحب سے ملنے کو آئے ۔ کچھ نیشن کا ذکر چلا ۔ مرزا صاحب  
نے کہا ۔ ”تمام عمر میں ایک دن شراب پی پی ہو تو کافرا ؛ اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہگار ؛ پھر نیشن

اس واقعے کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہو گئی کہ بادشاہ شہید ہو گئے۔ اس شہرت کا بادشاہ کو بہت  
 رنج ہوا؛ اور حکیم احسن اللہ خاں مرحوم نے اس کے تدارک کے لئے کچھ رسالے شائع کرائے، اور کچھ  
 اشتہارات کوچوں اور بازاروں میں چسپاں کرائے گئے۔ اور بادشاہ کے حکم سے مرزا صاحب نے  
 بھی ایک مثنوی فارسی زبان میں لکھی۔ جس کا نام غالباً دغ الباطل رکھا گیا تھا، اور جس میں بادشاہ  
 کو تشیع کے اتمام سے بڑی کیا گیا تھا۔ اس مثنوی میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی تھی  
 بلکہ جو معنائیں حکیم احسن اللہ خاں نے بتائے تھے ان کو فارسی میں نظم کر دیا تھا۔

جب یہ مثنوی لکھنو پہنچی تو مجتہد المعرف نے مرزا سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا  
 سید رشکدہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے؟ مرزا نے لکھ بھیجا کہ میں ملازم شاہی ہوں  
 جو کچھ بادشاہ کا حکم ہوتا ہے اسکی تعمیل کرتا ہوں۔ اس مثنوی کا مضمون بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں  
 کی طرف سے اور الفاظ میری طرف سے تصور فرمائے جائیں۔

مرزا کی طبیعت نہایت سلیم واقع ہوئی تھی۔ باوجودیکہ تیزی ذہن اور سلامتی طبع دونوں ایک جگہ بہت کم  
 معج ہوتی ہیں؛ مرزا میں یہ دونوں باتیں بوجہ اتم موجود تھیں۔ اسی سلامتی طبع کا اقتضا تھا کہ ابتدا سے  
 شفقِ سخن میں جو بیڑ حارثہ انھوں نے اختیار کیا تھا۔ بغیر اس کے کہ کوئی استاد بہری کرے۔ جس قدر  
 عقل و تیز بزمی گئی اسی قدر اہمیت اہمیت اس سے اخراج ہوتا گیا؛ اور آخر کار اساتذہ مسلم اثبات  
 اسکی روش مستقیم پر آ رہے۔

مرزا اندام عجز و انکسار کما کرتے تھے کہ قصائد کی تشبیب میں تو میں بھی جہاں عرفی و انوری پہنچتے ہیں  
 انھیں وہ خیراں پہنچ جاتا ہوں؛ مگر مع دستاؤں میں مجھے اُس کا ساتھ نہیں دیا جاتا۔ مرزا کا یہ کستا

بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جو دور انکی تشبیہوں میں پایا جاتا ہے وہ مرج میں اگر باقی نہیں رہتا۔ مگر ہم  
اسکو ان کے نقص شاعری پر محمول نہیں کرتے؛ بلکہ غایت درجے کی سلاست ذہن اور استقامت طبع  
کی دلیل جانتے ہیں۔ جسوٹی اور بے اصل باتوں کو چمکانا، اور زمیں و آسمان کے تلابے ملانا، اور بجاغیرہ  
و اغراق کا طوفان اٹھانا اپنی المیقہ شاعر کا کمال نہیں ہے؛ بلکہ جس قدر اسکی طبیعت ان باتوں سے ابا  
رتی ہے اسی قدر جاننا چاہیے کہ وہ شاعری سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مرزا کی  
ساری عمر عقیدہ گوئی اور مرج سرائی میں گزری؛ کیونکہ ضرورت انسان سے سب کچھ کراتی ہے۔ مگر اپنی  
جیسا کہ ہم آگے بیان کرینگے۔ اُن کو بھٹنی کرنے کا طریقہ عجیباً کہ چاہیے دیا نہیں آتا تھا۔

اس مقام پر ہم ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ جس سے مرزا کی سلامتی طبع کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولانا فضل حق مرحوم مرزا کے بڑے کاٹھے درست تھے اور اُن کو فارسی زبان کا نہایت مقتدر شاعر

مانتے تھے۔ چونکہ مولانا کو دہائیوں سے سخت مخالفت تھی؛ انھوں نے مرزا پر نہایت امرار کے ساتھ

یہ فرمائش کی کہ فارسی میں دہائیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو۔ جس میں اُنکے بڑے بڑے اور مشہور

عقیدوں کی تردید اور خاصکر امتناع نظیر خاتم النبیین کے مسئلے کو زیادہ شرح اور رسد کے ساتھ بیان کرو۔

اس مسئلے میں مولانا اسماعیل شہید کی ہر اسے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور متنع بالغیر ہے؛

متنع بالذات نہیں ہے۔ یعنی آنحضرت کا مثل اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اُسکا پیدا ہونا آپ کی خاصیت

کے منافی ہے؛ نہ اس لئے کہ خدا اُسکے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ہر خلاف اسکے مولانا فضل حق کی یہاں

تھی کہ خاتم النبیین کا مثل متنع بالذات ہے؛ اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا اسی طرح خاتم النبیین

کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

مولانا فضل حق  
مرزا کے بڑے کاٹھے  
درست تھے اور اُن کو  
فارسی زبان کا نہایت  
مقتدر شاعر مانتے  
تھے۔ چونکہ مولانا  
کو دہائیوں سے سخت  
مخالفت تھی؛ انھوں  
نے مرزا پر نہایت  
امرار کے ساتھ یہ  
فرمائش کی کہ فارسی  
میں دہائیوں کے خلاف  
ایک مثنوی لکھ دو۔  
جس میں اُنکے بڑے  
بڑے اور مشہور  
عقیدوں کی تردید اور  
خاصکر امتناع نظیر  
خاتم النبیین کے  
مسئلے کو زیادہ  
شرح اور رسد کے  
ساتھ بیان کرو۔

مرزا صاحب پر یہ فرمائش ہوئی کہ اس مسئلے پر جو اسے مولانا فضل حق کی ہے وہ فارسی نظم میں بیان کیجئے۔ مرزا نے اول عذر کیا کہ مسائل علی کا نظم میں بیان کرنا مشکل ہے، مگر انھوں نے نہ مانا۔ لاچار مرزا نے ایک مثنوی جو کہ انکے کلمات میں مثنویات کے سلسلے میں عجیب مثنوی ہے۔ لکھ کر مولانا کو سنائی۔ انھوں نے بے انتہا تعریف کی اور یہ کہا کہ اگر میں فارسی شعریں تمھاری بڑے شوق ہوتا تو بھی ایسی خوبی سے ان مطالب کو نہ ادا کر سکتا۔ مگر جو کچھ مرزا نے مسئلہ خاتم النبیین کے باب میں کسی قدر مولانا کی اسے کے خلاف لکھا تھا اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے۔ مرزا نے صاف صاف تو یہ نہیں لکھا تھا کہ خدا خاتم النبیین کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے؛ مگر اس مضمون کو اس پیرائے میں ظاہر کیا تھا کہ اس موجودہ عالم میں تو ایک خاتم کے سوا دوسرا خاتم پیدا نہیں ہو سکتا؛ لیکن خدا قادر ہے کہ ایسا ہی ایک اور عالم پیدا کر دے اور اسی خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو خلق فرما دے۔ چنانچہ انھوں نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

یک جہاں تاهت یک خاتم ہست	قدرت حق را نہ یک عالم ہست
خواب از مسدودہ آرد عالمے	ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود	رمزہ للعالمین ہم بود
کثرت ابراج عالم خوب تر؟	ایک عالم دو خاتم خوب تر؟
در یکے عالم دو خاتم خوبے	صد ہزاراں عالم دو خاتم بگوبے

جب مرزا اول بار مثنوی لکھ کر مولانا کے پاس لائے تو مضمون مذکور کو اس اخیر شعر پر ختم کر کے لائے تھے۔ مولانا نے فرمایا یہ تم نے کیا بکا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں؛ نہیں بلکہ

اگر لاکھ عالم خدا پیدا کر سکتے تھے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہو گا۔ پس اس مضمون کو مثنوی میں سنے بالکل غالی اور جس طرح میں کتابوں اُس طرح بیان کر دو۔ مرزا کو نہ دباہوں سے کچھ خصوصیت تھی اور نہ اُنکے مخالفوں سے کچھ تعلق تھا؛ بلکہ صرف دوست کی رضا جوئی مقصود تھی۔ اُنھوں نے مولانا کے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اُسکو تو اُسی طرح رہنے دیا مگر اُسکے آگے چند اشعار اور اضافہ کر کے کلام کو اُچھڑا کر دیا۔

غالب اس اندیشہ پذیریم ہے	خردہ ہم بر خوشی می گیریم ہے
اے کہ ختم المرسلینش خواندہ	دائم از دے یقینش خواندہ
ایں الفت لائے کہ استغراق راست	حکم ناطق معنی اطلاق راست
منشأ ایجاد ہر عالم یکسیت	گرد مصدر عالم ہر مقام یکسیت

اسکے بعد اسی مضمون کو اور زیادہ پھیلا یا ہے؛ اور پھر مثنوی کو این دو شعروں پر جن میں تغیر خاتم النبیین کے منفع بالذات ہونے کی تصریح ہے ختم کر دیا ہے۔

منفرد اندر کمال ذاتی است	لاحیرم شلش محال ذاتی است
زین عقیدت برنگردم و استلام	نامہ را در سے نور دم و استلام

ادھر کے بیان سے ناظرین کو معلوم ہوا ہو گا کہ مرزا کی طبیعت میں کس قدر سلامت روی تھی؛ اور احوال سے کس قدر انکاد بہن! باکرتا تھا؛ باوجودیکہ مولانا افضل حق نے اس مسئلے کے متعلق جو کچھ انکی رائے تھی مرزا کے خوب ذہن نشین کر دی تھی اور مرزا اُسی کو اپنی مثنوی میں بیان کرنا چاہتے تھے مگر جس طرح ایک میٹھی چیز ٹکی میں اگر سی می ہو جاتی ہے اسی طرح مرزا کی راست بیانی نے اُس میٹھی رائے کے تمام بل تھل ڈالے اور بغیر اسکے کہ مرزا کو دباہوں کی حمایت منظور ہو جو ٹھیک بات تھی وہ

انہی قلم سے بے اختیار ہلک پڑی۔ پھر اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے جیسے لکھا ہے؛ اسکو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔

ہماری سوسائٹی میں جو ایک عام دستور ہے کہ جو شخص اپنا کلام سنا تا ہے اس کے ہر ایک شعر پر خواہ انتہا پرغواہ بُرا۔ برا پر تعین و اقرب کی جاتی ہے اور اچھے اور بُرے شعروں کچھ تیز نہیں کی جاتی؛ مرزا کی عادت بالکل اس کے برعکس تھی۔ کوئی کیسا ہی معزز و محترم آدمی ہو جب تک اس کا کوئی شعر فی الواقع مرزا کو پسند نہ آتا تھا وہ ہرگز اس کی تعریف نہ کرتے تھے۔ انہی غریب قوافی کا نقل و سماع انتہا کو سہو چکیا تھا؛ مگر پہلے ایسا حال نہ تھا۔ وہ کسی قدر اونچی آواز سے بات چیت اور شعر و سخن سن لیتے تھے؛ مگر جب تک کوئی شعر ان کے دل میں نہ چبھتا تھا اس سے مس نہ ہوتے تھے۔ ان کے بعض معاصرین اس بات سے آزر رہتے تھے؛ اور اسی لئے ان کی شاعری پر نکتہ چینیوں کرتے تھے۔ مگر مرزا باوجودیکہ ان کی طبیعت نہایت صلح و مروت ہوئی تھی۔ شعری داد دینے کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا اسکو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ لیکن جو شعراں کے دل میں چبھ جاتا تھا اس کی تعریف بھی ایسی کرتے تھے جو بھائے کی مدد کو پہنچ جاتی تھی۔ جو حقیقت کسی کے خوش کرنے کے لئے دیا نہیں کرتے تھے؛ بلکہ ذوق سخن ان کو بے اختیار کر دیتا تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق نیکی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو ان سے جنگ تھی۔ ایک روز جب کہ مرزا شیخ میں مصروف تھے منشی غلام علی خاں مرحوم نے ان کا یہ شعر کسی دوسرے شخص کے سننے کو پڑھا۔

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ جانیئے      مر کے بھی چین نہ پایا تو کہ مر جانیئے  
خان مرحوم کہتے تھے کہ مرزا کے کان میں بھی اس کی جھنگ پڑ گئی فوراً شیخ چوڑھی اور جیسے کہا بیٹھائے  
کیا پڑھا؟ میں نے پھر وہ شعر پڑھا۔ پوچھا کس کا شعر ہے؟ میں نے کہا ذوق کا۔ یہ منکر نہایت متعجب

ہوے؛ اور مجھے بار بار پڑھواتے تھے اور سڑھتے تھے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ مرزا نے اپنے اردو خطوں میں اس شعر کا جابجا ذکر کیا ہے۔ جہاں عمدہ شعر کی مثالیں دی ہیں وہاں اس شعر کو مزور لکھا ہے۔ اسی طرح مومن خاں کا جب یہ شعر سنا۔

تم مجھے پاس ہوتے ہو گو یا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا X

تو اسکی بہت تعریف کی اور یہ کہا کہ کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر لکھ کر دیتا، اس شعر کو بھی انھوں نے اپنے متعدد خطوں میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح سودا کا یہ شعر بھی ایک مقام پر لکھا ہے دکھائیے یہاں کے تجھے مصرع کا بازار لیکن کوئی خواہاں نہیں وہاں منہ گراں کا ایک محبت میں نواب مرزا خاں دامن کے اس شعر کو بار بار پڑھتے تھے اور سپردِ وجد کرتے تھے۔

شیرِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اُدھر پرواز آتا ہے بعض اوقات وہ اپنے شاگردوں کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ اسکی تعریف میں شاید آگاہی دل بڑھانے کو حد سے زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔ انھوں نے اخیر عمر میں اپنے ایک شاگرد کی غزل دیکھ کر اسکی بے انتہا تعریف کی؛ اور یہ کہا ”کہ اگر میں اب رنگ کر نیکی قابل ہوتا تو تم محمود ہوتے اور میں حاسد“

مرزا پر تقریظیں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے تعریف کی تسبیح فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبیعت چونکہ صلیح جو اور مزاج و مرتعاب ہوتی تھی وہ کسی سے ناخوار تو نہیں کرتے تھے؛ مگر تقریظ نگاری کا انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہ ہو اور صاحبِ کتاب خوش بھی ہو جائے۔ بہت سا حقدِ تہدیس، یا معصفت کی ذات اور اس کے اخلاق، یا اسکی محبت اور دوستی کے بیان میں، یا اور لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں جو محفل



نہوں۔ ختم ہو جاتا تھا۔ اخیر میں کتاب کی نسبت چند جملے جماعیت سے خالی نہوتے تھے، اور مصنف کے خوش کرنے کے لئے کافی ہوتے تھے، لکھ دیتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ لوگ مرزا سے شکایت کرتے تھے کہ آپ نے سائنس میں مضائقہ کیا ہے۔

جب مرزا نے منشی ہر گوبال فقہ کے دیوان کی تقریظ جو کلیات شرعاً غالب ہیں موجود ہے۔ لکھ کر بھیجی تو انہوں نے بھی اسی قسم کی شکایت کی تھی، مرزا اس کے جواب میں لکھتے ہیں ”کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ درودش بند و ستانی فارسی لکھنے والوں کی نمجگو نہیں آتی کہ بالکل بھانوں کی طرح بکنا شروع کروں۔ میرے قصیدے دیکھو؛ تشبیب کے شہریت پاؤ گے؛ اور مع کے شعر کتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ ان کی طرح کتنی ہے؟ مرزا رحیم الدین سادہ جیہ تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ الطبع دیوان حافظ کی۔ جان جاکوب بہادر کی فرمائش سے لکھی ہے اسکو دیکھو؛ کو فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی طرح آتی ہے اور باقی نثر میں اور ہی اور مطالب ہیں۔ واقعہ باشد اگر کسی شاہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو ایسی طرح اتنی ذکر نہ کرتی تمھاری طرح کی ہے۔ ہلکو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی طرح کو بہت جانتے۔ فقہ مختصر تمھاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اُس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھٹی سیری روش نہیں۔ طاہر اتم خود فکر نہیں کرتے؛ اور حضرات کے بکمانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب توجہ تیرا اس نظم و نثر کو مصل کس گے۔ کس واسطے کہ ان کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ قاتل کو تپے لکھنے والوں میں جانیٹے وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا پہچانیں گے۔

(نثر) سید احمد خاں نے جب نہایت جانتقانی اور عرق ریزی سے آئین اکبری کی تصحیح کی تو دہلی کے

فہرست  
دیوان  
نثر

تصحیح

شاہیر نے اسپر شتریں تقریبیں کھیں تھیں؛ اور مرزا نے نظم میں ایک شہنوی لکھی تھی۔ جو ان کے کلمات میں موجود ہے۔ باد و دیک مرزا کو سرسید کی خاطر بہت عزیز تھی، اور وہ اُن سے اور اُن کے خاندان سے افضل گمانوں کے تھے تھے؛ مگر چونکہ مرزا۔ اہل افضل کی طرز تحریر کو پسند نہیں کرتے تھے، اور جو آئین اُس کتاب میں لکھے ہیں انکو اس زمانے کے آئینوں کے مقابلے میں بیچ و بیچ سمجھتے تھے، اور باغ کا مذاق جیسا کہ خود افسول نے اعتراف کیا ہے بالکل نہ کرتے تھے اس لئے آئین اکبری کی تصحیح کو انہوں نے کیا افضل کام سمجھا۔ گو انکی یہ رائے غلط ہو یا صحیح۔ مگر چونکہ آئین اکبری اور اُنکی تصحیح کی نسبت اُن کا خیال تھا اُنکو تقریباً میں ظاہر کئے بغیر نہیں رہے۔ چنانچہ اُس شہنوی کے اول کے چند شعور

اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

خردہ یاراں را کہ ایس دیویں کتاب	ماقت از اقبال سپید فتح باب
دیدہ بیسنا آمد و باز دوقوی	کننگی پوشید تشریف نوی
دیں کہ در صبح آئین راے اوست	ننگ و عار جنت والاے اوست
دل بہ شغل بست و خود را شاو کرد	خود مبارک بسندہ آزاد کرد
گو ہر شش را آنکہ توا نہ ستود	ہم ہیں کار شش ہی و اند ستود
بر چنین کارے کہ اعلش ایں بود	اں ستایہ کش ریا آئین بود
من کہ آئین دیار د ششم	دردنا اندازہ د این خود نم

۱۔ مرزا نے انشاء کی تقریب میں سرسید کی نسبت لکھے ہیں "ایک شتر دہشت از مرزا کی آئین بروی دانا؛ بادشہ پانی ہر  
 ۲۔ شتریں و شتر خوں دانا  
 ۳۔ بادشاہ کا نام مرزا کی شتر لکھے ہیں۔ ایس لکھ ہے کہ اہل افضل کے باب کا نام ملکہ تھا۔"

گر بیں کارش نگویم آفسریں      جاے آں وارو کہ جویم آفسریں  
ایکے بعد اگر نریں کے آئین وقانون و احکامات کسی قدر بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ان چیزوں  
کے سامنے پچھلے آئین سب تقویم پارینہ ہو گئے ہیں ایکے بعد لکھتے ہیں

طرز تحریرش اگر گئی خوشست	نئے قروں از ہر چہ می جوی خوشست
ہر خوشے را خوشتر ہم بدہ است	گر ہر بہت افسر ہم بدہ است
سب افاض را شمر بخیل	فوزی ریز در لب ہا زان خیل
مردہ پروردن مبارک کاریست	خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست
غالب آئین خوشی دلکشست	گرچہ خوش گفتی و گفتن ہم خوشست
در جہاں سید پرستی دینت	از دین بگذر دما آئینت
اس سر ابا قرہ و فرزندک را	سید احمد خان عارف جنگ را
ہر چہ خواہد از خدا موجود باد	پیشکارش علاج مسعود باد

یہ دیکھا اس تقریب میں آئین اکبری کی نقیص کی گئی تھی اور سر سید نے جو ایک نہایت مفید کام کیا تھا اسکی  
کچھ داؤ نہیں دی گئی تھی بلکہ اسکو غیر مفید ظاہر کیا گیا تھا اس لئے انھوں نے آئین اکبری کے آخر  
میں مرزا کی تقریب کو نہیں چھپوایا۔

مرزا کی دناکی اور عالی ظرفی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ۔ باوجودیکہ ایسی سوسائٹی میں گھرے  
ہوئے تھے جس میں سلت کی تقلید سے ایک قدم تجاوز کرنا ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اپنے فن میں متفانہ

چال چلتے تھے، اور اندھا دُھند اگلوں کی تقلید ہرگز نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جامع برہانِ قاطع کی شہرت اور ناموری اُنکو اُسکا تخلیق کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "یہ زواںِ دل دانا و چشمِ بنیا بپراں دادہ است کہ کارِ دانش و نبشِ ازبس ہر دو گوہرِ پُرِ زفرِ گیریم؛ دہرِ چو نگیمِ جز بہ ستوری دانش آن را نہ پذیریم۔ استادِ وِشاگردِ پیری و مریدی نیست کہ تنها اعتقاد میں باشد؛ وہیں گنہ شہور کہ "پیرِ من خس است و اعتقادِ من بس است" از باز پرس ایسی روئے دہر، "حالاکہ وہ ایران کے نامور شعرا کا نہایت ادب کرتے تھے اور اُنکا ذکر ہمیشہ تعلیم اور احترام کے ساتھ کرتے تھے؛ پھر بھی اندھوں کی طرح اُنکی تقلید نہ کرتے تھے۔ جو امور سماع اور نقل سے علاوہ رکھتے تھے اُن میں اُن کے کلام کو بے چون و چرا تسلیم کرتے تھے، مگر جو باتیں عقل اور روایت سے تعلق رکھتی ہیں اُن میں اُنکی تقلید کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ ایک خط میں حزیں کا۔ جسکو وہ بہت بڑا استاد جانتے تھے۔ یہ مطلع نقل کرتے ہیں "و زرتکنا زبانی آن نامزین سوا ہنوز نہ زبہنوی دم انکشت زبہنای ہنوز" پھر لکھتے ہیں کہ اس مطلع میں ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے؛ متنبی کے واسطے سند نہیں ہو سکتا، یہ غلط محض ہے، یہ سقیم ہے، یہ عیب ہے، اسکی کون پیروی کر گیا۔ حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبریل کا ہو تو اسکو سند نہ جانو، اور اسکی پیروی نہ کرو۔ ایک خط میں منشی ہر گوبال کو لکھتے ہیں "یہ نہ سمجھا کر دکھائے جو لکھائے ہیں نہ حق ہے، کیا آدمی امن پیدا نہیں ہوتے تھے؟

منشی

مرزا کے کلام پر اگر کوئی ٹھیک اعتراض کرتا تھا، یا کوئی عمدہ فقرہ اُنکے شعر میں کرتا تھا، اُنکو فخرِ تسلیم کر لیتے تھے، اور شعر کو بدل ڈالتے تھے۔ شہنوی درود داغ میں اُن کا ایک مصرعہ تھا "دخول شد و چہ زبون ساز کرد"۔ جب مرزا نے یہ شہنوی تحفہ نامی کرائی کو بھیجی تو اس نے مرزا کو

لکھا "خوک نم دا۔ دن پنجہ اگر مزدیک اسانڈہ اطلاق نم و پنجہ بیک محل روا باشد اعلام باید فرمود"، مرزا نے اس کے جواب میں صاف لکھ دیا اگر لکھتے ہیں فارسی کے چھپنے سے پہلے آپ کا خط پہنچ جاتا تو میں اس لفظ کو بدل دیتا، اور اس مصرع کو اس طرح بنادیتا "خوک شد و پنفسی ساز کرد"، چنانچہ جب مرزا کا کلام دوسری بار چھپا تو انہوں نے یہ مصرعہ اسی طرح بنادیا۔

مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیہ کا یہ شعر ہے۔

ہمیں اں در تن غیب ثبوتے دارند      بوجود کے نذر نذر خراج اعیان

مرزا صاحب خود مجھے کہتے تھے کہ میں نے ثبوتے کی جگہ نمودے لکھا تھا۔ مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنا یا تو انہوں نے کہا کہ اعیان ثابتہ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اس کی جگہ ثبوت بنا دو۔ چنانچہ مطلع ثانی میں انہوں نے بجائے نمود کے ثبوت بنادیا ہے اس طرح ایک قصیدے کے مطلع کا پہلا مصرعہ ہے

عید اسعٰی بسر آغاز زمستان آمد

مرزا نے اول عید قرباں لکھا تھا پھر نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے کہنے سے عید اسعٰی بنایا گیا۔ حالانکہ نواب صوف خود مرزا سے مشورہ نمٹ کرتے تھے اور موسن مرحوم کے بعد ہمیشہ انہیں کہنا کلام دکھاتے تھے۔ ان باتوں کے بیان کرنے سے مرزا کی تفرش خلقت کو دکھانی مقصود نہیں ہیں بلکہ انصاف اور حق پسندی کی شریف خصلت اور وہ ملکہ جس کے بغیر انسان کہیں ترقی نہیں کر سکتا مرزا کی ذات میں کھانا مقصود ہے۔ جن لوگوں میں اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی ان کا اپنے فن میں ترقی کرنا نامکن ہے۔

حالانکہ اینیائی شاعری۔ جس کی بنیاد صبر و ادب ہائے پر رکھی گئی ہے۔ مرزا کی رنگ و پے میں

مرزا

سرائیت کر گئی تھی باوجود اسکے وہ روایت اور حکایت اور وعدہ و اقرار بات چیت میں نہایت راست گفتار اور صادق الہدیہ تھے۔ اسی لئے جو شخص اُنکے وعدے یا اقرار کا یقین نہ کرتا تھا اُس سے نہایت ناراض ہوتے تھے۔ تفضل حسین خاں مرحوم غلط دیوان فضل اللہ خاں سے مرزا نے اپنا دیوان مانگا ہے اور اقرار کیا ہے کہ میں اُسکو دیکھ کر واپس بھیج دوں گا۔ اُنھوں نے دیوان کے دینے سے انکار کیا ہے۔ اُن کے انکار کے جواب میں مرزا لکھتے ہیں ”دیکھیں صاحب! یہ چچا بھتیجا ہزاروں شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا؟ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب دھاتے؟ میرا کلام! خرید آٹھ دہن روپے کی! سودہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھکو دسے ڈالو، تھکو مبارک رہے، مجھکو مستعار دو، میں اُسکو دیکھ لوں، جو میرے پاس نہیں ہے اُسکی نقل کر لوں، پھر تم کو واپس بھیج دوں، اس طرح کی طلب پر نہ نیا دلیل اسکی ہے کہ مجھکو جھڑپا جانتے ہو، میرا اعتبار نہیں، یا یہ کہ مجھکو آزار دینا اور ستانا بادل منظور ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دیدو۔ یا اللہ اللہ میں تمھیں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے بھیج دوں گا۔ اگر تمکو واپس نہ دوں تو مجھ پر لعنت، اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حامل رقمہ کو نہ دو تو تمکو آفریں“

اسی طرح ایک خط میں نواب علاؤ الدین خاں کو لکھتے ہیں

”برست مرگ دے بدتر از گمانِ تو نیست“

مکرر لکھ چکا ہوں کہ قصیدے کا مسودہ میں نے نہیں لکھا، مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کون کی راہ عیاں مانگتے ہو، پھر لکھتے ہو کہ راہ عیاں بھیج، قصیدہ بھیج، سنی اسکے یہ کہ تو جھڑپا ہے، ابکے تو مفرز بھیجے گا۔ بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، تورات کی قسم، زبور کی قسم، ہنود کے چار بیوی

نستم، دساتیر کی قسم، زندگی کی قسم، پازند کی قسم، اُتسا کی قسم، گرو کے گرتھ کی قسم، نہ میرے پاس وہ قصیدہ  
نہ مجھے دو۔ باعیاں یاد۔ کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں۔

برہانیم کہ ہستیم دہسماں خواہد بود

مرزا کی اسی راستبازی کا سبب تھا کہ وہ کوئی کام چھپا کر نہیں کرتے تھے۔ جو دل میں تھا وہی زبان  
پر تھا۔ جو غلطی میں کرتے تھے وہی جوت میں بھی کرتے تھے۔ پس اگر اُن میں کوئی عیب تھا تو وہی تھا  
جسکو ہر کس و نا کس جانتا تھا؛ معنی صیہوں سے وہ بالکل پاک تھے

وہ اس خیال سے کہ اُن کے کلام کی قدر کرنے والے بہت کم تھے اکثر تنگ دل رہتے تھے۔ چنانچہ  
اس بات کی اُنہوں نے فارسی اور اردو نظم و نثر میں جا بجا شکایت کی ہے ایک روز قلعے سے سیدھے  
نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر آئے؛ اور کہنے لگے کہ ”آج حضور نے ہماری بڑی قدردانی فرمائی۔ عید  
کی مبارکباد میں قصیدہ لکھ کر لے گیا تھا؛ جب میں قصیدہ پڑھ چکا تو ارشاد ہوا کہ ”مرزا تم پڑھتے بہت  
خوب ہو،“ اسکے بعد نواب صاحب اور مرزا زمانے کی ناقدر دانی پر دیر تک افسوس کرتے رہے۔

مہر خیر دہ میں اس مضمون کو کہ میں نے اپنا کمال شاعری محض ناقدر دانوں کی مدح سرائی میں صرف  
کیا وہ ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں ”د سینہ من فتنے داشت بہ رواں آسانی نیسے کہ از فتنہ ناز  
آؤد؛ زیاں زودہ۔ من۔ کہ دم جز بہ نایاست نہ ز دم۔ بنان مرا طے بود بہ ذجلہ باری ابرے  
کہ از قبلہ خیزد؛ بیدہ کوش۔ من۔ کہ باراں بشورہ زار فرد بخیم“ یہی وجہ تھی کہ جب حسن اتفاق  
سے اُن کو کوئی سخن سنج اور سخن فہم سیرا جاتا تھا تو اسکو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔ منشی  
بھی بخش حقیر تخلص۔ جو ایک زمانے میں کول میں سر رشتہ دار تھے، اور علی بن غمی اور سخن سنجی کی

نقد و نثر  
کی شہادت

نقد و نثر  
کی شہادت

بڑے بڑے لوگوں سے تعریف سنی گئی ہے۔ کیس وہ دلی میں آئے ہیں؛ اور مرزا کے مکان پر ٹھہرے ہیں  
 اُن کی نسبت منشی ہر گوبال فتنہ کو ایک فارسی غلام میں لگتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ خدا نے میری  
 بکیسی اور تنہائی پر رحم کیا؛ اور ایسے شخص کو میرے پاس بھیجا جو میرے زخموں کا مرہم، اور میرے درد  
 کا درماں اپنے ساتھ لایا؛ اور مجھے میری اندھیری رات کو روشن کر دیا۔ اُسے اپنی باتوں سے  
 ایک ایسی شمع روشن کی جسکی روشنی میں میں نے اپنے کلام کی خوبی۔ جو تیرہ بجتی کے اندھیرے میں خود  
 میری نگاہ سے مخفی تھی۔ دیکھی میں حیران ہوں کہ اس فرزندِ بیکار میں منشی نبی بخش کو کس درجے کی غفلت  
 اور سخن سنجی مضایت ہوئی ہے؛ حالانکہ میں شعر کستا ہوں اور شعر کستا جانتا ہوں؛ مگر جب تک میں نے اس  
 بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن فنی کیا چیز ہے؛ اور سخن فہم کیسکو کہتے ہیں؛ مشہور ہے کہ خدا نے  
 سخن کے دو حصے کئے؛ آدھا یوسف کو دیا اور آدھا تمام نبی نوح انسان کو۔ کچھ تعجب نہیں کہ فہم سخن اور  
 ذوقِ معنی کے بھی دو حصے کئے گئے ہوں اور آدھا منشی نبی بخش کے اور آدھا تمام دنیا کے جھٹے میں آیا ہو  
 گوزمانہ اور آسمان میرا کیسا ہی مخالفت ہو میں اس شخص کی دوستی کی بدولت زمانے کی دشمنی سے بے فکر  
 ہوں؛ اور اس نعمت پر دنیا سے قانع۔

مرزا پر حب شعور کے متعلق کوئی ایسی فرائض کی جاتی تھی جو اُن سے باسانی سر انجام نہ ہو سکتی تھی  
 تو وہ اس بات کا کچھ خیال نہ کرتے تھے کہ میری شاعری کی شہرت و ناموری پر حق آئیگا؛ بلکہ صاف  
 کلمہ بچتے تھے کہ میری طاقت سے باہر ہے۔ ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مروجہ و مغفور نے  
 مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اردو میں جناب سید الشہداء کا مرقیہ لکھیں۔ چونکہ مرزا انکی بہت  
 تعظیم کرتے تھے اور انکے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے اُن کے کلم کی تمہیل کے لئے مرثیہ لکھنے بیٹھے۔ چونکہ



اس کپے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا، اور فرائش ایسی چیز کی ہوئی تھی جسکو اور لوگ صد کمال تک پہنچا چکے تھے، اور ٹوٹے میں انخلا مشروٹ ہو گیا تھا؛ شکل سے مستند کے تین بند لکھے جنہیں سے پہلا بند جھک رہا ہے اور یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ہاں اسے نفس بادِ سخنِ شغوفان ہو      اسے دجلہ نوحں چترِ ملائک سے رواں ہو  
اسے زمرہ نرم لب عیسیٰ پختان ہو      اسے مائیان شبہ مظلوم کہاں ہو

بگڑی ہے بست بات بنائے نہیں بنتی

اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

ایک یہ اور ذوق نہ اور لکھو بختہ العصر کی خدمت میں مسجدیہ، اور صاف لکھ بھجا کہ ”تین بند صرف امتثال امر کے لئے لکھے ہیں؛ ورنہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں؛ یہ اُن لوگوں کا حصہ ہے جنہوں نے اس دواوی میں عمریں بسر کی ہیں۔ مجھکو اُن کے درجے تک پہنچنے کے لئے ایک دوسری غور کار ہے۔ پس مجھے اس خدمت سے معذور و معاف رکھا جائے۔“ اُن کا قول تھا کہ ہندوستان میں انیس اور دیر صیبا مرنیہ گو نہ ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔

بعض اوقات ایسی فرمائشوں سے جبکہ سرانجام کرنے میں اُن کو دقت اٹھانی پڑتی تھی بڑے لطف کے ساتھ پہلو بچاتے تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ ماڈرن تاریخ نگار نے سے وہ ہیشہ گھبراتے تھے۔

ایک بار نواب علاؤ الدین خاں مرحوم نے اپنے لشکے کی ولادت کی تاریخ اور اُسکے تاریخی نام کی فرائش کی اُسکے جواب میں لکھتے ہیں ”خیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھانا ہے، عربین میدانِ لگنی سکھانا ہے، مہجوران ہوجاتے ہیں آپ شکار رکھاتے ہیں۔ تم غمخوار ہو گئے، مہجور طبع خدا داد رکھتے ہو، ولادتِ بیک

تاریخ کیوں نہ کہو؟ اسم تاریخی کیوں نہ نکال لو؟ کہ مجھ پیر غمزدہ دل مردہ کو تکلیف دو۔ علاؤ الدین خان  
تیری جان کی قسم!! میں نے پیسے رشکے کا جو اسم تاریخی نظم کر دیا تھا، اور وہ لڑکا نہ جیا، مجھ کو اس دم  
نے گھیرا ہے کہ وہ میری غوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا مدوح جیتا نہیں، نصیر الدین حیدر، اور  
احمد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے،  
پھر نہ سنبھل سکے۔ جبکہ مرصع میں دس بیس قصیدے کئے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ نامناسب  
نوابی خدا کی! میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا، نہ نام تاریخی ڈھونڈھوں گا۔

بادجو دیکھ مرزا کی تمام عمر قصیدہ گوئی اور مرصع سرائی میں گزری، اور اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ مرصع  
سائنش کا حملہ اُن کو کچھ نہیں ملا، اور جرئت اور کاوش اُن کو قصیدوں کی ترتیب میں کرنی پڑی  
وہ سب رائگاں گئی، مگر انھوں نے کسی کی ہجو میں کوئی قطعہ یا قصیدہ کہی نہیں لکھا۔ صرف ایک قطعہ  
جو مرزا کے مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے۔ ہلکو اُن کے علمی مسودات میں دستیاب ہوا ہے۔ جو  
میرے دوست اور مرزا صاحب کے عزیز شاگرد لالہ باری لال مشتاق دہلوی نے اس کتاب کے  
لکھتے وقت میرے پاس بھیجے ہیں۔ اس قطعہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے ایک امیر کی  
مرصع میں ایک فارسی قصیدہ مع عرضداشت کے ارسال کیا ہے، اور اُس کا جواب مدت دراز تک  
مرزا کو نہیں ملا، تب مرزا نے بطور تقاضے کے یہ قطعہ بھیجا ہے۔ جبکہ شکل سے جو رلیج کا جاسکتا ہے۔  
چونکہ اس قطعہ کا مضمون لطف سے خالی نہیں اس لئے ہم اول اُس کا غلامہ اردو زبان میں لکھتے ہیں،  
اس کے بعد قطعہ عینہ نقل کیا جائیگا۔

قطعہ کا حاصل یہ ہے کہ میں نے عقل سے پوچھا کہ میں نے ایسا اور ایسا قصیدہ نواب کی خدمت میں

بھیجا تھا، اور اُنکے ساتھ عرضداشت بھی گزرائی تھی؛ پھر کیا سبب ہے کہ جواب عنایت نہیں ہوا؟  
 کیا نواب مجھے زندہ رہ گیا؟ اگر یہ بات ہے تو میں نے ناحق تعریف لکھی۔ خدا جانے میں نے کیا لکھ دیا  
 ہو گا۔ سپہ نواب کو زندہ لگی ہوئی۔ قتل نے کہا تو کیوں گھبراتا ہے؟ نواب جس ساز و ساماں کے ساتھ صلہ  
 یہی بنا چاہتا ہے وہ جلدی فراہم نہیں ہو سکتا۔ اُسے بت دن سے حکم دے رکھا ہے کہ دشمن سے دہرا،  
 دم سے قتل، معدن سے الماس، کان سے سونا، دکن سے ہاتھی، پارٹ سے نرزد، عراق سے گھوڑا،  
 دہرا سے موتی، نیشاپور سے فیروزہ، بدخشاں سے یاقوت، بغداد سے ساتواں، اصفہاں سے تھوڑا کشتیر سے  
 پشمینہ، ایران سے زر و زینت، یہ سب چیزیں فراہم کر کے لایں؛ تب غالب کو صلہ بھیجا جائے۔ پس جبکہ یہ  
 ساری ڈھیل اس وجہ سے ہے تو اسکو نواب کی زندہ لگی کی دلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ جب قتل نے مجھکو یہ دم دیا  
 تو میری تمام پاس دنا اسیدی اسید کے ساتھ بدل گئی۔ میں نے بھی اپنے دل میں کہا کہ جب ممدوح میرے  
 لئے یہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو میں بھی اُنکے لئے آئینہ اور تلج سکندر سے، انگشتی اور تفت سیلماں سے، جامِ  
 عالم غیب سے، آبِ حیراں خیرہ خضر سے، عراب، نقاشا و بادشاہ کی قوت، ایمان کی مضبوطی اپنے خدا  
 سے، اور اپنی عمری کا جواب اور قصیدے کا صلہ ممدوح سے کیوں نہ مانگوں۔

### قطع

گفتہم بخرد و بخلوت انس	کاسے شمع و چراغ ہفت ایواں
آیا ز چہ زو بود کہ نواب	نموشت جواب بیاہ ام۔ ہاں!
اں گو نہ عریضہ کہ دانی	درویش نوشتہ سو سے سلطان
اں گو نہ قصیدہ کہ گوئی	از صفحہ دیمہ و سنبلتاں

میں ہر دور رسید نیست پیدا  
 ز ایں سوا اثر ہے بسیج منواں  
 رنجید مگر ز مدح تو آب  
 اسے کاشش ز گشتے تناخواں  
 ہیہات چہ گفتہ ام کہ باشم  
 از گفتہ خویش تن پشیاں  
 عتلم بجواب گفت "غالب!  
 ز نہار مخور فریب شیطان  
 تو آب لبیک بر افغان است  
 تا نامہ فرستدت باماں  
 دامنہا کہ بخاطرش گذشتہ است  
 ز دوست کہ بسج نیز گردد  
 تا راہ روان بحسہ و بر گردد  
 دیبا ز دمشق و منعل از روم  
 از نہ بکوشش منرا دواں  
 فیصل از دکن و زمرہ از کوہ  
 الماس ز معدن و زرا دکان  
 فیروزہ لغتہ از زلف پور  
 قوسن ز عراق و در زعمال  
 جستانہ تیسرہ ز معدن باد  
 یا قوت گزیدہ از بختاں  
 پشیمینہ قیستی ز کشمیر  
 شمشیر بریدہ از صف اباں  
 با بحسلہ درنگ چون ازین روست  
 زر بخت گراں ہسا ز ایراں  
 چوں پیر حسد و بدعت و بی  
 بر پنج و طال نیست بر اباں  
 گشتم بہم اسید و اری  
 گفت ایں ہمہ راز باے پناں  
 مرمم ہر زخم یاس و حراں  
 گفتم کہ چو با من ایں کرم کرد  
 اں قبلہ و قبلہ گاہ ہیاں

ناچار زرد راہ حق گذاری  
تا کردہ شد و تلاشے آں  
من نیز طالب کفم برایش  
ایں خواہش اگر نیست آساں  
آسند و تمان از کس نہ  
انگشت تر و خست از سلیمان  
از عیب جام ہمیشہ  
از چشم رخصت راب حیوان  
عمرہ اپدیش حاجب اوید  
نیرو بے دل و ثبات ایماں  
توسیع جواب نامہ خویش  
توسیع عطا و بذل احساں

مرزا کی بی بی بڑا ہی بخش خاں معروف کی بی بی تھیں۔ وہ نہایت متقی پرہیزگار اور نماز روزہ کی سخت پابند تھیں۔ جس قدر مرزا مذہبی معاملات میں بے سالات تھے اسی قدر ان کی بی بی احکامِ مذہبی کی پابند تھیں۔ یہاں تک کہ بی بی کے کھانے پینے کے باسن الگ اور شوہر کے الگ رہتے تھے۔ بائیں بھر بی بی شوہر کی خدمت گزار اور خبر گیری میں کوئی وقفہ نہ گذاشت نہ کوئی مصلحت مرزا صاحب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے مگر انکے کھانے اور دوامندائی اور بڑا دل وغیرہ کا انتظام سب گھر میں سے ہوتا تھا۔ مرزا میں جب تک چلنے پھرنے کی طاقت رہی ہمیشہ وقتِ عین پر ایک بار وہ گھر میں ضرور جاتے تھے۔ اور بی بی اور ان کے تمام رشتہ داروں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے تھے۔ اور اپنی جان سے بڑھ کر ان کی ضروریات اور اخراجات کا خیال رہتا تھا۔ مگر چونکہ شوخی اور غرافت انکی کمتری میں بڑی تھی انکی زبان و قلم سے بی بی کی نسبت اکثر ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جنکو ناواقف آدمی نفرت یا بے تعلقی پر محمول کر سکتا ہے۔

کسی نے امرائے شنگ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال مرزا کو لکھا، اور اس میں یہ بھی لکھا

مرزا کی بی بی

مرزا

کر اُسکے ننھے ننھے بچے ہیں! اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے؟ اور بچوں کی کس طرح پرورش ہو؟ مرزا اُسکے جواب میں لگے ہیں ”امرا و سگہ کے حال پر اُسکے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ“ ایک وہ ہیں کہ دود و بارانی بیڑیاں کٹ چکی ہیں، اور ایک ہم ہیں کہ ایک اور چوپاش برس سے جو بچانسی کا پھندا اگلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے، نہ دم ہی ٹھٹھا ہے۔ اُسکو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچوں کو پس پا لیا، تو کیوں ہلپس پھنسا ہے، ”وہ ہمیشہ تعلقاتِ عالمی کو بچا یا بھڑا ایک سخت مصیبت بنایا کرتے تھے۔

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا بچہ اساتے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے سبب پردن میں نہ پھینکا بیٹھا تھا۔ مرزا نے دیکھ کر کہا ”دیاں بھڑا! نہ تھا رس جو رو نہ بچے، تم کس فکر میں ہیں سر نہ نکالے بیٹھے ہو؟“ ایک دفعہ مرزا مکان بدلنا چاہتے تھے۔ ایک مکان آپ خود دیکھ کر آئے، اُسکا دیوانہ تو پسند آیا، مگر علسرا خود نہ دیکھ سکے۔ مگر پراکر اُسکے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا۔ وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسند نہ پسند کہاں پوچھا۔ انھوں نے کہا ”اسیں تو روگ لاتا ہے۔“ مرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی بلا ہے؟ یہاں مرزا کا ایک قطعوہ اور ایک باغی متغضامے مقام کے موافق لکھی جاتی ہے

گیر کہ در درِ حشر چوں تو نیستی	بر سب دروغ نند تیرہ نینین
لیک نباشد درانِ مینقِ مصیبت	در طلبِ نام و جا نہ کش از زن
لیک نباشد درانِ مقامِ صوبت	شورِ قضا سے نادر اسے حاجن
اسے آں کہ ہوا کعبہ و سب داری	دام کہ گزیدہ آرزو سب داری
زبں گو نہ کندی خرای - دام	در غا - ز نے ستیزہ خوئے داری

مرزا اپنی شوخی طبع کے ماتھے سے مہر تھے، اور کسی موقع پر غرض طبعی کرنے سے دچکے نہ تھے۔

مرزا اتنی ہمیشہ خان عروں جنگلے تقدس اور بزرگی کے سبب اُنکے بڑے بھائی زانو سے ادب پہ کر کے اُنکے سامنے بیٹھتے تھے، اور جو مرزا کے خسر ہونے کے سبب اُنکے قبیلہ کو کہہ تھے۔ اُن کے اُنکے بھی مرزا اب بنی شرفی سے باز آتے تھے۔ وہ لوگوں کو مدد بھی کیا کرتے تھے، اور جب بہت سے مرید ہوجاتے تھے تو اُن کو اپنے سلسلے کے تمام مشائخ کا شجرہ لکھوا کر ایک ایک کاپی سب کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مرزا کو شجرہ دیا کہ اہلی نقل کر دو۔ آپ نے شجرہ کی نقل اس طرح کی کہ ایک نام لکھ دیا دوسرا حذف کر دیا تیسرا پھر لکھ دیا چوتھا چھراٹا۔ غرض کہ اس طرح بہت سے حذف و اسقاط کر کے نقل اور اصل جا کر اُنکے حوالے کی۔ وہ دیکھ کر بہت غصا ہوئے کہ یہ کیا غضب کیا؟ مرزا نے کہا حضرت! آپ اس کا کچھ خیال فرمائیے، شجرہ دراصل خدا تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے، سوزینے کی ایک ایک سیڑھی اگر بیچ میں سے خال دیکھائے تو چنداں مرج واقع نہیں ہوتا، آدمی خدا تک ایک ایک کراؤ پر چڑھ سکتا ہے۔ وہ نیچر بہت بڑبڑ ہوئے، اور وہ نقل بچار ڈالی اور کسی اور شخص سے اسکی نقل کرائی، اور مرزا ہمیشہ کے لئے اس تکلیف سے چھوٹ گئے۔

مرزا یا تو اسوجہ سے کہ اُن کی زندگی فی الواقع مصائب اور سختیوں میں گزری تھی، اور یا اس لئے کہ اُن پر نا طالع حالتوں کا بہت زیادہ اثر ہوتا تھا، آخر عمر میں موت کی بہت آندھ کیا کرتے تھے۔ ہر سال اپنی وفات کی تاریخ نکالتے اور یہ خیال کرتے کہ اس سال ضرور مر جاؤں گا۔

مشہور اجری میں اُنھوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ کہی کہ ”غالب مراد“ اس سے پہلے کئی ماہ پہلے ہو چکے تھے۔ منشی جواہر سنگ جو ہر شخص جو مرزا صاحب کے مخصوص میں سے تھے اُن سے مرزا صاحب نے اس آواز سے کا ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا حضرت! انشاء اللہ یہ مادہ بھی غلط ثابت ہوگا۔ مرزا نے کہا

مرزا  
کی زندگی  
بلا

”دیکھو صاحب تم ایسی فال مند سے نہ بناؤ، اگر یہ مادہ مطابق نہ نکلا تو میں سر جوڑ کر مر جاؤں گا“

ایک دفعہ شہر میں سخت دبا پڑی۔ میرہمدی میں مجروح نے دریافت کیا کہ حضرت! دبا شہر سے  
 دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے؟ اُسکے جواب میں لکھتے ہیں ”بھئی کیسی دبا؟ جب ایک شہر برس کے  
 بڑے اور شہر برس کی بڑھیا کو نہ مار سکے تو قوت بریں دبا! اسی قسم کی اور بہت سی باتیں اور حکایتیں  
 اُن سے منقول ہیں۔ جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مرنے کے کس قدر آندہ و مند تھے۔

مرنے سے کئی کئی برس پہلے سے چلنا پھرنا بالکل متوقف ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات پٹنگ پر پڑے  
 رہتے تھے۔ غذا کچھ نہ رہی تھی۔ چھ چھ سات سات دن میں اجابت ہوتی تھی۔ پشت چوکی پٹنگ  
 کے پاس ہی کسی قدر اوجھل میں لگی رہتی تھی۔ جب حاجت معلوم ہوتی تھی تو پردہ ہوجاتا تھا۔  
 آپ بغیر استغاثت کسی نوکر چاکر کے کپڑے اتار کر بیٹھے ہی بیٹھے کھسکتے ہوئے چوکی پر پہنچتے تھے۔ پٹنگ پر  
 چوکی تک جانا، چوکی پر چڑھنا، چوکی پر دیر تک بیٹھے رہنا، اور پھر چوکی سے اتر کر پٹنگ تک آنا، ایک  
 بڑی سترلے کرنے کے برابر تھا۔ مگر غصوں کے جواب اس حالت میں بھی برابر یہ خود پٹنگ پر پڑے پڑے  
 لکھتے تھے، یا کسی دوسرے آدمی کو بتاتے جاتے تھے، وہ لکھتا جاتا تھا۔

مرنے سے چند روز پہلے بیہوشی طاری ہو گئی تھی۔ پہرہ پر دو دو پہر کے بعد چند منٹ کے لئے اٹھ اٹھ جانا  
 تھا، پھر بیہوش ہوجاتے تھے۔ جس سزا انتقال ہوگا اُس سے شاید ایک دن پہلے میں انکی عبادت کو  
 گیا تھا، اسوقت کئی پہر کے بعد قافہ ہوا تھا۔ اور نواب علاء الدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھا ہے  
 تھے۔ انہوں نے لوہار سے حال پوچھا تھا، اُسکے جواب میں ایک فقوہ اور ایک فارسی شاعر جو غالباً شیخ سعدی  
 کا تھا۔ لکھوایا۔ فقرہ یہ تھا کہ ”میرا حال مجھے کیا پوچھتے ہو؟ ایک آدمہ روز میں مہاروں سے پوچھنا، اہل شوکا



پہلا صبح مجھے یاد نہیں رہا دوسرا صبح یہ تھا دو نکرہ مجھ کو مارا میں میری تو سلامت، ارنے سے پہلے اکثر شہر  
در دہ زبانی رہتا تھا دو دم واپس بر سر راہ ہے چہ عزیز و اب اللہ ہی اللہ ہے۔

آخر ذیقعدہ ۸۳۸ ہجری کی دوسری اور فروری ۱۴۳۸ء کی پندرہویں کو شہر برس اور چار مہینے کی عمر میں  
دنیا سے رحلت کی، اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ میں اپنے خسر کے پائین خزانہ دفن کئے گئے۔  
انکی وفات کی تاریخیں جو حد تک ہندوستان کے اردو اخباروں میں بھیجی ہیں دلگہتی اور تھارے باہر میں بہت  
ایک تاریخ جیسے دس بارہ آدمیوں کو توار ہوا۔ یاد رکھنے کے قابل ہے (یعنی آہ غالب برد) جبکہ مختلف لوگوں نے  
مختلف طور پر قطعات میں تقسیم کیا تھا۔ تاریخوں کے علاوہ مرزا اقرباں علی بیگ سالک، میر صدیقی حسین مجموعہ، اور  
کتاب خانے اردو میں اور دہلی ہر گز مال فقہ نے فارسی میں، مرزا اکرمی بھی لکھے تھے۔ جو اسی زمانہ میں چھپ کر شائع ہو گئے۔  
مرزا کے جنازے پر جب کوئی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا، اور شہر کے اکثر علماء اور  
مہتمم لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفیٰ خاں، حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم، اور سب سے  
اہل سنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازے کی شاییت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نیو بختی  
محمد خاں نے نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ۔ مرزا صاحب شیعہ تھے، بلکہ اجازت ہو کہ ہم  
اپنے طریقے کے موافق انکی تجنیذ تکفین کریں۔ مگر نواب صاحب نے نہیں مانا، اور تمام مراسم اہل سنت کے  
موافق ادا کئے گئے، ایسے شک نہیں کہ نواب صاحب سے زیادہ انکے اہلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں  
ہو سکتا تھا۔ مگر ہمارے نزدیک بہتر ہوتا کہ شیعہ اور سنی دونوں بلکہ یا علحدہ علحدہ انکے جنازے کی نماز پڑھتے اور صلح نہ کرکے  
میں اکٹرا کر یا سنی اور شیعہ دونوں کے ساتھ یکساں رہا تھا اس طرح ہر نیکو جو بھی دونوں فرقوں کی حق گزاری میں شریک ہوتے  
مرزا صاحب کے شاگرد اطراف ہندوستان میں پشیمان تھے۔ انکی دست اخلاق اور عام رضا جوئی نے

باز  
دفاتر

فاز  
کی نماز

شاہد

یہ دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا۔ جو شخص اصلاح کے لئے اُنکے پاس قزل صیبتا تھا ممکن نہ تھا کہ وہ اُنکے خط کا جواب اور اُنکی غزل میں اصلاح دیکر بھیجیں۔ اگرچہ مرزا کی خطرات شاعری میں اپنے طبقے کے لوگوں سے اس قدر بلند واقع ہوئی تھی کہ وہ کسی شاعر کو دیا مستغیدہ کو اپنے ساتھ ساتھ نہیں لے چل سکتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے خود ایک فلسفی شعریں اس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں

اہائے گرم پر دایم فیض از اجوسے      سایہ بچون دودو بالا میرود از بال ما

با اینہم اہل دہلی و دہلی میں چند اصحاب جو مرزا کے فیضِ محبت اور مشورہ سخن سے زیادہ مستغیدہ ہوئے تھے اُنکے ارشد تلامذہ بھیجے جاتے تھے؛ جیسے نیررخشان، عارف، سالک، مجروح، علانی، قفۃ وغیرہم۔ اُنکے سوا خاص اہل دہلی میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو وفات مرزا کے شاگرد نہیں سمجھے جاتے تھے لیکن درحقیقت اُنکے شاگرد منوی تھے؛ جیسے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم جنہوں نے موسیٰ خاں مرحوم کی وفات کے بعد ہمیشہ اپنا کلام فارسی ہوا اردو مرزا ہی کو دکھایا۔ یا جیسے سید غلام علی خاں مرحوم تخلص بہ وحشت جو مرزا کے مدد سے زیادہ ماننے والے اور معتقد اور اُنکی محبت سے مستفیض رہے تھے۔ مرزا نے انہیں دو نو صاحبوں کی طرف اپنی ایک اردو غزل کے مقطع میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے

۱۔ صاحبِ دلی کے حصار کو کہیں تھے اُنکے مالک کا نام سید فرحت اللہ خاں تھا اور ملا رشید الدین خاں مرحوم کے ملا دتے تھے۔ علم و فضل کے اُردو احصا سے دو نواہد ان میں نہایت خوش بیان اور شوخا مذاق اعلیٰ دے چکے تھے اول سرکارِ انگریزی میں ملازم رہے پھر ان میں فوجی ملازم ہو گئے پھر لکھنؤ میں نواب حیدر الدین دارم نواب وزیر کے کوسلے سے کہ ان سے قرابت فریبہ رکھتے تھے ایک مرتبہ خدمت پر جلتا ہو گئے وہاں سے پھر لوٹے آئے تھے اور فدا دنگ میں رہے فدا کے بعد اخیر تک سرور شہر تعلیم میں مشغول رہے اصحابِ مصطفیٰ خاں مرحوم انکی مجال میں مذکور ہے ۱۲

دشت و شیفہ اب شریک تھیں شایہ مرگیا غالب آشتہ نو کہتے ہیں

یہ دوز صاحب باہر گر نہایت گہری دوستی رکھتے تھے؛ یہاں تک کہ انکی دوستی عشق کے درجے

تک پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ جبکہ راقم بھی جہانگیر آباد میں موجود تھا سید غلام علی خاں مرحوم نواب صاحب

سے ملنے کو آئے ہوئے تھے اور مرزا صاحب نے بھی اُن کا یہاں آنا سن لیا تھا۔ انھیں دونوں

میں مرزا کا خط نواب صاحب کے نام آیا۔ اسمیں خاں صاحب کو بھی سلام لکھا تھا اور اخیر میں

حافظہ کے شعور کا پہلا مصرع اس طرح بدل کر لکھا تھا

چو با صیب نشینی و چاہے پیائی بیاد آر حسد لیان باد و بیمار

ایک عزیز نے یہ طیفہ سنکر کہا کہ خواجہ حافظہ کے اصل شعر میں اس قدر لطیف نہ تھا جیسا کہ اس

موقع پر مرزا صاحب کے اس تعریف سے اسمیں طعنت پیدا ہو گیا۔

مرزا صاحب کے اُن شاگردوں کا حال جبکہ نام کے بہت سے خطوط اردو سے معلیٰ اور

عود ہندی میں مرزا کے لکھے ہوئے موجود ہیں یہاں لکھنے کی مزورت نہیں؛ اس لئے ہم مرزا

اور صاحبوں کا مختصر ذکر اس مقام پر لکھتے ہیں ایک نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم اور دوسرے

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہ غالباً ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کے نام کا کوئی خط مرزا کے اردو

مکتوبات میں نہیں ہے مگر اُن کی خصوصیت مرزا صاحب کے ساتھ خاص عام کو معلوم ہو

نواب ضیاء الدین احمد خاں جو فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔

اسے نظر کمال شاعری و اتساہ پر وازی کے تاریخ، جغرافیہ، علم انساب، علم اسرارے رجال تہذیب تھا

۴۰ مئی نواب نے شریعہ مجتہب تھے اور مرزا پہنچتے اس لئے انکی نسبت چاہی گئی اور اپنی نسبت باہر چلا خفا کیا۔

اور جنرل انٹورمیشن (عام واقفیت) میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے فنونِ کرم میں کوئی مستقل تصنیف اپنے نام سے نہیں چھوڑی؛ لیکن اکثر مصنفین اُن سے مدد لیتے تھے اور جو شکل پیش آتی تھی انہیں اُن سے مشورہ کرتے تھے؛ خصوصاً الیٹ صاحب نے جو ہندوستان کی تاریخ کئی جلدوں میں لکھی ہے اُسکی تصنیف و ترتیب میں نواب ممدوح نے بے انتہاء مدد پہنچائی تھی جبکہ مصنف نے اپنی کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے۔

چونکہ نواب ممدوح اہلِ کمال کے عاشق تھے اور خاص کر مرزا صاحب سے اُنکی حقیقی چاچا زاد بہنِ فہرست تھیں اس لئے مرزا کے ساتھ اُنکو خاص تعلق تھا۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کو شکر کرتے تھے؛ مگر زیادہ تر فارسی نظم و نثر لکھتے تھے اور مرزا کے قدمِ مقدم چلتے تھے۔ مرزا نے جو ایک قصیدہ نہایت لطیف و لطیف نواب ممدوح کی شان میں لکھا ہے اور جس میں انکا استاد ہونے پر فخر کیا ہے اُسکے کچھ اشعار مختلف مقامات سے انقاد کر کے یہاں لکھے جاتے ہیں

صد آقا ب تو اں ساختن بیاذیجہ	ز ذرۂ کہ بود در ضیاء سیر من
نایں سپردنہ این مہر عالمے و گرت	من آسمانم و او مہر نور گستر من
من آں سپہر کہ دایم چنانکہ مہرباہ	بہ مہر نور دہد نیست بہر متور من
من آں سپہر کہ ہر دم رسد علیہ فیض	بہ سجد اکبر گردوں ز سجد اصغر من
منم خزینہ راز و درخسہ زینہ راز	ضیاء دین محمد کہیں برادر من
برین و دانش و دولت یگانہ اتفاق	بہ مہر کمتر و از روئے رتبہ مہتر من
بہ مہر ول بہر باد و دم نہ یعقوبم	کہ پور خویش بود و لسان دلبر من

سخن سراے نو آئیں نواے رانا زم  
 بنکتہ شیوہ شاگردین بن مہکت  
 اگرچہ دست اسطود میں فاطم  
 زمین کو سے مرا آسماں کند ہر صبح  
 اگر شوم بہ نیش آتشے شرار و قتال  
 بہر گر قدم رہ۔ بود سفینہ بین  
 بہ صبر و دست دہم دل۔ نشا و غلامین  
 گرم ز غنچہ برگشتہ کار۔ سونہ من  
 زہے زردے تو پیدا فریغ و فتنش دوا  
 ز تو کہ آئندہ فیض صحبت آدنی  
 مرا ستودی و گفتی کہ من ازان توام  
 سعادت و شرف چون منے بغیر کمال  
 بنالہ محفص من بہ شور ہمسر من  
 صنم بصورت خودے تراشا آذرین  
 بود بیایہ اسطوے من سکندرین  
 طلوع تیر روشیں ز طرب منظرین  
 شود بقاعدہ ہمد می سمندرین  
 بہ تخت گرد و دم رای۔ گرد و انہرین  
 بہ کین خصم نعم خلوایے لشکرین  
 درم ز کار فردماندہ دست۔ یادین  
 بدیں فریغ۔ جہا تاب گشتہ انہرین  
 ہو اے دیدن غالب قنادہ در سیرین  
 خداے آن تریادا اتل و اکبرین  
 زہیں بود کہ بود چوں تو نشناگرین!

نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفۃ قلعہ کرتے تھے اگرچہ  
 مرزا کے ملازم میں شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ جب تک مومن خاں مرحوم زندہ رہے انہیں سے  
 مشورہ ہن کرتے رہے لیکن خاں مرحوم کی وفات کے بعد رنجتہ اور فارسی دونوں زبانوں میں  
 وہ برابر مرزا کو اپنا کلام دکھاتے تھے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہ تو مرزا کے بعد ان کے معاصرین کو

اسلحہ معہ تھا کہ لڑائی کے لیے ہی میں کہی تھی یہ تھا خاص کی طرف ان دونوں میں اشتد ہے ۱۲

اسی کی فارسی غزل انکی غزل سے نکاح نہیں کھانی مگر اور شعر کا بیجا معنی ذاق انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا و یہاں بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے لوگ انکے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے۔ نیکے سکوت سے شاعر کا شعر خود اسکی نظر سے گر جاتا تھا اور ان کی تحسین سے اسکی قدر بڑھ جاتی تھی۔ یہی وہ شخص تھے جنکی نسبت مرزا غالب فرماتے ہیں

غالب بہ فن گفتگو نازدہیں از پیش کہ او نونوت در دیوان غزل ماصطفیٰ خاں خوش گزیدہ  
نواب ممدوح کی شان میں بھی مرزا کا ایک فارسی قصیدہ انکے دیوان میں موجود ہے جس میں  
اول فقرہ تشبیب لکھی ہے فخر یہ اشعار لکھتے لکھتے کہتے ہیں

دست رد بر تاج قیصر سے نم	پشت پا بر تخت خاقاں سے زخم
غردہ سے گیرند بر من قدیاں	گر نفس در مع سلاطین سے زخم
اے ہمارے تیز پروازم کہ بال	در ہوا سے مصطفیٰ خاں سے زخم
عرفی و خاقانی شمسداں پزیر	بسکہ در شیراز و خرواں سے زخم
او خرام مست و من جاؤش وار	با گنگ بر اجرام واکاں سے زخم
گلشن کویش گزرگا و من ست	دوش در فتن بر خواں سے زخم
خوبی خویش بد آموز من ست	دم زیاری سے زخم ہاں سے زخم
مہر روزی ہیں کہ با ششم ہم نشین	من کہ ز انومیش دریاں سے زخم
بشنو دے آنکہ باداں را بوز	نالہ گر در گنج زنداں سے زخم
بگرو دے آنکہ ملک اں را کشد	نقش گر ہ صفہ جہاں سے زخم

## دوسرا حصہ

### مرزا کے کلام پر ریویو اور اسکا انتخاب

مرزا کے کلام پر ریویو کرنا، اور اسکی حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنی۔ ایک ایسے زمانے میں جبکہ فارسی زبان ہندوستان میں بہتر لڑوہ زبان کے ہو گئی ہے اور ذوق شعر روز بروز کا فور ہوتا جانا ہے۔ ایک نہایت مشکل کام ہے مرزا کے کلام میں جو چیز سب سے زیادہ گراں قدر ہے وہ انکی فارسی نظم و نثر ہے۔ لیکن اول تو فارسی زبان سے ملک میں عام اجنبیت پائی جاتی ہے؛ دوسرے مرزا کے کلام میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جن سے لوگوں کے مذاق بالکل نا آشنا ہیں۔ پس جو شخص اس زمانے میں ان کے کلام پر ریویو کرنا، اور اس کے ذریعے سے مصنف کی حقیقت اور اسکا رتبہ پبلک پر ظاہر کرنا چاہتا ہے وہ حقیقت ایک ایسے کام کے درپے ہے جس میں کامیابی کی بہت ہی کم امید ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کچھ سید ہے تو اسی صورت میں ہے کہ کچھ کیا جاسے؛ نہ یہ کہ کام کی مشکلات پر نظر کر کے اس سے ہاتھ اٹھایا جاسے۔

دفع عنہم میت جز بعنہم خردون چارہ کار نیست جست کردن

مرزا کی شاعری ان کتابی یعنی بلکہ انکی حالت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملکہ ان کی غفلت میں روایت کیا گیا تھا۔ انہوں نے بیسا کہ اپنے فارسی دیوان کے خانقہ میں تصحیح کی ہے۔ گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں انہوں نے فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کئے تھے؛ جنکی روایت میں کہ چہ بجائے مینی چہ کے استعمال کیا تھا۔ جب انہوں نے وہ اشعار اپنے استاد شیخ معظم کو سنائے تو انہوں نے کہا کہ یہ کیا مصل روایت اختیار کی ہے؟ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ ایک روز ملا خطوری کے کلام میں ایک شعر انکی نظر پڑ گیا جسکے آخر میں لفظ کہ چہ مینی چہ کے معنی میں آیا تھا۔ وہ کتاب لے کر دوڑے ہوئے استاد پاس گئے اور وہ شعر دکھایا شیخ معظم اسکو دیکھ کر حیران ہو گئے؛ اور مرزا سے کہا کہ فارسی زبان سے خدا داد نسبت ہے؛ تم ضرور فکر شعر کیا کرو؛ اور کسی کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کرو۔

مرزا کو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے باپ نے پانچ برس کی اور چچا نے نو برس کی عمر میں معذور تھا۔ چچا کے بعد کوئی مرتبی دسر پرست بنکے سر پر نہ رہا تھا۔ مرزا کی تخیال جہاں انہوں نے

سلسلہ شنی باری مال شتاق کا بیان ہے کہ لاکھنوالال ایک صاحب لکرو کے ہندو اور ہندو صاحب ہوتے ایک بار دلی میں آئے اور صاحب مرزا صاحب سے ملے تو ان سے کلام میں انکو راہ دلا کہ ہشتوی پ نے پتنگ بانی کے گناہ میں گھسی مٹی وہ بھی آجکو راہ ہے؟ انکو نے انکو کیا لار صاحب نے کہا وہ اردو ہشتوی میرے پاس موجود ہے چاہو انہوں نے وہ ہشتوی مرزا کو لاکر دی اور وہ اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے انکے آخر میں یہ فارسی شعر کسی استاد کا پتنگ کی زبان سے لاحق کر دیا تھا۔ ہشتوی لکرو نے انکو ہشتوی دے دے کہندہ ہوا کہ خاطر خواہ است۔ لار صاحب کا بیان تھا کہ مرزا صاحب کی ہر جگہ ہشتوی لکھی تھی انھہ ذہن کی تھی۔



پرورش پانی تھی بہت آسودہ حال تھی اور خیال کی ثروت سے ظاہر مرزا اور ننگے بھائی سے  
 بڑھکر کوئی فائدہ اٹھانے والا نہ تھا۔ آغا زیناب میں جبکہ سر پر کوئی مرنی نہ۔ دولت و آسودگی سے  
 زیادہ کوئی چیز فائدہ برآں نہ بنیں ہو سکتی۔ مرزا کی نوجوانی کے ساتھ اس آسودگی نے وہ کام کیا جو کم  
 آگ بارود کے ساتھ کرتی ہے۔ جس آزادی و مطلق العنانی میں مرزا کی جوانی گزری ہے اُسی کیفیت  
 کا خود انہیں کے الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ ایک بگڑا ہوا جوانی کی حالت اس طرح ظاہر  
 کرتے ہیں۔ ”بافرو فرنگ بگنا، و بانام ونگ دشمن، با فردایاں منہشیں، و باادباش ہرنگ،  
 پاسے بیراہ پوسے، و زباں بے مرز گوے، و تیکست خویش گردوں را دستیار، و درآزار خویش دشمن  
 را آموزگار“ ایسے بعد کہتے ہیں۔ ”تیزی رفتار میں اسجد و تہجد گردانگیت، و خفاہ و میکہ و میکہ گرد  
 زد۔“ العسر میں مرزا کا لکین اور انکی جوانی اسی حالت میں سیر ہوئی تھی کہ ایک ایسے فن میں  
 جسکا کوئی قدر واد نہ تھا اور نہ کوئی خریدار دکھائی دیتا تھا، اعلیٰ درجے کا کمال ہم پہنچنا  
 تو درکنار، اُس کا خیال بھی دل میں گزرنے کا قریب ناممکن کے تھا۔ پس یہ صرف انکی طبعی سیاق  
 اور فطری قابلیت کا انقضا تھا کہ اُس فضا کے ہستی کے عالم میں بھی شعر کا کشاکش برابر لگا رہا اور شعری  
 کی نیل کا خیال ایسی بے غبری کے زمانے میں بھی فراموش نہیں ہوا۔

مرزا نے گل رعنا کے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے اول اردو زبان میں شعر کہنا شروع کیا تھا  
 اس لئے ہم بھی پہلے انکے اردو دیوان کا ذکر کرتے ہیں۔ جس روش پر مرزا نے ابتدا میں اردو شعر

سہ مرزا نے اپنے نکلوتہ کے ایک دوست مولوی سرحد احمد کی فرمائش سے اپنے تمام اردو اور فارسی دیوان کا انتخاب کیا تھا جس کا  
 دیباچہ انکے کلمات شرفا میں موجود ہے اسکا نام گل رعنا رکھا تھا۔

کہنا شروع کیا تھا۔ قطع نظر اسکے کہ اُس زمانے کا کلام خود ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس روش کا اندازہ اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ خود مرزا کی زبانی سنا گیا ہے کہ میر تقی نے جو مرزا کے ہم وطن تھے اُنکے لڑکپن کے اشعار سُکر یہ کہا تھا کہ مگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اسنے اسکو سید سے رستے پر ڈال دیا تو جواب شاعر بجا بیٹھا : ”ورنہ مہل کہنے لگے گا“

مرزا کے ابتدائی اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تو طبیعت کی مناسبت سے اور زیادہ تہمتا عبد الصمد کی تعلیم کے سبب۔ فارسی کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کے بول چال اور انکی توجہ تخیل پر چڑھ گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر ذکی الطبع لڑکے ابتدا میں سید سے سادے اشعار کی نسبت شکل اور پیچیدہ اشعار کو جو بغیر غور و فکر کے آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے زیادہ شوق سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ مرزا نے لڑکپن میں سید کا کلام زیادہ دیکھا تھا چنانچہ جو روش مرزا سید نے فارسی زبان میں اختراع کی تھی اُسی روش پر مرزا نے اردو میں چلنا اختیار کیا تھا جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں

”طرزِ بیدل میں رغبت لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے“

یہاں بطور نمونہ کے مرزا کے ابتدائی کلام میں سے چند اشعار لکھے جاتے ہیں۔

(۱) کسے گز فکر تعمیرِ خرابیاں بے نل گردوں      نہ بکے خشتِ مثلِ استخوانِ بیرونِ قابلیا

جس مرزا کی ولادت ۱۲۸۸ھ میں ہوئی ہے اور میر کی وفات ۱۲۸۸ھ میں واقع ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ مرزا کی عمر میر کی وفات کے وقت تیرہ چودہ برس کی تھی۔ مرزا کے اشعار اُنکے بچپن کے دوست نواب محکم الدین حیدر خاں مرحوم والدہ افراسین ہندوستان نے میر تقی کو دکھائے تھے۔

پھر مرزا نے اپنے بیرونِ قریب سے تو کمال ڈھلا گرد و لوان فارسی میں بتغیر الفاظ داخل کر دیا یعنی اس طرح ”کند گز فکر تعمیرِ خرابیاں مگر دودل دینا یہ خشتِ مثلِ استخوانِ بیرونِ ذقالب“

- (۲) اسد ہر انک سے ایک علقہ بزر بخیر افزودن  
 بہ بند گریہ ہے نقش بر آب اسید رستن ما  
 (۳) بمسہر مجاہد باز کشتہ جاں بخشی خراباں  
 خضر کو چترہ آب بقا سے ترجیحیں پایا  
 (۴) رکھا غفلت نے دوزخا دوزخ نادار  
 اشارت فہم کو ہر ناخن بریدہ ابرو تھا  
 (۵) پریشانی سے مغز سر ہوا ہے پیشہ بالاش  
 خیال شرفی خراباں کو راحت آفریں پایا  
 (۶) موسم گل میں بے گلگوں ملال یکشاں  
 عقد وصل رخت زرد انگور کا ہر دانہ تھا  
 (۷) ساتھ جنبش کے یک بناتین ہر گیا  
 گویا صمد اغیار دامن دیوانہ تھا

چونکہ مذکورہ بالا شعروں میں قطع نظر اسکے کہ طرز بیان اردو بول چال کے غلط ہے۔ خیالات میں بھی کوئی لطافت نہیں معلوم ہوتی؛ اس لئے ان کے معنی بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف جو نئے شعر کی جو کسی قدر آسان ہے یہاں بطور نمونے کے شرح کی جاتی ہے؛ تاکہ معلوم ہو کہ مرزا نے مشق سخن کس قسم کے خیالات سے شروع کی تھی اور کس قدر کاوش سے وہ یہ نئی قسم کے مضمون پیدا کرتے تھے۔

کتاب ہے کہ نایاب جولڈت اور ذوق تھا ہماری غفلت نے اُس سے ہمیشہ دور دور رکھا۔ اگر یہ غفلت نہ ہوتی تو اشارت فہم کے لئے ہر ایک ناخن۔ جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ابرو کا کام دیتا تھا۔ ابرو کا کام ہے اشارہ دینا کرنا؛ اور ناخن بریدہ جو ابرو کی شکل ہوتا ہے وہ بھی فنا کی لڑائی کی طرف اشارہ کرتا تھا؛ کیونکہ ناخن کے کٹنے سے جو ایک قسم کی فنا ہے لڑت اور رحمت حاصل ہوتی ہے یہ اوپر کی سات جہتیں تھیں مرزا کے ان نظری اشار اور نظری غزلوں میں سے نقل کی ہیں جو انہوں نے اپنے دیوان ریختہ کو انتخاب کرتے وقت انہیں سے نکال ڈالی تھیں۔ مگر اب بھی

اُن کے دیوان میں ایک نثر کے قریب بہت سے اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جن پر رد و جواب کا اطلاق مشکل ہے ہو سکتا ہے۔ جیسے ذیل کے اشعار جواب دیوان میں موجود ہیں۔

شمارِ سحرِ مرغوب بہت مشکل پسند آیا	تماشا ہے بیک کف بردنِ صدرِ دل پسند آیا
ہوا ہے سیرِ گلِ ایندھ بے مہرِ قاتل	کہ اندازِ بچوں غلیدین بسمل پسند آیا
لے گئے خاک میں ہم دروغِ تنائے نشا	تو ہو اور آپ بصد رنگِ گلستاں ہوا
شبِ غمِ چشمِ ساقیِ رستخیزِ نازہ تھا	تا محیطِ بادہ صورِ تاختِ خیمہ زہ تھا
یک قدمِ وحشت سے دہریںِ قہرِ کلاں گھلا	جادو اجڑائے دو عالمِ دشت کا شیرازہ تھا

ان اشعار کو مہمل کہو یا بے معنی مگر اس میں شک نہیں کہ مرزا نے وہ نہایت جاننا ہی اور جگر کاوی سے سرا انجام کئے ہونگے۔ جب کہ اپنے معمولی اشعار کاٹتے ہوئے لوگوں کا دل دکھتا ہے تو مرزا کا دل اپنے اشعار نظری کرتے ہوئے کیوں نہ دکھا ہوگا؟ ظاہر اسی سبب تھا کہ انتخاب کے وقت بہت سے اشعار جو فی الواقع نظری کرنے کے قابل تھے۔ اُنکے کاٹنے پر مرزا کا قلم نہ اُٹھ سکا۔ ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد یہ اشعار اُنکی نظریں کھٹکے ہوں؛ مگر چونکہ دیوان چھپ کر شائع ہو چکا تھا اس لئے انھوں نے ان اشعار کا کٹنا فغول سمجھا۔

مرزا کے حق میں جو پیشین گوئی میر تقی نے کی تھی اُسکی دو نوشتیں اُنکے حق میں پوری ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ مرزا اول اول ایسے رستے پر پڑے تھے کہ اگر استقامتِ طبع، اور سلامتِ ذہن، اور بعض صحیح المذاق دوستوں کی روک ٹوک، اور نکتہ چینی ہم معصروں کی خرد گیری اور طعن و تعریف، سب راہ نہ ہوتی تو وہ شدہ شدہ منزلِ مقصود سے بہت دُور جا پڑتے۔ سنا گیا ہے کہ اہلِ دہلی خدو

میں۔ جہاں مرزا بھی ہوتے تھے۔ تعریفاً بیسی غزلیں لکھ کر لاتے تھے جو الفاظ اور ترکیبوں کے لحاظ سے تربیت پر شوکت و شانہء معلوم ہوتی تھیں؛ مگر معنی نادر و؛ گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ مولوی عجمد اتھا در رام پوری نے جو نہایت ظریف الطبع تھے۔ اور جنکو چند روز قلعہ دہلی سے تعلق رہا تھا۔ مرزا سے کسی موقع پر یہ کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر سمجھ میں نہیں آتا؛ اور اسی وقت دو مصرعے خود مولویوں کے مرزا کے سامنے پڑے

پہلے تو دہن گل بھینس کے اندیسے نکال  
پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے اندیسے نکال  
مرزا شکر سخت حیران ہوئے؛ اور کہا عاشایہ میرا شعر نہیں۔ مولوی عجمد اتھا در نے ازراہ مرزا کے کہا میں نے خود آپ کے دیوان میں دیکھا ہے؛ اور دیواں ہوتا میں اب دکھا سکتا ہوں۔ آخر مرزا کو معلوم ہوا کہ مجھے اس پر اسے میں اعتراض کرتے ہیں؛ اور گویا یہ جانتے ہیں کہ تمہارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں۔

مرزا نے اس قسم کی نکتہ چینیوں پر اردو اور فارسی دیواں میں جا بجا اشارہ کیا ہے۔ اردو میں ایک جگہ کہتے ہیں

۱۔ "نستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا  
گر نہیں ہیں ہرے آئیں معنی نہ سہی  
ایک اور اردو غزل کا مطلع ہے

"گر خاموشی سے فائدہ اخلاقی حال ہے  
خوش ہوں کہ میری بات سمجھتی مجال ہے  
یعنی اگر خاموشی سے یہ فائدہ ہے کہ حال دل ظاہر نہیں ہوتا تو میں خوش ہوں کہ میرا بولنا بھی

خاموشی ہی کا فائدہ دیتا ہے؛ کیونکہ میرا کلام کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

چونکہ مرزا کی طبیعت نقطۂ نہایت سلیم واقع ہوئی تھی اس لئے مکتبہ چینیوں کی تعریضوں سے انکو بہت متنبہ ہوتا تھا؛ اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت راہ پر آتی جاتی تھی۔ اسکے سوا جب سودی فضل حق سے مرزا کی راہ و رسم بہت بڑھ گئی اور مرزا انکو اپنا خالص و مخلص دوست اور غیر خواہ سمجھنے لگے تو انھوں نے اس قسم کے اشعار پر بہت روک ٹوک کرنی شروع کی؛ بیان تک کہ انھیں کی تحریک سے انھوں نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا ڈولٹ کے قریب نکال ڈالا؛ اور اسکے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔

مرزانے رعیت میں جو روش ابتدا میں اختیار کی تھی ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مقبول عالم عام نہیں ہو سکتی تھی۔ لوگ عموماً میر، سودا، میر حسن، حرّات اور انشا وغیرہ کا سیدھا سادہ اور صاف کلام سننے کے عادی تھے۔ جو محاورے روزمرہ کی بول چال اور بات چیت میں برتنے جاتے تھے انھیں کو جب اہل زبان و وزن کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھتے تھے تو انکو زیادہ لذت آتی تھی اور زیادہ لطف حاصل ہوتا تھا۔ شعر کی بڑی خوبی یہی سمجھی جاتی تھی کہ ادھر قافی کے آئینہ سے نکلا اور ادھر سماع کے دل میں اتر گیا؛ مگر مرزا کے ابتدائی تجربے میں یہ بات بالکل نہ تھی۔ جیسے خیالات اجنبی تھے ویسی ہی زبان غیر مانوس تھی۔ فارسی زبان کے مصادر، فارسی کے حروف ربط اور توابع فعل۔ جو کہ فارسی کی خصوصیات میں سے ہیں۔ انکو مرزا اردو میں عموماً استعمال کرتے تھے۔ اکثر اشعار ایسے ہوتے تھے کہ اگر ان میں ایک لفظ بدل دیا جائے تو سارا شعر فارسی زبان کا ہو جائے۔ بعض اسلوب بیان خاص مرزا کے مختصرات میں بھی تھے

جو ان سے پہلے اردو میں دیکھے گئے نہ فارسی میں۔ مثلاً انکے موجودہ اردو دیوان میں ایک شعر  
 "قری کف خاکسرد بیل نفس زنگ" اسے نادر نشان جگر سوختہ کیا ہے

میں نے خود اس کے معنی مرزا سے پوچھے تھے فرمایا کہ اسے کی جگہ جز پڑھو؛ معنی خود سمجھ  
 میں آجائیں گے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ قری۔ جو ایک کف خاکسرد سے زیادہ۔ اور بیل۔ جو ایک  
 نفس منقری سے زیادہ نہیں۔ انکے جگر سوختہ یعنی عاشق ہونے کا ثبوت صرف انکے چپکنے اور بونے  
 سے ہوتا ہے۔ یہاں میں معنی میں مرزا نے اسے کا لفظ استعمال کیا ہے ظاہر ہے انھیں کا انشراح  
 ہے ایک شخص نے یہ معنی سنکر کہا کہ "اگر وہ اسے کی جگہ جز کا لفظ رکھ دیتے یا دوسرا مصرعہ اس طرح  
 لیتے " اس نادر نشان تیرے سے عاشق کا کیا ہے " تو مطلب صاف ہو جاتا " اس شخص کا یہ کہنا  
 بالکل صحیح ہے مگر مرزا چونکہ معمولی اسلوبوں سے تائبہ قدر پہنچتے تھے اور شاعر عام پڑھنا نہیں  
 جانتے تھے اس لئے وہ بہ نسبت اسکے کہ شعر عام فہم ہو جائے اس بات کو زیادہ پسند کرتے  
 تھے کہ طرز خیال اور طرز بیان میں جہت اور نزاد اپن پایا جائے۔

مرزا کے ابتدائی کلام کو مکمل بے معنی کہو یا اسکو اردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو مگر  
 ہمیں شک نہیں کہ اس سے انکی ارنیٹیوٹی اور غیر معمولی اچھ کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے اور  
 یہی انکی ٹیڑھی ترجیحی چالیں انکی بند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و استعداد پر شہادت دیتی  
 ہیں۔ معمولی قابلیت : استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پک ڈنڈی پر اگلی ٹیڑھی  
 کا کلمہ چلا جاتا ہے اسی پر انھیں بند کر کے گلے کے پیچھے پیچھے چلیں؛ اور لیک کے ادھر ادھر  
 انکے اٹھا کر نڈکیں جو ہنر یا پیشہ اختیار کریں انھیں انگوں کی چال و حال سے سر ہوتا ہوا

نہ کریں، اور انکے نقش قدم پر قدم رکھتے چلے جائیں۔ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے  
ایسا نہیں کرتے بلکہ دوسرے رستے پر چلنا انکی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔

برخلاف اسکے جنگی طبیعت میں ارجنٹینی اور غیر معمولی پُنج کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے میں ایک  
ایسی چیز پاتے ہیں جو انگوں کی پیروی پر انگو مجبور نہیں ہونے دیتی۔ انکو قدم کی شاہ راہ کے سوا  
بہت سی راہیں ہر طرف کھلی نظر آتی ہیں۔ وہ جس عام روش پر اپنے ہم جنوں کو چلتا دیکھتے ہیں  
اُس پر چلنے سے انکی طبیعت ابا کرتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو طریق غیر مسلوک وہ اختیار کریں، ورنہ متصور  
تک پہنچانے والا نہ ہو، مگر یہ ممکن نہیں کہ جب تک وہ دائیں بائیں چل پھر کر طبیعت کی جولانیاں  
نہ دیکھ لیں اور تھک کر جو رہنما ہیں عام رہگیروں کی طرح انکی بند کر کے شارع عام پر پڑ جائیں۔  
مرزا کی طبیعت اسی قسم کی واقع ہوئی تھی وہ عام روش پر چلنے سے ہمیشہ ناک چڑھاتے تھے۔  
وہ جست شرک کے سبب خود شاعری سے نفرت ظاہر کرتے تھے۔ عایدہ خیالات اور محاورات  
سے جہاں تک ہو سکتا تھا اجتناب کرتے تھے۔

ایک صاحب نے جو غالباً بنارس یا لکھنؤ سے دلی میں آئے تھے مرزا کے ایک شعری اُنکے  
سانے نہایت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کونسا شعر ہے؟ انھوں نے میرا مافی  
تخلص بہ اسد شاگرد مرزا رفیع کا یہ شعر پڑھا

”اسد اس جفا پر تو کس وفا کی مرے شیر شاہ اش حمت خدا کی“

چونکہ شعر میں اسد تخلص واقع ہوا تھا انھوں نے یہ سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ مرزا یہ سن کر بہت خیز ہوئے  
اور فرمایا اگر کسی اور اسد کا شعر ہے تو اُسکو رحمت خدا کی اور اگر مجھ کا شعر ہے تو مجھے رحمت خدا کی۔



مرزا کو اس شعر کا اپنی طرف منسوب ہونا غالباً اسلئے ناکارگزار ہو گا کہ مرے شیر اور رحمت  
خدا کی یہ دونو محاورے زیادہ تر عایموں اور سربقوں کی زبان پر جاری ہیں؛ اور اس حد کی  
رعایت سے مرے شیر کہنا یہ بھی انکی طبیعت کے خلاف تھا؛ کیونکہ وہ ایسی مبتذل باتوں کو  
جو ہر شخص کو باسانی سوجھ جائیں مبتذل جانتے تھے۔

اس قسم کی اور بہت سی حکایتیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف شاعری  
میں بلکہ وضع میں، لباس میں، طعام میں، طریق ماند و بود میں، میاں تک کہ مرنے اور  
جینے میں بھی عام طریقے پر چلنا پسند کرتے تھے۔ میاں ایک طیفہ قابل لکھنے کے ہے۔

مرنے سے آٹھ سات بیس پیلے آنھوں نے ایک مادۂ تاریخی یعنی وفات کا نکالا تھا۔  
میں میں ششہ نہ نکلتے تھے۔ اتفاق سے اسی سال شہر میں دبا آئی، مگر مرزا بیچ گئے۔ اس  
امر کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں ”ریاں ششہ کی بات غلط نہ تھی (یعنی اسی سسٹن  
مجھے مرنا چاہئے تھا) مگر میں نے دبا سے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا؛ واقعی اسمیں میری  
کسر نشان تھی۔ بعد رفع فساد ہوا کہ مجھ لیا جا دیگا“ اگرچہ میں ایک سسٹن کی بات لکھی ہے؛ مگر  
انکی طبیعت کا اقتضا اس سے صاف جھلکتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مخالف جسکو یہ خط لکھا ہے  
وہ انکی اس فہمت سے خوب واقف ہے۔

بر حال مرزا ایک مدت کے بعد اپنی میرا بہرہ وی سے خبردار ہوئے۔ اور استقامت طبع اور  
سلامتی ذہن نے انکو راہِ راست پر ڈالے بغیر نہ چھوڑا۔ گو ان کا ابتدائی کلام جسکو وہ حد سے  
زیادہ جگر کا دی اور دماغ سوزی سے سراغِ بام کرتے تھے مقبول نہ ہوا؛ مگر چونکہ قوتِ تخیل سے

بہت زیادہ کام لیا گیا تھا اور اس لئے اُنہیں ایک غیر معمولی بلند پروازی پیدا ہو گئی تھی۔  
جب قوتِ تمیز نے اُسکی باگ اپنے قبضے میں لی تو اُسے وہ جو ہر نکالے جو کسی کے وہم و گمان  
میں نہ تھے۔

یہاں یہ امر بتادینا ضرور ہے کہ مرزا نے ریختہ گوئی کو اپنا فن قرار نہیں دیا تھا؛ بلکہ محض  
تفصیلِ طبع کے طور پر کبھی اپنے دل کی اُچ سے، کبھی دوستوں کی فرمائش سے، اور کبھی بادشاہ  
یا ولیِ عہد کے حکم کی تعمیل کے لئے، ایک آدمِ غزل لکھ لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکے اُردو دیوان  
میں غزل کے سوا کوئی صنفِ بعدِ مستدبر نہیں پائی جاتی۔ وہ منشی غنی بخش مرحوم کو ایک خط میں  
لکھتے ہیں: ”بھائی صاحب تم غزل کی تعریف کرتے ہو؛ اور میں شرماتا ہوں۔ یہ غزلیں کاشک  
میں؛ پیٹ پالنے کی باتیں ہیں۔ میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر مجکو ناز ہے کوئی اُنکا  
لطف نہیں اُٹھا تا۔ اب قدرِ دانی اس بات پر منحصر ہے کہ گاہ گاہ حضرت ظلِ سبحانی فرمائیے  
کہ کبھی تم بہت دن سے کوئی سوغات نہیں لائے۔ یعنی بیار ریختہ۔ ناچار کبھی کبھی یہ اتفاق ہوتا ہے  
کہ کوئی غزل لکھ لیجاتا ہوں۔“

قطع نظر اسکے وہ اُس زمانے کے خیالات کے موافق اُردو شاعری کو داخلِ کالات نہیں  
سمجھتے تھے؛ بلکہ اُسی میں اپنی کسرِ شان جانتے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی قطعہ میں جبکی نسبت  
مشہور ہے کہ اُنہیں شیخِ ابراہیم ذوق کی طرف خطاب ہے۔ کہتے ہیں

”فارسی میں تا بہ بنی نقشبانی لک نہک  
”راست میگویم من از راست مترزا کشید  
”بگذر از مجموعہ اُردو کہ بے رنگ من است  
”ہر چہ در گفتار فخر تست آن رنگ من است“

مگر چونکہ مرزا کے سامرین اکثر مکتہ بنی اور مکتہ شناس تھے اس لئے وہ ریختہ کے سر انجام  
کونے میں بھی اپنی پوری توجہ اور بہت صرف کرتے تھے اور دونوں زبانوں میں اپنی فوقیت اور  
برتری قائم رکھنے کی برباد فکر کرتے تھے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شاعر اُسکے کلام کے رتبہ کا اندازہ اُسکے کلام کی قلت اور کثرت سے  
نہیں ہوتا؛ بلکہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اُسکے منتخب اور برگزیدہ اشعار کس درجے کے ہیں۔ میر  
کی قدر ہوگی اس لئے نہیں کرتے کہ اُسے متعدد ضخیم دیوان چھوڑے ہیں؛ بلکہ صرف اُسکے منتخب  
اشعار نے جو تعداد میں نہایت طویل ہیں۔ اُسکو تمام ریختہ گو شاعروں کا سرباج بنا دیا ہے۔

لطیف ملیاں آذر آتشگدہ میں نور صفا ہانی کی نسبت لکھا ہے کہ اُسکے دیوان کا مختصر سونا  
یہی اُسکے کلام کی خوبی اور حسن طبع کی کافی دلیل ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ تمام شعرا کا کلام بھی  
معیار سے نہیں جانچا جاتا؛ ورنہ فردوسی و نظامی و دوغستوی میں، اور انوری و خاقانی و دغ  
قصیدے میں، مسلم الثبوت نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ انوری کا قصیدہ اور فردوسی کی غنوی باعتبار  
سادگی اور صفائی و عام فہم ہونے کے خاقانی کے قصیدے اور نظامی کی غنوی سے کچھ سبب  
نہیں رکھتے؛ حالانکہ چاروں شخص فارسی شاعری کے رکن رکین مانے جاتے ہیں۔ پس ضرور  
ہے کہ جدا جدا کلام جدا جدا معیاروں سے جانچے جائیں۔ مرزا کے اردو کلام میں جیسا کہ اوپر  
مذکور ہوا غزل کے سوا کوئی صنف شمار کے قابل نہیں ہے۔ مرزا کی موجودہ غزلیات۔ مگر بقابلہ  
بعض شعرا کے تعداد میں کیسی ہی طویل ہوں۔ لیکن جس قدر منتخب اور برگزیدہ اشعار مرزا کی غزلیات  
میں موجود ہیں وہ تعداد میں کسی بڑے سے بڑے دیوان کے اتنا ہی اشعار سے کم نہیں ہیں۔ اور

جس قدر بلند اور عالی خیالات مرزا کے رنجیتہ میں نکلیں گے اُس قدر کسی رنجیتہ گو کے کلام میں نکلنے کی توقع نہیں ہے۔ البتہ حکومرزا کے عمدہ اشعار کے جانچنے کے لئے ایک جداگانہ سیار مقرر کرنا پڑیگا۔ جسکو امید ہے کہ اہل انصاف تسلیم کریں گے۔

میر و سودا اور اُن کے مقلدین نے اپنی غزل کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے۔ کہ جو عاشقانہ مضامین صدیوں اور قرون سے اولاً فارسی اور اُس کے بعد اردو غزل میں بندھتے چلے آئے ہیں وہی مضامین بہ تبدیل الفاظ اور بتغیر اسالیب بیان عامۃ اہل زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ میں ادا کئے جائیں۔ چنانچہ میر سے لیکر ذوق تک جتنے مشہور غزل گو مرزا کے سوا اہل زبان میں گذرے ہیں اُنکی غزل میں ایسے مضامین بہت ہی کم نکلیں گے جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں۔ اُنکی بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو مضمون پہلے متعدد طور پر بندھ چکا ہے وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب میں ادا کیا جائے کہ تمام اگلی بندشوں سے سبقت لی جائے۔ برغلاف اس کے مرزا نے اپنی غزل کی عمارت دوسری بنیاد پر قائم کی ہے۔ اُنکی غزل میں زیادہ تر ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں جنکو اور شعرا کی فکر نے بالکل مَس نہیں کیا۔ اور معمولی مضامین ایسے طریقے میں ادا کئے گئے ہیں جو سب سے زالا ہے؛ اور اُن میں ایسی نزاکتیں رکھی گئی ہیں جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اور لوگوں نے اول سے آخر تک قوم کی شاہراہ سے سیر و اعتراف نہیں کیا؛ اور جس چال سے کہ انگوں نے راہ طے کی تھی اُسی چال سے تمام رستہ طے کیا ہے۔ مرزا نے اول شاہراہ کا منجھوڑ کر دوسرے رخ چلنا اختیار کیا؛ اور جب راہ کی مشکلات نے

مجموعہ کیا تو ان کو بھی آفراسیٰ بخ چلنا پڑا۔ مگر جس ایک پر قافلہ جا رہا تھا اسکے سوا ایک اور  
 ایک اسی کے متوازی اپنے لئے نکالی اور جس چال پر اور لوگ چل رہے تھے اس چال کو چھوڑ کر  
 اور دوسری چال اختیار کی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب میر و سودا اور ان کے متعلقین کے  
 کام میں ایک ہی قسم کے خیالات اور منایاں دیکھتے دیکھتے جی اکتا جاتا ہے اور اسکے بعد  
 مرزا کے دیوان پر نظر ڈالتے ہیں تو انہیں ہلکے ایک دوسرے عالم دکھائی دیتا ہے؛ اور جس  
 طرح کہ ایک خشکی کا تیاغ سمندر کے سفر میں آیا ایک سینا کا بہنے والا پہاڑ پر جا کر ایک بالکل  
 نئی اور زالی کیفیت مشاہدہ کرتا ہے؛ اسی طرح مرزا کے دیوان میں ایک اور ہی سماں نظر آتا  
 ہے۔ یہاں اول ہم چند شعر مرزا کے دیوان سے ایسے نقل کرتے ہیں جن سے ان کے خیالات  
 کا اچھوتا پین ثابت ہوتا ہے

”بلکہ شکل ہے ہر اک کام کا آسان ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا“

بادی انظر میں یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے؛ مگر غور سے دیکھا جائے تو بالکل اچھا خیال  
 ہے دعوئے یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو  
 عین انسان ہے اسکا بھی انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے؛ بلکہ شاعرانہ  
 استدلال ہے جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔

”ہر س کو ہے نشاط کار کیا نہ ہو مرزا تو بیٹنے کا مزا کیا“

نشاط کے معنی اُتارنے کے ہیں۔ نشاط کار یعنی کام کرنے کی اُتار۔ یہ بھی جہاں تک کہ معلوم ہے  
 ایک نیا خیال ہے؛ اور نہ خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے؛ کیونکہ دنیا میں جو کچھ پھیل پھیل رہا ہے وہ

اظہار

ظہار

ظہار

مرن اس یقین کی بدولت ہے کہ بیاں رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایک عیب  
خصلت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے اُسی قدر زیادہ سرگرمی سے کام کو سرانجام  
کرتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ صلت ملتی ہے اُسی قدر کام میں تاخیر اور سہل انکاری زیادہ کرتا ہے۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ تھا تو خدا ہوتا ڈوبنا بھٹکنا ہونے نے نہ تو تائیں تو کیا ہوتا

بالکل نئی طرح سے فیتی کو ہستی پر ترجیح دی ہے؛ اور ایک عجیب موقع پر معدوم محض ہونے کی مثال  
ہے۔ پہلے مصرع کے معنی ظاہر ہیں۔ دوسرے مصرع سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میں نہ تھا تو  
کیا برائی ہوتی؛ مگر قائل کا مقصود یہ ہے کہ اگر میں نہ تھا تو دیکھنا چاہیے کہ میں کیا چیز ہوتا؛ مطلب  
یہ کہ خدا ہوتا؛ کیونکہ پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ تھا تو خدا ہوتا۔

توفیق با ندازہ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گویا نہ تھا  
بالکل نیا اور اچھا اور باریک خیال ہے۔ اور نہایت صفائی اور عمدگی سے اُسکو ادا کیا گیا ہے۔  
اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اُسکی فہم کا قصور ہے۔ دعوے یہ ہے کہ جس قدر ہمت مالی ہوتی ہے  
اُسی کے موافق اُسکی تائید غیب سے ہوتی ہے۔ اور ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جبکہ آنکھوں میں  
جکڑ لی ہے۔ اگر اُسکی ہمت جبکہ وہ دریا میں تھا۔ موتی بننے پر تعلق ہو جاتی تو اُسکو۔ جیسا کہ ظاہر ہے  
یہ درجہ یعنی آنکھوں میں جکڑنے کا حاصل نہ تھا۔

لاگ ہو تو اُس کو ہر قسم بھیجیں لگاؤ جب نہ کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
لاگ دشمنی اور لگاؤ محبت۔ یہ مضمون عجیب نہیں کہ کسی اور نے بھی بانہا ہو؛ مگر ہم نے آج تک  
نہیں دیکھا۔ اگر کسی نے بانہا بھی ہوگا تو اس خوبی اور لطافت سے ہرگز نہ بندھا ہوگا۔ مطلب

ہے کہ عشق کو نہا ہے ساتھ دشمنی ہے نہ دوستی، اگر دشمنی بھی ہوتی تو۔ اس لئے کہ اسمیں بھی ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے۔ ہم اسی کو دوستی سمجھتے۔ لیکن جب نہ دوستی ہو اور نہ دشمنی تو پھر کس بات کا دھوکا کھائیں۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور ندرت کے لاگ اور لگاوا سے دو لفظ ہم سوچائے ہیں جن کا ماخذ متحد اور معنی متضاد ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے جس نے خیال کی خوبی کو چار چند کر دیا ہے۔

گرفنی تھی ہم یہ برق تجلی نہ طور پر دیتے ہیں بادہ طون قوح خوار کھکر  
اس شعر میں اس آیت کے مضمون کی طون اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، مگر وہ اُسکے متحمل نہ ہوئے، اور ڈگنے، اور انسان نے اُسکو اٹھایا، شاعر کہتا ہے کہ برق تجلی کے گرنے کے ہم سخت تھے نہ طور پر، کیونکہ شراب خوار کا طون دیکھ کر اُسکے موافق اُسکو شراب دی جاتی ہے؛ پس کوہ طور۔ جو منجملہ جادات کے ہے۔ وہ کیونکر تجلی الہی کا متحمل ہو سکتا ہے۔ یہ خیال بھی مع اس تشبیل کے جو آسمیں بیان ہوئی ہے بالکل اچھوتا خیال معلوم ہوتا ہے۔

حریت مطلب شکل نہیں فسون نیاز دعا قبول ہو یا رب کہ عمر خضر دراز  
چونکہ خیال وسیع تھا، اور مضمون مطلع میں بندھنے کا متقاضی تھا، اس لئے پہلا مصرع اردو روزمرہ سے کسی قدر بعید ہو گیا ہے، مگر بالکل ایک نئی شوخی ہے۔ جو شاید کسی کو نہ سوجھ ہوگی کہ کتاب ہے کسی شکل مقصد کے حاصل ہونے میں تو عجز و نیاز کا منتر کچھ کام نہیں دیتا، لاجاً اب یہی دعا مانگیں گے کہ الہی خضر کی عمر دراز ہو یعنی ایسی چیز طلب کرینگے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو۔

فیض  
نہ انسانی

شوخی

نہی

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد مجھے مرے گنہ کا حساب بخیرِ مالک

اہیں بھی نئی طرح کی شوخی ہے۔ جو بالکل اچھوتی ہے۔ بظاہر درخواست کرتا ہے کہ اسے خدا مجھے میرے گناہوں کا حساب نہ مالک؛ اور درپردہ الزام دیتا ہے؛ گویا یہ کتاب ہے گناہوں کا حساب کیونکر دوس؟ وہ شماریں اس قدر زیادہ ہیں کہ جب انکو شمار کرتا ہوں تو وہ داغِ جو توتے دنیا میں دیے ہیں، اور جو شماریں اسی کثرت سے ہیں جس کثرت سے میرے گناہ ہیں، انکی گنتی یاد آتی ہے۔ گناہوں اور داغوں کے شمار میں برابر ہونے سے یہ مراد کھتی ہے کہ جب کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو بسبب عدم استطاعت کے اسکو خاطر خواہ نہ کر سکا؛ کوئی نہ کوئی حسرت فردوس باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پی تو وصل نصیب نہوا؛ اور وصل مستیر آیا تو شراب نہ ملی۔ پس جتنے گناہ کئے ہیں اتنے ہی داغِ دل پر کھائے ہیں۔

چکنا

نہی

مچھو دیا ر غیر میں مارا وطن سے دو رکھ لی مرے خدا نے میری نیکی کی شرم پر دیس میں مرنا۔ جو ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے۔ اسی پر خدا کا اس لئے شکر کرتا ہے کہ اگر وہاں بے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں؛ کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون تھا اور کس تہ سے کا آدمی تھا؛ لیکن وطن میں مرنا حماں ایک زمانہ واقف حال ہو، مگر خریدار و غنچہ آ ایک بھی نہوا، وہاں فردوس کی اس طرح بٹی خراب ہوئی سخت رسوائی اور ذلت کی بات تھی۔ پس خدا کا شکر ہے کہ تنے پر دیس میں مار کر میری نیکی کی شرم رکھ لی۔ اہیں گو بظاہر خدا کا شکر ہے مگر فی الحقیقت سراسر اہل وطن کی شکایت ہے۔ جسکو ایک غیب پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔

ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہیں غم نہ ہو ہنچ اب میں ہنوز جو جاگے ہنچ اب میں

نہی



سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے اسکو شہود کہتے ہیں۔ اور غیبِ افسانہ سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصیرت سے ورہا اور رہے۔ کہنا ہے کہ جسکو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیبِ افسانہ ہے۔ اور اسکو غلطی سے شہود سمجھنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں کھجور کھائے کہیں جاگتا ہوں۔ پس گمراہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے۔ یہ مثال بالکل نئی ہے؛ اور اس سے بہتر اس مضمون کے لئے مثال نہیں ہو سکتی۔

نظر لگے نہ کیسے اُسکے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم کو دیکھتے ہیں  
عشقِ حقیقی ہو یا مجازی اُسکے زخم کی گہرائی اس سے بہتر کسی اسلوب میں بیان نہیں ہو سکتی۔  
بج سے خور ہوا انسان قومٹ جانا ہونچ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں  
یہ خیال بالکل اچھوتا ہے؛ اور زرا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے؛ اور ایسی خوبی سے بیان ہوا ہے کہ اُس سے زیادہ تصویر میں نہیں آ سکتا۔ مشکلات کی کثرت کا اندازہ ضدِ حقیقی یعنی اُنکے آساں ہو جانے سے کرنا درحقیقت حسنِ مبالغہ کی معراج ہے۔ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی گئی۔

لہذا اگر نہیں آساں تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں  
ایک فیکٹ کے بیان میں ایسے متناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا عجیب اتفاق ہے۔  
اس مضمون کو چاہر حقیقت کی طرف لجاؤ، اور چاہر مجاز پر محمول کرو، دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا لہنا آساں نہ تھا۔ یعنی دشوار ہوتا۔ تو کچھ دقت نہ تھی؛ کیونکہ ہم مابوہی کہ

بیٹھ رہتے، اور شوق و آرزو کی غلش سے چھوٹ جاتے؛ مگر شکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آسان نہیں اسی طرح دشوار بھی نہیں؛ اور اس لئے شوق و آرزو کی غلش سے کسی طرح نجات نہیں ہوتی۔

وفاداری

وفاداری بشرط استواری اہل مایں ہے جسے تجانے میں تو کبے میں گاڑو ہمیں کہ  
یعنی جب برہنہ اپنی ساری عمر تجانے میں کاٹ دے، اور وہیں مرے، تو وہ اس بات کا  
سحق ہے کہ اُسکو کبے میں دفن کیا جائے؛ کیونکہ اُسے وفاداری کا حق پورا پورا ادا کر دیا، اور  
یہ ایمان کی اہل ہے۔

عبادت

طاعت میں تار ہے نہ مے و نگہیں کی لاگ و دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو  
یعنی جب تک بہشت قائم ہے لوگ عبادت اس امید پر کرتے ہیں کہ وہاں شہد اور شہر طہیر  
وغیرہ ملے گی؛ پس بہشت کو دوزخ میں جھونک دینا چاہئے تاکہ یہ لالچ باقی نہ رہے اور لوگ  
خالصاً نوجہ اللہ عبادت کریں۔

حسن

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ میری ہے  
کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات فائل کے منہ سے نکلے وہ سامع  
کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ اُسکو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی۔  
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا جام جم سے یہ مرا جام سفال تھا ہے  
جام جم پر جام سفال کو کس خوبی سے ترجیح دی ہے کہ اسکی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی اور بالکل نیا  
خیال ہے جو کہیں نظر سے نہیں گذرا۔

بیان

نور

رہا آباد عالم اہل عین کے ہونے سے بھر رہی ہے حجام و سہو بچانہ خالی ہے  
 یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گزرا ہو مگر تشیل نے اسکو بالکل ایک اچھوتا مضمون بنا دیا ہے  
 اور شعر کو نہایت بلند کر دیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر اہل بہت کا وجود ہو تو دنیا کو محض ناچیز جھکر اسکی  
 طرحت التفات نہ کرتے تو دنیا ویران ہو جاتی ہیں۔ یہ جانا چاہئے کہ عالم اسی سبب آباد نظر آتا ہے کہ  
 اہل بہت غفلت ہیں یعنی سطح معیانی میں علم و سہو کا شربت پھر استہناسات کی دلیل ہے کہ بچانے میں کوئی  
 بیخواس نہیں ہے اسی طرح عالم آباد و معمور ہونا دلالت کرتا ہے کہ ہمیں اہل بہت معدوم ہیں۔  
 منحصر مرنے پر جو جسکی امید نا امیدی اسکی دیکھا چاہئے  
 نا امیدی کی غایت اس سے بڑھ کر اور ایسی فنون سے شاید ہی کسی نے بیان کی ہو۔  
 ناکرہ گناہوں کی بھرہ حسرت کی ٹٹو یار بیاگران اردہ گناہوں کی سزا ہے  
 یعنی جو گناہ ہم نے کئے ہیں اگر انکی سزا ملنی ضرور ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت کے ہم نہیں کئے  
 اور انکی حسرت دل میں رہ گئی انکی داد بھی ملنی چاہئے۔

علامہ جدت معاین اور عقلی خیالات کے اور بھی چند خصوصیتیں مرزا صاحب کے  
 کلام میں ایسی ہیں جو اور ریختہ گوہوں کے کلام میں شاذ و نادر پائی جاتی ہیں۔ اولاً عام اور متداول تشبیہیں  
 جو عموماً ریختہ گوہوں کے کلام میں متداول ہیں مرزا جہاں تک ہو سکتا ہے ان تشبیہوں کو استعمال  
 نہیں کرتے بلکہ تقریباً ہمیشہ نئی نئی تشبیہیں ابداع کرتے ہیں۔ وہ خود ایسا نہیں کرتے بلکہ خیالات  
 کی جدت ان کو جدید تشبیہیں پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کے ابتدائی ریختہ میں  
 جو تشبیہیں دیکھی جاتی ہیں وہ اکثر غرابت سے خالی نہیں ہیں۔ مثلاً سانس کو موج سے،

یہ خودی کو دیا سے، گرداب کو شعلہ، جوالہ سے، مغز سر کو پیہ بالمش سے، دائہ انکسار کو عقد وصال سے، استخوان کو خشت اور بدن کو قالب خشت سے، اور اسی قسم کی اور بہت سی عجیب و غریب تشبیہیں انکے ابتدائی ریختہ میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جس قدر خیالات کی اصلاح ہوتی گئی اسی قدر تشبیہوں میں۔ باوجود قدرت اور طرفی کے۔ سمجھدگی اور لطافت بڑھتی گئی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

ہیں دال تادمہ اجزا آفرینش کے تمام مہر گردوں ہے چراغ رہگذر باد بیاں  
یہاں سورج کو اس لحاظ سے کہ وہ بھی اجزائے عالم میں سے ہے اور تمام اجزائے عالم آمادہ  
زوال و فنا ہیں۔ چراغ رہگذر باد سے تشبیہ دی ہے؛ جو بالکل نئی تشبیہ ہے۔  
دوسری جگہ سورج کو اس لحاظ سے کہ حسن معشوق کے مقابلے میں اسکو ناقص الخلقہ قرار  
دیا ہے۔ ماہ مخشب کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

چوڑا ہر مخشب کی طرح دستِ صفائے خورشید ہنوز اس کے برابر نہوا تھا  
ایک جگہ انسان کی زندگی کو اس لحاظ سے کہ جب تک موت نہیں آتی اسکو غم سے  
نجات نہیں ہوتی۔ شمع سے تشبیہ دی ہے؛ کہ جب تک صبح نہیں ہوتی وہ برابر جلتی رہتی  
ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔

غم ہستی کا آسہ کس سے ہو بزرگ علان شمع ہر رنگ میں ملتی ہے سحرِ تنے تک  
اس قسم کی مریع و نادر تشبیہات سے مرزا کے دونوں دیوان اردو اور فارسی بھرے ہوئے ہیں  
تسلط نظر تشبیہات کے مرزا ہر ایک بات میں جیسا کہ پہلے حصے میں بیان ہو چکا ہے ابتداء سے

بہت بچتے تھے مبتذل مضامین مبتذل تشبیہیں مبتذل محاورے مبتذل ترکیبیں جس قدر  
 اُنکے کلام میں کم لینگلی ظاہر کسی ریختہ گو شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتیں مثلاً صلی علی کا  
 لفظ جو بجائے سحان اللہ وغیرہ کے استعمال ہوتا ہے اُنکو وہ کہی جائز نہیں رکھتے تھے یہاں  
 تک کہ شاگردوں کی غزل میں بھی ہمیشہ اس لفظ کو کاٹ کر نام خدا یا کوئی اور لفظ بنا دیتے تھے  
 اسی طرح جو محاورے یا الفاظ صرف عوام الناس کی زبان پر جاری ہیں۔ اور خواص اُنکو  
 کہی نہیں بوتے تا بقصد وہ اُنکو استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ایسا التزام  
 کرنے سے زبان کا دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے اور لٹریچر کو بہت دینا جو شاعری کا اصل مقصد ہونا چاہئے وہ  
 فوت ہو جاتا ہے مگر میرے کلام میں جو خصوصیتیں ملکر معلوم ہوئی ہیں اُن کا بیان کرنا ضرور ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مرزا نے استعارہ دکنایہ پیش کو جو کہ لٹریچر کی جان اور  
 شاعری کا ایمان ہے، اور جبکی طرف ریختہ گو شعرا نے بہت کم توجہ کی ہے۔ ریختہ میں بھی نسبتاً  
 فارسی کلام سے کم استعمال نہیں کیا۔ اور شعر نے استعارے کو صرف محاورات اور دوسرے بلاشبہ  
 استعمال کیا ہے؛ لیکن استعارے کے تعدد سے نہیں بلکہ محاورہ بندی کے شوق میں استعارے  
 بلا قصد اُنکے قلم سے نپک چکے ہیں۔ یہاں چند مثالیں مرزا کے کلام سے نقل کجاتی ہیں۔

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے تھیں لب تشنہ ز تقریر بھی تھا  
 یہاں اس مطلب کو کہ معشوق نے اُن کی اُن اپنی صورت دکھا دی تو اس سے کیا تسلی ہوتی  
 ہے۔ اس طرح ادا کیا ہے ”بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا“

مرزا کہتے تھے کہ حق جابر میر جبر کے بولنا ایک عالم اور سرتیاز بول جال ہے۔

دم لیا تھا ز قیامت نے ہنوز پھر ترا وقت سنسرایا“  
دوست کو رخصت کرتے وقت جو درناک کیفیت گزری تھی اور جو اُسکے چلے جانے کے بعد  
رورہ کر یاد آتی ہے اُس میں جو کبھی کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہے اُسکو قیامت کے دم لینے سے تعبیر  
کیا ہے۔ ایسے بلیغ شعر اردو زبان میں کم دیکھے گئے ہیں جو حالت فی الواقع ایسے موقع پر  
گزرتی ہے ان دو مصرعوں میں اُسکی تصویر کھینچی ہے جس سے بستر کسی اسلوٹین میں  
یہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا۔

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کا نام رنگ دیکھیں کیا گزرے ہے طرے پر گھر توڑنگ  
جو مطلب اس شعر میں ادا کیا گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ انسان کو درجہ کمال تک پہنچنے  
میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پہناں تھا دام سخت قریب آشیان کے اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے  
جو مطلب اس طریقے سے ادا کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہلکے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی مصائب  
و شدائد نے گھیر لیا تھا۔

در ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا  
دوسرے مصرع میں یہ مضمون ادا کیا گیا ہے کہ جب مشکلات نے نہیں گھیرا تھا اُس وقت  
اُنکے وضع کرنے کی طاقت تھی۔

ان اشعار میں جیسا کہ ظاہر ہے اصل خیالات سیدھے سادے ہیں؛ مگر استعارے اور تشبیل  
نے اُن میں ندرت اور ظرفی پیدا کر دی ہے۔

نیمری خصوصیت کیا۔ بخت میں، اور کیا قاری میں، کیا نظم میں، اور کیا شری میں۔ باوجود  
 سنجیدگی و سنان کے۔ شوخی و طرافت ہے؛ جیسا کہ مرزا کے انتخابی اشعار سے ظاہر ہوگا۔  
 مرزا سے پہلے بخت گو شعرا میں دو شخص شوخی و طرافت میں بہت مشہور گذرے ہیں؛ ایک  
 سودا، دوسرے انشا؛ مگر دونوں کی تمام شوخی و خوش طبعی جو گوئی یا فحش و ہزل میں صرف  
 ہوئی؛ بخلاف مرزا غالب کے کہ انہوں نے جو یا فحش و ہزل سے کبھی زبان قلم کو آلود نہیں کیا۔  
 چوتھی خصوصیت مرزا کی طراوت میں ایک خاص چیز ہے جو اردو کے ہاں بہت کم  
 دیکھی گئی ہے؛ اور جبکہ مرزا اور دیگر بخت گو یوں کے کلام میں ماہ الامتیاز نکلا جاسکتا ہے۔ بکے  
 اکثر اشعار کا بیان ایسا پلودار واقع ہوا ہے کہ بادی النظر میں اُس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے  
 ہیں؛ مگر غور کرنے کے بعد آپس میں ایک دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہیں؛ جن سے  
 وہ لوگ جو ظاہری معنی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ لطف نہیں اٹھا سکتے۔ یہاں ایسے اشعار  
 کی چند مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھرا یاد آیا

اس شعر سے جو معنی فوراً متبادر ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جس دشت میں ہم ہیں وہ اس قدر  
 دیران ہے کہ اُسکو دیکھ کر گھرا یاد آتا ہے؛ یعنی خون معلوم ہوتا ہے۔ مگر ذرا غور کرنے کے بعد  
 اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھری کو جتنے تھے کہ ایسی دیرانی کیسں نہوگی؛ مگر دشت  
 بھی اِستقدر دیران ہے کہ اُسکو دیکھ کر گھر کی دیرانی یاد آتی ہے۔

کون ہوتا ہے حریف ہے مردِ نکلن عشق ہے کمر لب ساقی میں صلا میرے بعد

منہ می  
نظم

بہ قافی  
نظم

مثال

مثال

اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں ہے مرد افغن عشق کا ساقی۔ یعنی  
 معشوق۔ بار بار صلا دیتا ہے؛ یعنی لوگوں کو شراب عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے  
 بعد شراب عشق کا کوئی خریدار نہیں رہا؛ اس لئے اسکو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوئی ہے۔  
 مگر زیادہ غور کرنے کے بعد۔ جیسا کہ مرزا خود بیان کرتے تھے۔ ہمیں ایک نہایت لطیف معنی پیدا  
 ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرع یہی ساقی کی صلا کے الفاظ ہیں؛ اور اس مصرع کو  
 وہ مکر پڑھ رہا ہے۔ ایک دفعہ بلانے کے لہجہ میں پڑھتا ہے ”دکون ہوتا ہے حریف ہے مرد افغن  
 عشق“، یعنی کوئی ہے جو ہے مرد افغن عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا  
 تو اسی مصرع کو مایوسی کے لہجہ میں مکر پڑھتا ہے ”دکون ہوتا ہے حریف ہے مرد افغن عشق“  
 یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ ہمیں لہجہ اور طرزِ ادا کو بہت دخل ہے۔ کسی کو بلانے کا لہجہ اور ہے؛ اور  
 مایوسی سے چپکے چپکے کہنے کا اور آواز ہے۔ جب اس طرح مصرع مذکور کی تکرار کر دے فوراً  
 یہ معنی ذہن نشین ہو جائینگے۔

کیونکہ اُس بُت سے رکھوں جان غریزہ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عنبرِ ناز  
 اسکے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اُس سے جان غریزہ رکھوں گا تو وہ ایمان لے لیگا؛ ایسے  
 جان کو غریزہ نہیں رکھتا۔ اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جان فرمان کرنا تو میں  
 ایمان ہے؛ پھر اُس سے جان کیونکر غریزہ رکھی جاسکتی ہے۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں  
 اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معشوق کو باوجود ہماری خاطر ایسی غریزہ تھی کہ اگر بالفرض فرشتہ بھی ہماری



نسبت کوئی گستاخی کرنا تو اسکو گوارا نہ تھی : اور یا اب ہلکوا بالکل نظر سے گرا دیا گیا ہے۔ اور دوسرے  
 عمرہ معنی یہ ہیں کہ اس شعر میں آدم اور فرشتوں کے اُس تقبیے کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید  
 میں مذکور ہے : کہ جب خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا "کیا  
 تو دنیا میں اُس شخص یعنی اُس نوع کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو اسیں فساد اور خونریزی کرے ؟"  
 وہاں سے ارشاد ہوا کہ "تم نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں" اور پھر آدم سے "اگلوں کو دلائی"  
 اور حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ کتا ہے کہ ہم آج دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں کل تک تو  
 ہماری ایسی عزت تھی۔

نشانہ  
 ترے سرو قیامت سے اک قد آدم قیامت کے فتنے کو کم دست بختے ہیں  
 اک ایک معنی تو یہی ہیں کہ ترے سرو قیامت سے فتنہ قیامت کمتر ہے۔ اور دوسرے یہ معنی بھی  
 ہیں کہ تیرا قد اُسی میں سے بنایا گیا ہے، ایسے وہ ایک قد آدم کم ہو گیا ہے۔

نشانہ  
 سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکر چاہا ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہلکوا  
 اس شعر میں "ترے سر کی قسم ہے ہلکوا" اس جملے کے دو معنی ہیں : ایک یہ کہ ترے سر کی قسم  
 ہے ہم ضرور سر اُڑائینگے۔ اور دوسرے یہ کہ ہلکوترے سر کی قسم ہے۔ یعنی کبھی ہم تیرا سر اُڑائینگے  
 جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے ہاں کھانے کی قسم ہے۔ یعنی کبھی ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔  
 اُچھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو اُسیسند جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیونکر ہو

نشانہ  
 اسکا مطلب ایک تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں ایک دو اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو؟  
 اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تمکو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر

فی الواقع تم جیسے ایک دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کرو۔

کیا خوب اہم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے ہمارے بھی منہ میں زبان ہے۔ "اسی دوسری رکھے ہیں؛ ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر بولنے پر آئے تو ٹکڑا قائل کر دیں گے؛ اور دوسرے شوخ معنی یہ ہیں کہ ہم زبان سے چلکھ کر بتا سکتے ہیں کہ غیر نے بوسہ لیا ہے یا نہیں۔

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے دیکھو اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے "کون اٹھاتا ہے مجھے" اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں تو مجھے محفل سے اٹھا دیتے تھے اب مرنے کے بعد دیکھو مجھے وہاں سے کون اٹھاتا ہے؟ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ محفل سے تو اٹھا دیتے تھے دیکھو اب میرا جنازہ کون اٹھاتا ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے باد پیما

یہ شعر ہمارے تعریف میں ہے۔ اس میں باد پیما کے لفظ نے دو معنی پیدا کر دیے ہیں؛ باد پیما یعنی عیش کام کرنے کو کہتے ہیں؛ پس ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ فصلِ بار کی ہوا ایسی نشا گیز ہے کہ گویا اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب کہ یہ حال ہے تو بادہ نوشی معنی باد پیما یعنی فصول کام ہے۔ اس صورت میں بادہ نوشی مبتدا ہو گا؛ اور باد پیما خبرِ دوسرے معنی یہ ہیں کہ باد پیما کو مبتدا اور بادہ نوشی کو خبر قرار دیا جائے؛ اور جس طرح بادہ پیما کے معنی بادہ خورامی کے ہیں اسی طرح باد پیما کے معنی ہوا کھانے کے لئے جائیں۔ اس صورت میں یہ مطلب نکلے گا کہ آج کل ہوا کھانا بھی شراب پینا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیتوں کے علاوہ ایک در بات قابل ذکر ہے جو مرزا اور ان کے بعض شاگرد  
 و متبعین کی غزل میں عموماً پائی جاتی ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ریختہ کی بنیاد فارسی غزل پر رکھی گئی  
 ہے۔ جو جذبات اور خیالات اہل ایران نے غزل کے پیرائے میں ظاہر کئے ہیں ریختہ گو یوں  
 نے زیادہ تر بلکہ بالکل انہیں کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ پس جو انقلاب  
 ایک مدت کے بعد فارسی غزل میں پیدا ہوا۔ ضرور تھا کہ وہی انقلاب اردو غزل میں ایک  
 عرصے کے بعد پیدا ہو۔

نہ اسے اہل ایران میں کا دورہ مولانا جامی پر ختم ہوتا ہے انکی غزل میں جو جذبات و خیالات  
 بیان ہوئے ہیں وہ اپنی نچرل حالت سے متجاوز نہیں ہوئے، اور گویا سلیب بیان میں  
 قاصر رہے سبب رفتہ رفتہ بہت وسعت اور لطافت پیدا ہو گئی لیکن بیان کا طریقہ  
 نچرل سادگی کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ مگر چونکہ خیالات نہایت محدود تھے ایک مدت کے  
 بعد جتنے سہمے سادے عمدہ اور لطیف اسلوب تھے وہ سب نذر گئے اور متاخرین کے  
 لئے ایک عجیب سی ہوئی ہڈی کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اگر متاخرین غزل کو ہر قسم کے خیالات  
 ظاہر کرنے کا آلہ بناتے تو ان کے لئے میدان غیر منہا ہی موجود تھا مگر انہوں نے اس محدود  
 دائرے سے باہر نکلنا نہ چاہا، اب جو لوگ تقلید کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے انہوں  
 نے تو اسی عجیب سی ہوئی ہڈی پر قناعت کی، مگر جبکی قدرت میں ارجنیلٹی اور پچ کا مادہ تھا وہ  
 انہیں قدیم خیالات و جذبات میں اپنے اپنے مسلح فکر کے موافق نزاکتیں اور لطافتیں پیدا  
 کرنے لگے۔ چنانچہ نظیری، فہری، عینی، طالب، اسیر اور ان کے اقربان و انشا کی

غزل میں بقابلہ سدی، حافظ، خسرو وغیرم کی غزل کے ہم اسی قسم کا تفاوت پاتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

گناہ اگرچہ بنود اختیار باحفاظ      تو در طریق ادب باش کو گناہ منست  
ظہیری نے اسی مضمون کو حقیقت سے مجاز میں لاکر اس میں ایک نئی طرح کی نزاکت پیدا کی ہے۔  
وہ کہتا ہے۔

ماستقل زربخش بے جا نہ بینش      مے آرم اعتراف گناہ بنودہ را  
یا مثلاً دوسری جگہ خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

از عدالت بنود دور گرش پرسد حال      پادشاہے کہ بمسایہ گدائے دارد  
ظہوری کے ہاں یہ سیدہ سادہ خیال ابراہیم عادل شاہ کے حق میں۔ جو کہ اسکا مدوح بھی ہے اور محبوب بھی۔ ایک نئے انداز سے بندھا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

مروت کردہ شبہا بر تو سیر بام و دلائم      نے باشد چراغی۔ غائبے و تنگاہاں  
یعنی چونکہ بے مقدور لوگوں کے گھر میں چراغ نہیں ہوتا اس لئے مروت اور کرم نے تجھ پر لازم کر دیا ہے کہ راتوں کو کوٹھے پر چڑھ کر ٹھلا کرے تاکہ تیرے چہرے کی روشنی سے اُنکے گھر میں چاند نا ہو جائے۔ مطلب یہ کہ اُنکے حال سے واقف ہو کر انکی مدد کرے۔

مگر یہ انقلاب فارسی غزل میں کم و بیش چار سو برس بعد ظہور میں آیا تھا کیونکہ نئی طرزِ انست  
تک ایجاد نہیں ہوتی جب تک مزدور تیں اہل فن کو سخت مجبور نہیں کرتیں۔ لیکن رنجت میں یہ  
انقلاب ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر پیدا ہو گیا، کیونکہ متاخرین اہل ایران کا نوز موجودہ صفت

اس کے نئی طرز کے ایجاد کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جو طرز فارسی میں متاخرین کمال پہنچے تھے اُسی کو غیتہ میں ڈھالنا تھا۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مرزا غالب نے سب سے پہلے یہ طرز اختیار کیا تھی؛ کیونکہ جس طرح کیمسٹری کے مذہب ہونے اور علم کے درجے پر پہنچنے سے پہلے اسکے متفرق اصول مشرقی ملکوں میں پھیلے جاتے تھے اسی طرح مرزا سے پہلے بھی بعض شعرا کے کلام میں اس نئی طرز کی کیں کیں جھلکی سی نظر آجاتی ہے مگر ان میں شک نہیں کہ اقل مرزا نے اور انھیں کی تقلید سے ہومن، ثنیفہ، نکلیں، سالک، عارف، داغ وغیرہم نے اس طرز کو بہت زیادہ رواج دیا۔ خصوصاً ہومن خاں مرحوم اس خصوصیت میں مرزا سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ یہاں ایسی ایک دو مثال لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے ناظرین بخوبی سمجھ جائیں کہ متاخرین کے اس خاص گروہ نے قدما کے سیرے سادے خیالات اور معمولی اسلوبوں میں کس قسم کی تزئین اور لفظی و معنوی تعزیرات کر کے اُن میں ندرت اور طرنگ پیدا کی ہے۔ مثلاً میر تقی کا شعر ہے۔

میری تغیر رنگ پرست جا      اتفاقات ہیں زمانے کے

اسی تغیر رنگ کے معنوں کو ہومن خاں نے اس طرح باندھا ہے۔

میری تغیر رنگ کوست دیکھ      تجھ کو اپنی نظر نہو جائے

یا مثلاً خواجہ میر درد نے مشرق کے رُخ روشن کو شمع پر اس طرح ترجیع دی ہے۔

رات مجلس میں ترے من کو شعلے کو خضو      شمع کے منہ پہ جو دیکھ تو کہیں نور نہ تھا

نواب مرزا خاں داغ نے اسی مضمون میں نئی طرح کی نزاکت پہیلی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں  
 بیخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ کہتے ہیں اور مر جانا ہے دیکھیں یا ادھر پردہ آتا ہے  
 الغرض اس قسم کی معنی آفرینیاں، غالب، مومن اور ان کے متبعین کے کلام میں بہت پائی  
 جاتی ہیں۔ چونکہ اس موقع پر صرف مرزا کے کلام پر بحث کرنی مقصود ہے اسلئے چند شعر مرزا کی  
 غزلیات میں سے اسی قبیل کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں

ضعف سے اسے گرتے کچھ باقی مروت میں نہیں	زنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کردامن میں نہیں
غلط ہے جذب دل کا شکوہ۔ دیکھو جرم کب کا ہے	نہ کھینچو گرم اپنے کو کشا کش دریاں کسوں ہو
کرنے لگا ہے باغ میں تو بے حجابیاں	آنے لگی ہے نکمت گل سے جانا مجھے
ضد کی ہے اور بات۔ مگر خوبی نہیں	بھولے سے اُسے سیکڑوں وعدہ وفا کئے
دیکھنا قسمت کو آپ اپنے پر رشک جاتا ہے	میں آسے دیکھوں بھلا کب مجھے دکھا جائے
اُسکی بزم آرائیاں سُکھ دل بخور بھیاں	مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
نقش کو اُسکے۔ مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں	کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے
ہستی ہماری اپنی فتنہ پر دلیل ہے	یہاں تک مٹے کو آپ ہم اپنی قسم ہوئے
نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم	لے لیا مجھے مری ہمت عالی نے مجھے
مڑتے ہیں آرزو میں مرنے کی	موت آتی ہے پر نہیں آتی

پہلے شعر میں خون کا رنگ ہو کر اڑ جانا، دوسرے میں عاشق کے جذبہ اور معشوق کی کشیدگی  
 سے کشاکش کا لازم آنا، تیسرے میں نکمت گل سے جانا آتی، چوتھے میں بھولے سے سیکڑوں

وعدے وفا کرنے۔ پانچویں میں آپ اپنے پر شک آنا، چھٹے میں دل رنجور کا نقش مرغلے کی طرح بیٹھا جانا، ساتویں میں کھینچتے نقش کا مصور سے کھینچنا، آٹھویں میں مٹتے مٹتے آپ اپنی قسم ہو جانا، نویں میں آپ اپنی ہمت عالی کے ہاتھ تک جانا، دسویں میں باوجود موت آنے کے موت نہ آنی۔ یہ سب شاخزادہ نکات ہیں جو ولی سے لیکر میر، سودا اور درد تک کے کلام میں ملتے ہیں؛ اور اگر ہمیں تو صرف اس قدر جیسے آئے ہیں تک۔

اگرچہ ایران میں زمانہ حال کے شعر افندی، عرفی، طالب و امیر وغیرہ کی طرز کو ہاں پہنچاتے ہیں اور ہندوستان میں بھی روز بروز طبیعتیں نچرل شاعری کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا چاہئے کہ رفتہ رفتہ اس قسم کے کلمات اور نکات نظروں سے گرجائیں۔ لیکن یہ سب زمانے کے تقضیات ہیں جو ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ایسی باتوں سے ان لوگوں کی آسادی اور گرانماگی میں کچھ فرق نہیں آتا، جلکوئی، طرز کے موجد ہونیکا فخر حاصل تھا۔ بہر حال جو نسبت ظہوری، نظیری، عرفی، طالب، امیر وغیرہم کے کلام کو سعدی، خسرو، حافظ، اور جامی کے کلام سے ہے تقریباً ویسی ہی نسبت مرزا کے ریختہ کو میر، سدا و درد کے ریختہ سے سمجھنی چاہئے۔ قدا اردو روزمرہ اور صفائی بیان کو سب باتوں سے زیادہ اہم اور مقصود بالذات جانتے تھے؛ برخلاف شاخزین کے کہ وہ ہر شے میں ایک نئی بات پیدا کرنے اور اسالیب بیان میں نئے نئے تعب انگیز اور لطیف و پاکیزہ اختراعات کرنے ہی کو اہم شاعری سمجھتے تھے اور زبان کی صفائی اور روزمرہ کی نشست کو محض خیالات کے ظاہر کرنے کا ایک آلہ (کہ مقصود شاعری تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا ایک دوست کو

خط میں لکھتے ہیں کہ ”بھائی! شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ پیمائی نہیں ہے“  
 اگرچہ مرزا کی اردو شاعری پر بحث کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ  
 لوگوں کو ایسی باتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے اس لئے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور صرف  
 اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ مرزا کے دیوانِ ریختہ میں جس قدر اشعار سرسری نظر میں مستاز  
 معلوم ہوں وہ بطور انتخاب کے یہاں نقل کر دئے جائیں۔ جو شعرا اس سے پہلے مثالوں میں  
 لکھے جا چکے ہیں ان کو اب مکرر نہ لکھیں گے اور جہاں ضرورت ہوگی شعر کے معنی بھی بتائیں گے اور  
 کہیں کہیں محاسن شعری کی طرف بھی اشارہ کیا جائیگا

تاشکر ہے زہد اس قدر جس باغِ رضواں کا      وہ اک گلہ سہ ہے بخودوں کے طاقِ نیاں کا  
 طاقِ نیاں وہ طاق جس میں کچھ رکھ کر بھول جائیں۔ طاقِ نیاں کا گلہ سہ وہ گلہ سہ جس کو  
 طاق میں رکھ کر بھول جائیں۔ بخودوں کے بہشت کو گلہ سہ طاقِ نیاں سے تشبیہ دینا بالکل  
 ایک نرالی تشبیہ ہے جو کہیں نہیں دیکھی گئی۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہے راز کا      یہاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا  
 یعنی راز کے فنون سے تو خود ہی نا آشنا ہے؛ ورنہ دنیا میں جو بظاہر حجاب نظر آتے ہیں وہ  
 بھی پردہ ساز کی طرح بول رہے اور چھپ رہے ہیں، اور اسرار الہی ظاہر کر رہے ہیں۔

ایک قطرہ کا بٹھے دینا پڑا حساب      خونِ جگر و دیعتِ ترکانِ یارِ محبا  
 یعنی آنکھوں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر میں جتنا خون تھا وہ ترکانِ یار کی ناک  
 ستی؛ اور اسلئے انکے ایک ایک قطرہ کا حساب اسی طرح دینا پڑیگا جس طرح امانت کا



حساب دینا پڑتا ہے۔

کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے میں دست انداز

جو دوستی کی بوجھی جوتی تو کیسے دوچار ہوتا

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا

تجھے ہم دلی سبجئے چہ نہ بادہ خوار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترابیان غالب

آشنا ہے کہ جس وقت یہ غزل مرزا نے بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ نے قطع شکر کہا: "بھئی ہم تو جب بھی

ایسا نہ سمجھتے۔" مرزا نے کہا: "حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس نے ارشاد ہوا ہے کہ

میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔"

رہا مانند خون بے گنہ حق آشنائی کا

نہ مارا جان کہ بے جرم قاتل تیری گردن پر

کتاب ہے کہ تو نے ایک شائق قتل کو بے جرم سمجھا اس نے قتل نہیں کیا کہ خون بگینا اپنی گردن

پر نہ لے کر اب تیری گردن پر بجائے خون بگینے کے حق آشنائی کا رہیگا۔

مجھ پہ گویا ایک زمانہ سہراں ہو جائے گا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا

بندگی میں مرا بھلا نہوا

کیا وہ غمزدگی خدائی تھی؟

کتاب ہے کہ میری بندگی کیا غمزدگی خدائی تھی کہ اس سے مجھ کو سوا نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہنچا

یہاں بندگی سے مراد عبادت نہیں ہے بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر غمزدگی خدائی کا اطلاق کرنا

بالکل نئی بات ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

مجھے داغ نہیں خندہ اسے بچا کا

غم فراق میں تکلیف سیر گلست دو

خندہ گل کو خندہ بے جا اس لئے کہا ہے کہ وہ کچھ سمجھ کر یا ازراہ تعجب نہیں ہنستا، پس گویا اسکا خندہ بے محل ہے۔

فلک کو دیکھ کے کراہوں اُسکو یاد آئے جفا میں اُسکی ہے انداز کار و سرما کا  
یعنی فلک کو دیکھ کے خدا یاد آتا ہے، کیونکہ فلک سے جو جفا سرزد ہوتی ہے اُسکے علم سے ہوتی ہے۔  
میں اور بزم سے سے یوں تشنہ کام آؤں گریں نے کی بختی تو بہ ساقی کو کیا ہوا تھا  
یعنی اُسے زبردستی کیوں نہ پلا دی؟

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا بھر اگر بھر نہوتا تو بیاباں ہوتا  
تنگئے دل کا گلا کیا یہ وہ کافر دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا  
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھن پڑا حق آدمی کوئی ہمارا دم بھر یہ بھی تھا  
یعنی ہمارے جرم کے ثبوت کے لئے کسی کی شہادت ہونی ضرور ہے یا صرت فرشتوں کا لکھنا کافی نہیں۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدر بار کا عالم میں معتقدِ فتنہ مشر نہوا تھا  
دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک میرا سب دامن بھی ابھی تر نہوا تھا  
کہتا ہے کہ گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریاے معاصی خشک ہو گیا  
مگر ابھی ہمارے دامن کا پتہ تک نہیں بھٹکا۔ تذکرۂ انبیاء میں لکھا ہے کہ ذوق اس سفر کو نہایت پسند کرتے تھے؛ اور کہتے تھے کہ مرزا کو اپنے آپتے شعروں کی خود غبر نہیں ہوتی۔ یہ بعینہ وہی ہی بات ہے جیسے مولانا آزاد نے مرزا کا ایک عمدہ شعر نکال کر تعریف کرتے وقت کہا تھا کہ: "اس مرزا کا"

کیا کمال ہے یہ تو بارے انداز کا شعر ہے، ”غرضکہ ایک ہمعصر دوسرے ہمعصر کی تعریف بھی کرتا ہے  
تو اس میں ایک نہ ایک بات ضروری شامل کر دیتا ہے جس سے یا اس کی تنقید لازم آئے یا اپنی تعریف  
اس سے بھی زیادہ بکھے۔

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے صاحب کو دل ندینے پہ کتنا غرور تھا  
مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کر میں نایان دست و بازو سے قاتل نہیں رہا  
رنگ کتاب ہے کاسکا غیر سے اخلاصیت عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا  
ذکر اس پری و ش کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا  
کتاب ہے کس نے جو عشق کے حسن کی تعریف کی تو جو شخص میرا محرم راز او ہنشین تھا وہی سنگر  
میرا رقیب بن گیا؛ کیونکہ اول تو ایسے پری و ش کی تعریف تھی اور وہ بھی مجھ جیسے جادو بیان  
کی زبان سے۔ پہلے مصرع کا دوسرا کن معنی ”اور پھر بیاں اپنا“ یہ مرزا کی خصوصیات  
میں سے ہے۔

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالینگے بارے آشنا نکلا ان کا پاساں اپنا  
یعنی خوب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاساں ہمارا جان پہچان نکلا؛ اب ہمارے لئے اس بات کا  
موقع ماحصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ہکو ذلت دے ہم اسکو ہنسی میں ڈالتے رہیں گے؛ اور یہ  
ظاہر کرینگے کہ ہمارا قدیم آشنا ہے؛ چار اسکا قدیم سے ہی بڑا وہ ہے۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں کیاتے بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا  
آسماں کی دشمنی کے کیا خوب اسباب بتائے ہیں اور اپنی دانائی اور ہنر مندی کس خوبصورتی سے

عاشقانہ  
عاشقانہ  
عاشقانہ  
عاشقانہ

ظرافت

شوخی  
شوخی

ثابت کی ہے۔

رضعت نالہ مجھے دے کہ مسبا و اظالم تیرے چہرے سے ہونا ہر غم پہناں میرا  
یعنی اگر نالہ کی اجازت نہ ہوگی تو ہم اُسکو ضبط کریں گے اور اُسکا اثر ختم تک پہنچاں گے۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا  
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

دکھلائیں کا مرجع خدا کو ٹھہرایا ہے کتا ہے کہ عمر بھر موت کا منتظر رہا کہ وہ حالت زندگی سے فرد  
بستر ہوئی اب دیکھئے مرنے کے بعد کیا حالت دکھلاتے ہیں جبکہ تمام عمر منتظر لگتا ہے۔

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے شرمندگی سے عند زہ کرنا گناہ کا

حریف جوشش دریا نہیں خود داری سائل جہاں ساقی ہو تو دعویٰ ہے بل ہوشیاری کا

یعنی سائل لاکھ اپنے تئیں بجائے مگر جب دریا عینانی پڑتا ہے تو سائل محفوظ نہیں رہ سکتا اسی طرح

جہاں تو ساقی ہر دہاں ہوشیاری کا دعویٰ ہے بل نہیں سکتا یہ حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہو سکتا ہے۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

یعنی جب درد سے گزر جائیگا تو مر جائیگے یعنی فنا ہو جائیگے گویا قطرہ دریا میں کھپ جائیگا اور یہی

اُسکا مقصود ہے پس درد کا حد سے گزر جانا یہی اُسکا دوا ہو جانا ہے۔

تجھ سے قسمت میں جبری صورتِ فعلِ مجب تھا لکسا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

صنعت سے گریہ مبدل بدھم سر ہو با در آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے ٹھنڈی انگشتِ خانی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابر بھاری کا برس کر گھلنا روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا  
یعنی غم فرقت میں روتے روتے تمام ہو جانا میرے نزدیک ایک ایسی معمولی بات ہے جیسے ابر بھاری  
کا برس کر گھلنا یہ باطل زالی تشبیہ ہے۔

نہ گئیں کھولتے ہی کھولتے اکھیں غالب یار لانے مرے بالیں پڑے پر کس وقت  
کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن جانوں کیسے دل کی میں کیونکر کہے بغیر  
یہاں ہوں میں تو جاتیہ دنا ہوا نقات ستا نہیں ہوں بات مکر کہے بغیر  
داسر تاکہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ہمکو حسرت لڑت آزاد دیکھ کر  
بک جاتے ہیں ہم آپ تلخ سخن کے ساتھ لیکن عیار طبع حسرت میرا دیکھ کر  
ان آبلوں سے پانوں کے گہرا لیا تھا جی خوش ہوا ہے راہ کو چار دیکھ کر  
سر پہوڑا وہ غالب شوریدہ حال یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر  
یار بزدلہ سمجھے ہیں نہ کھینچے ہری بت دے ادول انکو جو نہ دے بھکڑاں او

یہ شعر بظاہر مشتوق کے حق میں معلوم ہوتا ہے مگر اس میں درپردہ ان لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو  
مرزا کے کلام کو بے معنی یا عبید الغنم کہتے تھے۔

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور  
اس شعر میں سارا زور ہم کے لفظ پر ہے یعنی جب تک کہ ہماری ہستی باقی ہے اس وقت تک راہ فرست  
اتھی میں ایک اور سنگ گراں سب راہ ہے پس اگر ہم نے بت توڑنے میں سبکدستی حاصل کی ہے  
تو کیا فائدہ؟ یہ بڑا بھاری بت یعنی ہماری ہستی تو ابھی موجود ہے۔

باتے نہیں جیہ اہ تو پڑ جاتے ہیں رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے وہاں اُرد  
 نامے یعنی تہی نامے نہ آہ و نالے۔ مثال کس قدر مثل اُس کے مطابق ہے اور مضمون کنسا مطابق  
 واقع کے ہے فی الحقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت رکتی ہے  
 اُسی قدر زیادہ راہ دیتی ہے خصوصاً جو مضمون وہ اُس وقت اپنے حسب حال لکھتا ہے وہ نہایت  
 موثر اور درواگیز ہوتا ہے۔

فلک سے ہلکویتش رفتہ کا کیا لافا صاف  
 متاع بڑہ کو کبھے ہوئے ہیں فرض نہیں چاہی  
 متاع بڑہ یعنی لوٹی ہوئی متاع یہ مضمون بھی بالکل دعویات میں سے ہے جو لوگ اُس وقت کے  
 بعد مفلس ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تئیں مظلوم و ستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہیں اولاً فیروز  
 ملک اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہو گا اور ہمارا اقبال ضرور دکھلا  
 رونق ہستی ہے عشق غامد ویراں سباز  
 انجمن بے شمع ہے گر برق خرمین میں نہیں  
 یعنی تمام دنیا میں جو رونق اور چل چل ہے وہ عشق و محبت کی بدولت ہے خواہ زن و فرزند کی محبت ہو  
 خواہ مال و دولت کی، خواہ ملک و ملت کی، خواہ اور کسی چیز کی۔ پس اگر خرمین میں برق یعنی دلوں  
 میں محبت نہیں تو اسکی مثال اُس انجمن کی ہے جیس شمع کی روشنی نہیں۔

زخم سلوانے سے مجھ پر عارہ جونی کا ہے من  
 غم سلوانے سے مجھ پر عارہ جونی کا ہے من  
 غمی وطن میں شان کیا یا لک ہو غربت میں قدر  
 بے تحلف ہوئی شہتِ خس کو گلشن میں نہیں  
 اپنے تئیں خس یعنی پیرس و غیرہ سے، اور وطن کو گلشن سے، تشبیہ دی ہے؛ یعنی جس طرح پیرس گلشن میں  
 ہوتا ہے تو جلتا ہے، اور گلشن میں نہیں ہوتا تو اسکی کچھ قدر نہیں ہوتی، یہی حال میرا ہے؛ کہ میں میں

ترجما تھا اور اب پردیس میں ہوں تو بے قدر ہوں۔

مہرماں ہو کے بلا لوجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہوں کچھ انجمنی سکول

زہر مٹا ہی نہیں مجھ کو سنگر۔ ورنہ کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا انجمنی سکول

جب کہتے ہیں کہ اُسکو فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو اسکے بیٹے ہوتے ہیں کہ اُسکو اُس کام کے کرنے سے

انکار ہے پس عاشق مشوق کے ملنے کی قسم کیونکر کھا سکتا ہے کہتا ہے کہ زہر کچھ ترے ملنے کی قسم

نہیں ہے کہ اُسکو کھا نہ سکوں مگر چونکہ وہ ملتا نہیں اسلئے نہیں کھا سکتا۔

قزم کی پتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ہا رنگ دیگی ہماری فائدہ مستی ایک ن

کس سہ سے شکر کیجیے اس طعنِ خام کا پرسش ہے اور بای سخن در میان نہیں

بوسہ نہیں نہ بیکے دشنام ہی سہی آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرد ہاں نہیں

باتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کھلکی روح القدس اگرچہ مر ہمزباں نہیں

بیاں ہمزباں کے لفظ میں ایہام ہے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان یک

نہیں ہو سکتی اور درپردہ ایہیں یہ اشارہ ہے کہ بیسی فصیح میری زبان ہے ویسی روح القدس کی نہیں

دفع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے جسے پاؤں نہیں بغیر نہیں

اسی مطلب کو جو پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے دوسرے مصرع میں نئے رنگ سے کس غنی کے سام

بیان کیا ہے دشت نوردی کی مانع کوئی تدبیر نہ ہونی اُسکو اس طرح ادا کرنا کہ پاؤں میں چکر ہے

مگر جہیز نہیں کمال بلاغت ہے۔

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے جساد راہِ وفا مجرّمِ خم شیر نہیں

جادو یعنی بیا کو دم شمشیر سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ عشق کے آزار اور تکلیف میں جو لذت ہے جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس لذت سے خوب دل کھول کر متنع ہوں، مگر چونکہ وفا کی راہ سراسر تلوار کی دھار پر ہے اس لئے پہلے ہی قدم پر موت نظر آتی ہے۔ پس افسوس ہے کہ لذت کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے۔

الف گل سے غلط ہے دعویٰ دار شکی سر وہ ہے باوصف آزادی گرفتار جن  
مطلب یہ ہے کہ کوئی کیسا ہی آزاد و وارستہ مزاج ہو دنیا میں عشق و محبت کے پھندے سے نہیں بھوٹ سکتا۔

ہے پرے سرحد اور اک سے اپنا بھوکہ قبلہ کو اہل غنیمت قبلہ مانتے ہیں  
قبلہ پر قبلہ نما کا اطلاق ظاہر امرزاکے سوا کسی نے نہیں کیا۔

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جاے در نہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں  
بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں، خواہ پوشیدہ مصلحت ہو، اور خواہ پوشیدہ قیامت ہو۔ یہاں پوشیدہ قیامت مراد ہے اگر مر جانے کی جگہ نہ مرنے کا فضا ہونا تو بھید کے معنی پوشیدہ مصلحت کے ہو جاتے۔

کتنے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ ہلکے جینے کی بھی امید نہیں  
یہ شعر سہل و متنوع ہے اس زمین میں اس سے بہتر شعر کا نام مشکل ہے۔

کل کے لئے کراچ نہخت شراب میں یہ سو دمن ہے ساتی کوثر کے بابیں  
یعنی آج اس خوف سے شراب دینی کہ کل نہ ملے ساتی کوثر کی قیامتی پر سو دمن کرنا ہے۔

نا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں



قاصد کے آنے آنے خط ایک دیکھ کر  
 دوسرے مصرع میں بطور سر کے کتاب ہے کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے مجھے معلوم ہے؛ یعنی وہ کچھ نہیں  
 لکھنے کے۔ اسلئے قاصد کے واپس آنے سے پہلے ایک اور خط لکھ رکھوں۔  
 مجھ تک کب آنکے بزم میں آنا تھا دو عالم  
 ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہوا شراب میں  
 اس شعر میں پہلے مصرع کے بعد اتنا جملہ مخدوم ہے ”پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت مجھ تک  
 پہنچی ہے“ اس مخدوم نے شعر کا رتبہ بت بلند کر دیا ہے ایسا مخدوم۔ جس پر قرینہ دلالت کرتا ہو  
 اور جو الفاظ مخدوم کئے گئے ہیں وہ بغیر ذکر کئے دونوں مصرعوں میں بول رہے ہوں مختصاتِ شعر  
 میں شمار کیا جاتا ہے۔

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں  
 یہاں لگاؤ سے مراد لگاؤٹ ہے؛ یعنی مشوق کا عاشق کے ساتھ ایسا بناؤ کرنا جس سے اسکا  
 اتفاقات اور میلان طبع پایا جائے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی لاکھوں لگاؤ میں ایک طرف؛  
 اور ایک نگاہ کا چرانا ایک طرف۔ اور اسکے لاکھوں بناؤ سنگار ایک طرف؛ اور ایک عتاب میں  
 بگڑنا ایک طرف۔ یہ شعر بھی سہل و متنوع ہے۔ اگر الفاظ کی طرف دیکھئے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیر کر ایسے  
 دو ہم پلے مصرع ہم پہنچ گئے جن میں حسنِ ترصیع کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔ اور اگر سنی پر نظر کیجئے  
 تو ہر ایک مصرع میں ایک ایسا معاملہ باندھا گیا ہے جو فی الواقع عاشق و مشوق کے درمیان ہمیشہ  
 گھومتا رہتا ہے مشوق کی لگاؤٹ عاشق کے لئے بہت بڑی چیز ہے؛ مگر اسکا آنکھ چرانا جو لگاؤٹ  
 کی ضد ہے وہ عاشق کی نظر میں لگاؤٹ سے بہت زیادہ دلفریب و دلادیز ہوتا ہے۔ یہی طبع

بناؤ سنگار سے مستحق کا شن بے شک دو بالا ہو جاتا ہے، مگر اسکا قصہ میں بگڑنا اسکے بناؤ سے بہت زیادہ خوشنما اور دلربا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے متعلق یہ سب فاعلی اور اوپر ہی باتیں ہیں جو ہم لکھ رہے ہیں؛ اسکی اصل خوبی وجدانی ہے جسکو صاحب ذوق کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک روز مولانا آزاد مرحوم کے روبرو کسی نے یہ شعر پڑھا چونکہ مولانا نہایت صاف اور سیریل فہم اشعار کو پسند کرتے تھے، اس لئے مرزا کا کلام شکر اکثر اُٹھتے تھے اور انکی طرز کو ہمیشہ نام لکھتے تھے۔ مگر اس روز اس شعر کو شکر وجد کرنے لگے اور تعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کب کا شعر ہے؟ کہا گیا کہ مرزا غالب کا۔ چونکہ وہ مرزا کے شعر کی کبھی تعریف نہیں کرتے تھے، اور اس روز لاعلمی میں بے ساختہ اُنکے منہ سے تعریف نکل گئی تھی، غالب کا نام شکر بطور مزاح لکھ کر اُنکی خدمت میں لے گیا۔

تعریف ہے یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے، مگر فی الحقیقہ یہ شعر بھی معنی و لفظاً دیباہی اچھا اور نرالا ہے جیسا کہ مرزا کا تمام کلام کسی سے چھپتا ہے۔ میں نہیں کہتا۔ جہاں تک کہ ہر کو معلوم ہے یہ سلسلہ بیان آج تک اس عمدگی سے ساتھ نہیں لکھا گیا۔

مذہب ہے ریش مکرماں دیکھنے تھے نے ہاتھ پاؤں پر ہے نہ پا ہے رکاب میں سواری کی بے اختیاری اور گھوڑے کا اسکے قابو سے باہر ہونا چابک سواروں کی زبان میں اس سے بہتر بیان نہیں ہو سکتا اور عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دینا حسن تشبیہ کا حق ادا کرنا ہے اُتنا ہی ٹھیک اپنی حقیقت سے بعد ہے جتنا کہ وہم غیر سے ہوں پیچ قبابیں غیر سے یہاں ماسوی اللہ مراد ہے۔ جو صوفیہ کے نزدیک بالکل معدوم ہے۔ کیونکہ وہ وجود واحد کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں۔ کہتا ہے کہ میں قدر وجود ماسوی کے وہم سے رات دن پیچ قباب میں

ہوتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجود واجب سے بُد ہے۔

بے تشل نمود صور پر وجود کبر یہاں کیا دھڑ ہے قطرہ موج و جباب میں  
وحدت وجود اور کثرت مہم کی تشیل ہے قطرہ موج و جباب کے پیچ و ناچیز ہونے کو ایک عام  
مخارج سے جس سطح اور گرا کر یہاں کیا دھڑ ہے۔ منتہا بلوغت ہے۔

غائب بزم دوست سے آئی ہو بی دوست  
چھوڑا رنگ نے کہ ترے گھر کا نام لوں  
پلتا ہوں تھری دور ہر اک تیرے کے گھر  
پہچانا نہیں ہیں ابھی اہل کوئی

غائب راہ کو جو حالت ابتداء میں پیش آتی ہے اسکو اس تشیل میں بیان کیا ہے۔ غالب اول  
جس شخص میں لڑائی کرشمہ یا وجہ وسامع و جوش و خروش دیکھتا ہے اسی کے ہاتھ پر بیت کرنے کا  
دراو کرنا ہے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ پھر تاب پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اسکا غالب  
آتا ہے۔ و تھری دور ہر اک تیرے کے گھر اور وہ اس مذہب اور نزول کی ہی ہوتی ہے کہ وہ کا ملین کو پہچان نہیں سکتا۔

قطرہ اپنا ہی حقیقت میں بسو یا لیکن  
تیرے کس ٹھہ سے ہو غیبت کی شکایت نما  
دو دو جان دیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا  
یہاں اپڑی یہ شرم کرا کر کیا کرے

اپنی فریخ و رنگی اور اسکے ساتھ شرافت نفس کا اظہار ہے؛ یعنی میں جو دو دو جان لیکر خاموش ہو رہا  
ہوں اسکا سبب یہ نہیں تھا کہ میں اُن پر قانع ہو گیا؛ بلکہ مجھ کو زیادہ مانگنے اور تکرار کرنے سے شرم آئی اس لئے  
خاموشی اختیار کی۔

نمود

نقش

مشاعر

نمود

مشاعر

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں  
میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی شکے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کریں  
ستم ظریف وہ ظریف جسکی مرافت کے ساتھ ظلم بھی ملا ہوا ہو۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ میں نے توفیق کے غیر  
مجھ کو کما تھا کہ اپنی عقل غیر سے خالی ہونی چاہیے؛ اُسے یہ سن کر مجھے بزم سے اٹھا دیا؛ یعنی یہاں ایک  
توہی غیر نظر آتا ہے۔

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بانی کا گر عشق کا اُسکو گماں ہم بیزبانو نہیں  
قیامت ہے کہ سن لیلے کا دشتِ قیس میں آنا تعجب سے وہ دہلا یوں بھی ہوتا جزا نہیں  
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت سے کسی ہم آنکو کہیں اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
اپنے گھر میں معشوق کے آنے سے جو تعجب و حیرت ہوئی ہے دوسرے مصرع میں اُسکی کیا عمرہ تصور کھینچی  
ہے۔ یعنی کہیں معشوق کو دیکھتا ہے، اور کہیں اپنے گھر کو دیکھتا ہے، کہ اس گھر میں اور ایسا شخص وارد ہوا!

کبھی جویا دھبی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں  
جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہیں کیا کام دیا ہے ہکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں  
یارِ زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے لوحِ جہاں پر حرفِ کمر نہیں ہونیں  
صد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کا فرشتے ہونیں  
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوئیں خاک میں کیا صوتیں ہو گئی نہ بان گشتیں  
قید میں یعقوب نے لی گوشتِ یوسف کی خبر لیکن آنکھیں وزنِ دیوارِ زنداں ہونیں

یعقوب کی آنکھوں کو روزِ دیوارِ زنداں قرار دیا ہے کیونکہ جس طرح روزِ زنداں ہر وقت یوسف پر

نہم کوئی

شما شفا  
شما شفا  
شما شفا

نہم کوئی  
نہم کوئی  
نہم کوئی  
نہم کوئی  
نہم کوئی

کشاود رہتا تھا اسی طرح میثاق کی انکھیں شب در ذیوقت کی طرف نگراں رہتی تھیں۔  
 نیند انکی ہے دماغ اسکا ہے رتیں نکلی ہیں جسکے بازو پر تیری زمین پر تیری گھٹنیں  
 وہ گناہیں کیوں ہمئی جاتی ہیں بارے لکھو۔ جو مری کوتاہی قسمت سے شرکاں ہو گئیں  
 نکاہوں کے شرکاں ہونے سے یہ مراد ہے کہ شرم و حیا کے سبب اور پرہیزگاری سے بیکہ لکھوں کی طرح  
 ہر وقت نیچے کو جھکی رہتی ہیں۔

وہاں گیا بھی میں تو آنکی گالیوں کا کیا جوڑا یاد تھیں جتنی دعائیں صحت دیاں ہیں گشتیں  
 یعنی اب نئی دعا تو کوئی ذہن میں باقی نہیں رہی اور وہی مستقل دعائیں ہو دربان کو دے چکا ہوں  
 دست کے حق میں صحت کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس شعر میں جرمِ خون اور لطافت ہے  
 وہ یہ ہے کہ گالیوں کے جواب میں دعائیں دینے کو ایک ایسی سمجھوتہ اور نرم دلی بات ہر ملاحظہ  
 کرتا ہے کہ گویا اسکو ہر شخص ضروری جانتا ہے؛ کیونکہ اب سے حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ تباہ آنکی  
 گالیوں کا کیا جواب دوں گا یکدعا میں سب بڑ چکیں۔

ہم سوچتے ہیں ہمارا کینس ہے ترکِ سوچ متین جب بٹ گئیں اجڑے ایماں گئیں  
 تمام ملتوں اور مذہبوں کو نیکو دیکر سوچ کے قرار دیتا ہے۔ جن کا ترک کرنا اور مٹانا موصد کا اصل  
 مذہب ہے؛ اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب بٹ جاتی ہیں تو اجڑے ایمان بن جاتی ہیں۔  
 دیکھا اس کو خلوت و جلوت میں بارہ دیوانہ گز نہیں ہے تو بیشمار بھی نہیں  
 بٹ جہاں دل فرد صورتِ مہرِ فردہ آپ ہی ہونٹا ہونٹ پر دہریں نہ چھپا دیں گوں  
 حقیقت و مجاز دونوں پر مجبور ہو سکتا ہے۔

موت کو پہلے آدمی غم سے نجات پاؤ گیوں  
کہ خیر تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وہ

محض خیالی مضمون نہیں ہے ؛ بلکہ حقیقت واقعی کو کیفیات عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے ۔ فی الواقع جب انسان گھر کی چار دیواری میں محصور ، دنیا کے حالات سے ناواقف ، اور لوگوں کی ترقی و تنزل کے اسباب سے بے خبر ، ہوتا ہے تو اپنی محدود جماعت میں سے کسی کو عمدہ حالت نہیں دیکھ سکتا ؛ لیکن جس قدر اُس کا دائرہ تعارف زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُس پر بات کھلتی جاتی ہے کہ لوگوں کی خوشحالی محض اتفاقی نہیں ہے ۔ جس پر حسد و رشک کیا جائے ؛ بلکہ انکی محنت و تدبیر کا نتیجہ ہے ؛ اور اس لئے انصاف اور نیامنی اُسکے دل میں پیدا ہوتی ہے ؛ اور وہ خود بھی کوشش و تدبیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور بجائے حسد و رشک کے اوروں کی ریس اور پیروی کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے ۔ اس معقول بات کو ایک محسوس تخیل میں بیان کرنا ہے کہ ” چشم تنگ شاید کثرتِ نفاہ سے داہو “ جس طرح شرانے بخیل کے دل کو تنگ باز نہا ہے اسی طرح حاسد کی آنکھ کو نگلی کے ساتھ موصوف کیا ہے ۔

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں  
ہوں منحرف نہ کیوں رہ دویم جواب ہے  
آئی اگر بلا تو جگہ سے ٹٹے نہیں  
خدا شہر آئے ہاتھوں کو کر رکھتے ہیں کشمکش میں  
نہ کشتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا

اخلاق

فواد علی  
بیگم  
استقلال  
خانم  
میرزا

جب میکہ چٹھا تو پھر اب کیا جگر کی قید مسجد ہو در رسم ہو کوئی خانقاہ ہو  
 اس شعر میں ازاد تنہا ہے جس کام کا ذکر نہیں کیا جس کے لئے مسجد و مدرسہ و خانقاہ  
 کو مساوی قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میکہ وہاں حریفوں کے ساتھ شراب پینے کا لطف تھا۔  
 جب وہی جھٹ گیا اب سبھی میں مل جائے تو اور مدرسہ و خانقاہ میں ہاتھ آجائے تو سب جگر پی لینی  
 برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تحسین اس ازاد شوخی کے کی گئی ہے، یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل  
 لائق نہیں ہیں وہاں بھی میکہ پینے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے۔ اور شراب پینے  
 کی تصریح ذکر کرنا عین نقصانِ بلاغت ہے۔

نستے ہیں یہ ہمیشہ کی توہین سب بوت لیلین خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو  
 اس شعر کو نفیقت و مجاز و نثر پر محسوس آرتے ہیں۔

جیسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا وہ شخص دن دکھے رات کو تو کیونکر ہو  
 اس دن کی سیاہی کیسی ہوئی جسے آگے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے۔

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ کہ جب دل میں نہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو  
 اس شعر میں مخالف مشق حقیق ہے۔

مے سے غرض نشاء ہے کس دیا کو اک گونہ بخودی مجھے دن رات چاہئے  
 رہے اس شخص سے آزد وہ ہم چند مختلف سے مختلف برطون تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی  
 مے دہیں ہے غالب شوق و ملن نگوہ چیرا خدا وہ دن کرے جو اس سے میت بھی کوئی بھی  
 غم و دنیا سے گریانی بھی فرستے آٹھار کی فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

یعنی جب غم دنیا سے سر اٹھانے کی فرصت ملتی ہے تو سر اٹھاتے ہی آسمان پر نظر جا پڑتی ہے اور چونکہ وہ جفا پیشہ ہے اُسکے دیکھتے ہی تو یاد آ جاتا ہے۔ اب دوسرا غم شروع ہو جاتا ہے۔ غمِ خشک کسی حالت میں غم نے نجات نہیں۔

نوعی

ایک جا حرنِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا  
خا ہر کا غنڈہ ترے خط کا غلط بردار ہے  
غلط بردار اُس کا غنڈہ کو کہتے ہیں جس پر سے حرنِ با سانی کر دک و غیر سے اُسکے، اور کا غنڈہ پر اُسکا نشان باقی نہ رہے۔ مگر یہاں ازراہِ غرافت غلط بردار کے یہ معنی لئے ہیں جس پر سے حرنِ غلط خود بخود اڑ جائے۔ کہتا ہے کہ تو نے اپنے خط میں مرنِ ایک جگہ حرنِ وفا لکھا تھا سو وہ بھی مٹ گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے خط کا کا غنڈہ غلط بردار ہے۔ کہ جوبات سچے دل سے اُس پر نہیں لکھی جاتی وہ خود بخود مٹ جاتی ہے۔

صفت

ہے وہی بدستی ہرزہ کا خود غنڈہ خواہ  
جسکے جلوے سے زمین آسمان بھٹکے  
ہرزہ یعنی ہر مخلوق۔ غنڈہ خواہ معافی چاہنے والا، یا مہذو ر رکھنے والا۔ اس شعر میں دعویٰ اسے طریقے سے کیا گیا ہے کہ خود دعویٰ متعین دلیل واقع ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذراتِ عالم یعنی ممکنات جو فی الحقیقت معدوم مض ہیں۔ ان کی بدستی و غفلت کا غنڈہ خواہ وہی ہے جسکے پر تو وجود سے یہ تمام معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں۔

نوعی  
نوعی  
نوعی

پینس میں گزرتے ہیں جو کوچر سے وہ میر  
کندھا بھی کہا روں کو بدلتے نہیں تے  
قطع کیجئے نہ قسطن ہم سے  
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی  
کچھ تو دے اے ملکِ نالافت  
آہ و سہرا یو کی رخصت ہی سہی



ہم بھی تسلیم کی خود ایں کے بے نیازی تری عادت ہی سہی  
زندگی اپنی جب اس نکتہ گزری تھا ہم بھی کیا یاد کر نیکے کھڑا کھتے تھے  
یہ معنوں تصور سے فرق کے ساتھ فارسی نخل میں بھی مرزا صاحب نے اندھا ہے اور وہ یہ ہے  
"گفتنی نیست کہ بغالب ناکام چہ نیست" می تو اس گفت کہ ایں منہ خداوند خدا  
اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی جیا کئے بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہو اگئے  
صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو دینے لگا ہے بوسہ بغیر انتجا کئے  
غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے گرجا بھی اُسکو آتی ہے تو شرما جائے

یہ شعر معاملہ کا ہے۔ جو طالب و مطلوب کے درمیان اکثر گزرتا ہے، اور شاعرانہ نزاکت و دوسرے  
معصوم میں پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حیاتی اور شرما جانا و حقیقت ایک ہی چیز ہے، پھر اس کے  
کیا معنی؟ کہ جیا بھی آتی ہے تو شرما جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مقام پر جیا آنے کا متعلق اور شرما  
اور شرما جانے کا متعلق اور۔ گرجا بھی اُسکو آتی ہے، یعنی فیر کی گستاخی اور خواہش بجایا ہے۔ اور  
شرما جاتا ہے، یعنی فیر سے یا اس کے ساتھ تکرار کرنے سے۔

ہو کے عاشق وہ پرینچ اور نازک بن گیا ننگ لکھتا ہے ہے جتنا اڑتا جائے  
گرچہ ہے کس کس بُرائی سے دسے باہنہ ذکر میرا مجھے بہتر ہے کہ اُس محل میں ہے  
بس جہوم نا امید خیال میں لمبا نیکی یہ جواں لذت ہماری سعی عیاسل میں ہے  
فرزاد دہی کا نفر ناک بار بٹ گیا تم کیا گئے کہ ہم پر قیامت گذر گئی  
کتاب ہے کہ تمہارے جاتے ہی سبب خود رفتگی و خود فراموشی کے یہ حالت ہو گئی کہ آج اور کل کی مطلق

عاشق و عاشقی

معاملہ

عاشق و عاشقی

تیز نہیں رہی؛ اور ایسا ہی قیامت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی و مستقبل دونوں تبدیل زمانہ  
 حال ہو جائیں گے۔ پس تم کیا گئے گو کہ ہم پر قیامت گذر گئی۔ قیامت گذر جانے کے وہ نومسخر ہیں، نہ  
 سختی کا زمانہ گذرنا، اور خود قیامت کا آجانا۔

اپنی گلی میں دفن نہ کر مجھ کو بعدِ قتل	میرے بچے سے خلق کو کیوں تیرا گھر لے
لازم نہیں کہ مغز کی ہم پیروی کریں	جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہمسفر لے
دس کے خطا منہ دیکھتا ہے نامہ	کچھ تو پینام زبانی اور ہے
ہر جگہیں غالب بلائیں سب تمام	ایک مرگ ناگسائی اور ہے
کوئی اُمید بر نہیں آتی	کوئی صورت نظر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پر نہیں	اب کسی بات پر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں	ور نہ کیا بات کر نہیں آتی
جانتا ہوں ثوابِ طاعت دزد	پر طبیعت ادھر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہلکے بھی	کچھ ہماری خبر نہیں آتی
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار	یا انہی یہ ماجہ کیا ہے

گویا ابھی عشق کے کوچے میں قدم رکھا ہے، اور معشوق و عاشق میں جو ناز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں  
 اُن سے ناواقف ہے؛ اس لئے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے۔

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں	کاشش پوچھو کہ نہ عا کیا ہے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھائیں گے نکیرین	ہاں منہ سے گر بادہ دوشین کی بو آئے

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں  
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھائیں گے نکیرین

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں  
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھائیں گے نکیرین

بادۂ دوشینہ مینی رات کی پی ہوئی شراب جو مرنے سے پہلے پی تھی، محض ازراہ شوخی کے کہتا ہے کہ  
 لکیرین کے سوال و جواب سے بچنے کی کوئی تدبیر اسکے سوا نہیں کہ شراب پی کر مریں؛ تاکہ لکیرین سُکیں  
 ہو کی کراہت سے بغیر سوال جواب کئے چلے جائیں۔

جلاوت سے ڈرنے میں نہ دوا عطا سے بھگرتے  
ہم سمجھے ہوئے ہیں اُن کو جس بھیس میں چلے

بے اعتدالوں سے یک سب میں ہم ہوں  
 جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے  
 یہاں اتحادِ محنت قریب آشیان کے  
 اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے  
 چھوڑی آس نہ بنے گدائی میں دل لگی  
 سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے  
 سایے کی طرح ساتھ پھر میں سر و صنبور  
 تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے  
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ کستمر  
 کچھ تھکوا مزا بھی مرے آزار میں آوے  
 سننِ مہر گرچہ ہنگامِ کمال اچھا ہے  
 اُس سے میرا ہر خورشیدِ جمالِ چھا ہے  
 دوسرے مصرع میں دعویِٰ متفننِ دلیل ہے  
 عاشق کو ہر خورشیدِ جمالِ اس لئے کہا ہے تاکہ اسکو کمال  
 پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے۔

بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ سے ہر لحظہ نگاہ  
 بے طلب دیں تو فراموشیوں کا سماں ہے  
 اُنکے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونقِ منہ  
 جی میں کہتے ہیں کہ مُفت اُنے تو مالِ چھاپے  
 وہ گدا جسکو نوخوے سوال چھاپے  
 دیکھتے ہیں کہ بیمار کا مالِ چھاپے

اسی کے قریب قریب سہدی ۱۸ کا بھی ایک شعر ہے ”گفتہ بودم چو بیانی غم دل با تو گویم“

چہ بگویم کہ غم از دل برد چوں تو بیانی، دونو کا حاصل یہ ہے کہ کسی طرح اپنی تکلیف یا رخ مشوق پر  
 ظاہر نہیں کر سکتے مگر سعدی کے بیان میں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ شاید مشوق عاشق کی ظاہری  
 بد حالی دیکھ کر سمجھ جائے کہ اس کا دل مغموم ہے کیونکہ سعدی کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے  
 کہ مشوق کے آنے سے غم جاتا رہتا ہے نہ یہ کہ ظاہری حالت بھی بدل جاتی ہے مگر مرزا کے بیان میں  
 یہ احتمال باقی نہیں رہتا بابت سعدی کے شعر کو بھڑال مرزا کے شعر پر ترجیح دینی چاہئے کیونکہ  
 افضل للتقدم

عاشقانہ

دیکھئے پاتے ہیں عشاق تیرے کیا فیض اک برہن نے کہا ہے کہ یہ سال چاہا ہے  
 گویا مشوق کی تمنائیں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں یہاں تک کہ پتہ نہ پڑے سال  
 کو اچھا بتایا ہے تو اس کے اچھا ہونے کے ہی معنی سمجھتا ہے کہ شاید اس سال مشوق عاشقوں پر مہربان  
 ہو جائیں نہ یہ کہ اس سال قحط نہیں پڑے گا یا دبا نہیں آنے کی بارگاہیں نہیں ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے بھلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے  
 پڑھو نہیں نکو سے یوں راگ سے صبیحہ با اک و زچھیر ٹپے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے  
 کیوں نہ ٹھیریں ہر تباہ و بیداد گم آپ اٹھا لاتے ہیں گرتیر خطا ہوتا ہے  
 رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں مٹا آج کچھ دردِ درے دل میں سوا ہوتا ہے  
 رگوں میں دڑتے پھرنے کے ہم نقیض جب آنکھ ہی سے نہ چکا تو پھر ہو کیا ہے  
 وہ چیز جس کے لئے ہلکے ہو بہشت عزیز سواے بادۂ گلغام مشک ہو کیا ہے  
 میری قسمت میں غم گرانہ تھا دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

غم لکھیں گے رنجِ طلب کچھ نہ  
 ہم تو ہیں عاشقِ تمہارے نام کے  
 عشق نے غالب نکلا کر دیا  
 در نہ ہم بھی آدمی تھے کام کے  
 چہر اس انداز سے بہار آئی  
 کہ ہونے مہر وہ تماشا ئی  
 دیکھو اسے ساکنانِ غمِ خاک  
 اسکو کہتے ہیں عالمِ آرائی  
 کہ زمیں ہو گئی ہے سب تاسر  
 روکشِ سلجِ حبیبِ سیستانی  
 سبزے کو جب کیس جلا نہ فی  
 بن گیا روئے آب پر کانی  
 سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے  
 چشمِ زگس کو دی ہے بینائی  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر  
 بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی  
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب  
 شاہِ دیندار نے شرفِ پائی  
 کب وہ ستابے کمائی میری  
 اور پھر وہ بھی نہ بانی میری  
 قدر سنگِ سہرہ دکھتا ہوں  
 سخت ازراں ہے گرانی میری

گرانی کے سنی بھاری پن کے بھی ہیں اور بیش قیمت ہونے کے بھی کتاب ہے کہ میری قدر اُس پتھر  
 کی سی ہے جو راہ کے سرے پر پڑا ہو اور ہر شخص آتے جاتے اُس پر پاؤں رکھ کر گذرے یعنی ہوں تو  
 گراں قدر مگر اُس پتھر کی طرح بے قدر ہوں پس میری گرانی کس قدر ازراں ہے۔

دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا  
 کھل گئی ہے چھدانی میری  
 جس زخم کی ہو سکتی ہو تیر زہری  
 لکھتے محبوبِ یارِ با سے قسمت میں دو کی  
 اچھا ہے سرِ انگشتِ خانی کا قصہ  
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لبو کی

عاشقِ غافل  
 عارفِ غافل  
 غافلِ غافل  
 غافلِ غافل  
 غافلِ غافل

عاشقِ غافل  
 عارفِ غافل  
 غافلِ غافل  
 غافلِ غافل  
 غافلِ غافل

عاشقِ غافل  
 عارفِ غافل  
 غافلِ غافل  
 غافلِ غافل  
 غافلِ غافل

لفظ تو فوجِ دوسرے مصرع میں ہے یہ معنی پیدا کر دیے ہیں کہ آنکھ سے لبوں سے روتے روتے دل میں خون کا ایک قطرہ باقی نہیں رہا۔ اس لئے دوست کے سرِ نداشتِ خانی کے تصور کو کیفیت سمجھتا ہے کہ اسکی وجہ سے دل میں لبوں کی ایک بوند تو نظر آتی ہے۔

نچھٹا

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی چوٹ لگی سے یہاں تو کوئی سُنتا نہیں فریاد کو  
بہتر صلیٰ یعنی کم طرفی تیاں سے مراد دنیا معشوق سے کہتا ہے کہ تو اس بات سے کیوں ڈرتا ہے  
کہ ہم عاشق لوگ تیرے جور و ظلم سے تنگ آکر حاکم سے یا خدا سے تیری فریاد کر گئے کیونکہ اگر ہم ایسا  
کریں بھی تو یہاں کوئی کسی کی فریاد ہی نہیں سُنتا۔

سب سے زیادہ

چاک مت کر جب بے ایام گل کچھ اُدھر سے کرا بھی اشار اچا ہے  
پھول کے کھلنے کو چاک گریاں سے سمجھا تشبیہ دی جاتی ہے کہتا ہے کہ ہر ایک کام بخیر کی ہدایت سے  
کرنا چاہئے، پس جب تک پھول اپنا گریبان چاک نہ کرے تو بھی گریبان چاک مت کر ہمیں لطف  
یہ ہے کہ مجنوں کو ہمیشہ بہار میں جوشِ جنوں زیادہ ہوتا ہے۔

نہایت سے  
نہایت سے  
نہایت سے

پلاوے اوک سے ساتی جو نہ تو نفرت ہے پیالہ گرنیس دیتا نہ شراب تو دے  
ہاں کھا پڑ مت فریبِ ہستی ہر چیز کیس کہ ہے - نہیں ہے  
کیوں نہ تو قبیح کرے ہے زاہر مے ہے یہ یگس کی تے نہیں ہے  
گس کی تے یعنی شہد زاہد جو شہد کے پینے کو موجبِ ثواب جانتا ہے اور شراب سے نفرت کرتا ہے  
اسکو شراب کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جتنا ہے کہ نفرت کی چیز شراب نہیں ہے بلکہ وہ چیز ہے جو  
گس کے تے کوئے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسے وہاں بھی شور مچانے نہ دے لینے دیا  
لے گیا تھا گو میں ذوقِ تن آسانی مجھے  
وعدہ آنے کا وقت کبھے یہ کیا انداز ہے  
تھے کیوں سوچی ہے میری گھر کی زبان مجھے  
وفا سے وعدہ کے انتہا میں گھر سے کہیں نہ جانے کو اس طرح بیان کرنا کہ تھے یہ گھر کی درباری مجھے  
سوچ دی ہے باطل نیا پر یہ بیان ہے۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھ سے ہو گئے  
عشق سے آئے تھے نانی میرا صاحب مجھے  
کبھی نئی بھی اسکے جی میں لڑنا کہ ہے مجھے  
جھائیں کے اپنی یاد شہر جا جائے ہو مجھے  
میں اس خیال سے کہ تمام عمر اس پر غم کئے ہیں اب تمہاری سی نئی کرنے سے اسکی کیا تلافی ہو سکتی ہے نئی  
نہیں کر سکتا۔

بھٹکے دے مجھے اونا امید کی کیا تھی  
کہ دامانِ خیالِ بار چھوٹا جائے ہے مجھے  
ہوئے ہیں باہوی پہلے ہر عشق میں نئی  
نہ بھاگا جا کے ہو مجھے نہ ٹھہرا جاوے ہے مجھے  
وہیں جدائی کیفیات کی تیش عسرسات کے ساتھ دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ تو ہے جن سے عشق  
کے ترک کرنے یا اسکے شدائد پر غم کرنے کی قدرت تھی ابتدا سے عشق میں انھیں کو مدد پہنچا ہے پس  
اب عشق ترک ہو سکتا ہے نہ اسپر میری نقل کیا جا سکتا ہے۔

باز یہ اطفال ہے دنیا ہے آگے  
ہوتا ہے شبِ دروز تماشائے آگے  
اک کہیل ہے اور نگہِ ملیاں سے نزدیک  
اک بات ہے اعجازِ مہر ہے آگے  
وہ نیسترسی پر دل میں جیتا تر جائے  
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کئے  
سفینہ جیکہ کنارے پر آگاہ غالب  
خدا سے کیا ستم جو بڑا خدا کئے

انتظار

عاشقِ شاد

عاشقِ شاد

عاشقِ شاد

رونے سے اور عشق میں میاں ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ سب پاکی ہو گئے  
 دھویا جانا۔ بے شرم و میاں ہونا۔ پاک۔ آزاد یا شہداء۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک تک سے آنسو نہیں  
 نکلے تھے تو اس بات کا پاس و لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے مگر جب روضہ ضبط نہ ہو سکا  
 اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو خفا سے راز عشق کا خیال جاتا رہا اور ایسے بے شرم و بے حجاب  
 ہو گئے کہ آزادوں اور شہداء کی طرح کھل کھیلے اس مطلب کو ان لفظوں میں ادا کرنا کہ "رونے سے ہم  
 دھوئے گئے کہ بالکل پاک ہو گئے"، بلاغت اور حسن بیان کی انتہا ہے

کرنے گئے تھے اُسے تغافل کا ہم گلہ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
 شاہِ حقیقی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے اُسکو تغافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ  
 کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سحابی بھی کہتا ہے  
 رباعی

اے زاہد و عاشق از تو در نا لہ و آہ دُور تو و نزدیک ترا حال تباہ

کس نسبت کہ جاں از تو سلامت ببرد اں را بہ تغافل کشی این را بہ نگاہ

پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اُسکے تغافل سے تنگ کر شکایت کی تھی اور یہی تو ہے کہ  
 ہرے تھے جب اسنے توبہ کی تو ایک ہی نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا۔

جب تنگ مانِ خم نہ پیدا کرے کوئی

صوفیہ کی اصطلاح میں محاورت اور مسامت (یعنی عہد اور شہرہ)

کامین اور وفا کو حاصل ہوتے ہیں کہ ہے کہ شاعر



نہیں ہو سکتی بلکہ اسکے لئے وہ ان زخم پیدا کرنا چاہئے مینی جب تک دل تیج عشق سے مجروح نہ ہو یہ تہیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

سر رہوئی نہ وعدہ صبر آزماسے عمر فرصت کہاں کہ تیری تنہا کرے کوئی  
مینی ساری عمر تو مہر کی آزمائش ہی میں گزرنی پھر تیرے لئے کی تنہا کس وقت کی جاتی۔

بات پر وہاں زبان گھٹی ہے وہ کہیں اور تنہا کرے کوئی

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک دو اگر غلط چلے کوئی ڈھانک لو اگر خطا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کہے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کیا گلا کرے کوئی

ہزاروں خواہشیں کی ہر خواہش پر دم نہکلے بہت نکلے ہر ارمان لیکن پھر بھی کم نہکلے

خواہش پر دم نہکلنا اسکے پورے ہو نیلے لئے جلدی کرنا چاہئے کہتے ہیں کیوں دم نہکلا جاتا ہے یا کیوں دم نہ

جاتے ہو مینی کیوں جلدی کرتے ہو پہلے مصرع میں نقصانے مقام یہ اتفاق کہ ”دل میں باقی ہیں“

قدرانے چاہئیں باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

تو کہ آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن بہت سے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

سست کے لفظ پر زور دینا چاہئے تاکہ آدم کی نسبت زیادہ بے آبروئی کے

انہما اگر اس کو پیرچہ زخم کا بیج و زخم نہکلے

علاقہ  
نہضی  
آفاق  
علاق  
نہضی  
آفاق  
نہضی  
آفاق

بہشت میں نہیں ہے فرق  
بہشت میں نہیں ہے فرق  
بہشت میں نہیں ہے فرق  
بہشت میں نہیں ہے فرق

بہشت میں نہیں ہے فرق یعنی اور مرنے کا  
کماں بنجانے کا دروازہ غالب کماں دہلا  
اُسی کو دکھ کر جیتے ہیں جگ فریڈم کے  
پرانا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم  
وہ آئے یا نہ آئے پہیال انتظار ہے  
اسے پر تو خورشید جاتا نہ کر بھی  
سائے کی طرح ہم پر عجب قوت ہے

یہ خطاب ہے آفتاب حقیقت کی طرف۔ کتا ہے کہ میا سا یہ شتم جو ہے اور فی الواقع اُسکی کچھ  
ہستی نہیں ہے اُسی طرح ہم بھی اس دھوکے میں پڑے ہیں اگر آفتاب حقیقت کی کوئی تجلی ہم پر  
لغو فگن ہو جائے تو یہ دھوکا جاتا رہے اور ہم فنا فی الشمس ہو جاویں؛ کیونکہ جہاں آفتاب چکا اور  
سایہ کا فور ہوا۔

بہشت میں نہیں ہے فرق  
بہشت میں نہیں ہے فرق  
بہشت میں نہیں ہے فرق  
بہشت میں نہیں ہے فرق

اک خوشچکاں کفن میں کر دوں بناؤں میں  
یہ شعر حقیقت و مجاز دونوں پہلو رکھتا ہے؛ مگر بہ نسبت مجاز کے حقیقت پر زیادہ چسپان ہے۔  
داعظانہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو  
کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کی  
کیا فرم ہے کہ کب کوٹ لیتا جو ب  
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں گوہ طور کی  
گرمی سہی کلام میں لیکن اس قدر  
کی جس سے بات اُسنے شکایت منور کی  
غالب اگر اس سفر میں مجھے ساتھ ہے  
حج کا ثواب نذر کر دگا حضور کی

اس شعر سے مرزا کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اُس زمانے میں لکھی تھی جبکہ  
بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ مرزا اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ جانے کا کمال  
اشتیاق ظاہر کرتے ہیں؛ یہاں تک کہ اُسکے لئے منت مانتے ہیں؛ مگر منت یہ مانتے ہیں کہ حج کا

نواب حضوری نذر کرونگا۔ اُدھر سفر حج کا وہ اشتیاق اور اُدھر حج کے ثواب کی یہ بقدری۔

غم کھانے میں بودا دل کا کام بہت ہے      یہ سچ کہ کم ہے نئے کلفام بہت ہے  
کتے ہوئے ساتی سے جی آتی ہے جھکو      ہے یوں کہ مجھے دُر دہ جام بہت ہے

یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تمبھٹ بھی میرے لئے کافی ہے مگر اس خیال سے کہ ساتی  
مجھے ذلیل و کم قیمت اور قانع بیچ نہ مجھے اُسپر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

نے تیر کماں میں ہے نہ متیا کوس میں      گوشے میں نفس کے مجھے آرام بہت ہے

یعنی جو شخص گناہی اور کس میری کی حالت میں ہوتا ہے اُسکا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا ساری  
غریبیاں شہرت اور اقدار اور نام و نمود کے ساتھ وابستہ ہیں۔

بلا سے گرفتار تشنہ بخوں ہے      رکھوں کچھ اپنی بھی ترکانِ خشتاں کھلے  
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں شناس خلقِ خضر      نہ تم کہ چور بنے غمِ جاوداں کے لئے  
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر      کہے نفس میں فراہم من آشیاں کے لئے

اس سے زیادہ کوشش کی جتنی کسی پیرائے میں بیان نہیں ہو سکتی۔

گدا سمجھکے وہ چپچامری جو شامت ہے      اٹھا اور اٹھکے قدم نیسے پاسبان کھلے

اُردو غزل میں ایسے بلیغ اشعار شاید دوسری چار اور نکلیں گے۔ مولانا آرزو جو مرزا کی طرز کو نام

رکتے تھے وہ بھی اس شعر کے اندازِ بیان پر پروا نہ تھے۔ ہم نے مقدمہ میں بھی اس شعر پر کچھ بہار

کیا ہے یہاں اُسکی ایک اور خوبی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو واقعہ مرزا نے اس شعر میں

بیان کیا ہے اُس میں دو باتوں کی تصویر کرنی ضروری تھی ایک یہ کہ پاسبان نے قافلے کے ساتھ کیا سلوک

کیا دوسرے یہ کہ قائل پاسبان سے چاہتا کیا تھا سو یہ دونو باتیں بصرحت بیان نہیں کی گئیں مرن  
کنایہ میں ادا کی گئی ہیں مگر صراحت سے زیادہ وضوح کے ساتھ فرما سمجھ میں آجاتی ہیں۔ پہلی  
بات پر لفظ شامت اور دوسری پر قدم لینا صاف دلالت کرتا ہے۔ اس کے سوا دوسرہ کی نشست  
اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیال کو دو مصرعوں میں ایسی خوبی سے ادا کرنا کہ غرض بھی اُس  
طرح ادا کرنا مشکل ہے یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

اس غزل کے اخیر میں چند شعر نواب فرخ آباد کی مح میں لکھے ہیں جنہوں نے مرزا کو نہایت  
اشتیاق کے ساتھ فرخ آباد میں بلایا تھا مگر غالباً مرزا کا وہاں جانا نہیں ہوا اُن مجیدہ اشعار میں  
مرن دو شعر اس مقام پر لکھے جاتے ہیں۔

دیا ہے اور کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے	بنا ہے عیشِ قحطِ حسینِ جاں کے لئے
زمانہ عہد میں ہے اُس کے محوِ آتش	نہیں گے اور تارے آسمان کے لئے

## قطعات

### قطعہ ۱

یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا نے بادشاہ کی حضور میں اس درخواست سے گزرا تھا کہ انکی تنخواہ جو  
ششماہی گندنے پر اکھٹی تھی عینے کی ملاکاتی تھی وہ ماہ بہ ماہ ملا کر چنانچہ اس درخواست کے موافق  
تنخواہ ماہ بہ ماہ ملنے لگی تھی۔

اے شہنشاہِ آسمان اور ملک      اے جہاندارِ آفتابِ آثار

تھامیں اک جناسے گوشہ نشین	تھامیں اک درد مند سینہ نگار
تم نے مجھ کو جو ارد بختی	ہوئی میری وہ گرے بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرہ ناچینہ	روشناسِ ثوابت و سیار
گرچہ از روئے تنگ بے ہنری	ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
کہ گراپنے کومیں کموں حساکی	جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
خدا ہوں لیکن اپنے جی میں کہہاں	بادشہ کا غلام کار گزار
حس نہ زاد اور مرید اور مداح	تھا ہمیشہ سے یہ عریفہ نگار
بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر	نسبتیں ہو گئیں مشتعل چار
نہ کموں آپ سے تو کس سے کموں	مدعا کے صندھوری الاظہار
بیرو مرشد! اگرچہ بھٹکوا نہیں	ذوق آرائش سر و دستار
کچھ تو جارے میں چاہیے آخر	بسم رکھتا ہوں۔ ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدائیں ہے ابکے سال	کچھ جایا نہیں ہے ابکی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ	بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
آگ تاپے کہاں تلک انسان	دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی	دقتا رہتا عذاب انار

♦ بادشاہ کی ملازمت سے پہلے بھی مرزا کی آمد و رفت تقویں جاری تھی اور مرتبہ فیصلہ برابر بادشاہ کے ہاں گزرتے تھے اور نعمت پاتے تھے ۱۱

میری تنخواہ جو مت زہے      اُس کے ملنے کا ہے عجب بھار  
 رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک      خلق کا ہے اسی چیلن بہار  
 مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیہ حیات      اور چھ ماہی ہو سال میں بار  
 بلکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض      اور رہتی ہے سود کی تکرار  
 میری تنخواہ میں بٹھائی کا      ہو گیا ہے شریک ہو کار  
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں      شاعرِ نثر گوے خوش گفتار  
 رزم کی داستان گرسنے      ہے زباں میری تیغ جو ہر دار  
 بزم کا التزام گرتے کچے      ہے قلم میری ابرو گوہر بار  
 ظلم ہے گردنِ دو سخن کی داد      قلم گر کرو نہ مجھ کو پیار  
 آپ کا بندہ اور پھروں تنگ      آپ کا نوکر اور کھاؤں دھار  
 میری تنخواہ کچے ماہ باہ      تا نہو مجھ کو زندگی دشوار  
 ختم کرتا ہوں اب دعا پر کلام      شاعری سے نہیں مجھے سروکار  
 تم سلامت رہو ہزار برس      ہر برس کے ہوں ان پچاس ہزار

قطعہ ۲

گو ایک پادشاہ کے سباز زاد ہیں      دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

شاعری سے مراد یہاں مسنت شاعرانہ ہے جو کہ قطعہ مرزائے اپنے خاص درجے کے خلاف بت سیرھا سادہ لکھا ہے تو دعا  
 بھی ایسی ہی سیرھی سادی ہے جیسے کسی طرح کی مسنت شاعرانہ نہیں ہے ۱۱

کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کرتے ہوئے سلام ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنائیں  
 پادشاہ کے دربار کا یہ داب تھا کہ آپس میں جو دہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ماتھے پر ہاتھ  
 رکھنے کی جگہ دیاں ہاتھ دایں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے  
 کے یہی معنی ہیں کہ ہم آشنائیں اس لئے مرزا نے اسکو اس پرانے میں بیان کیا ہے۔

### قطعہ ۳

نہ پوچھ سکی حقیقت - حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی  
 نہ کھاتے گیسوں - نکلتے نہ غلہ سے باہر جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی  
 جب پادشاہ کوئی عمدہ چیز کپواتے تھے تو اکثر مصاحبین اور اہل دربار کے لئے بطور ادولش کے  
 بھیجا کرتے تھے اس کے شکریے میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی پادشاہ کے حضور میں گذراتے  
 تھے یہ قطعہ بھی اسی قبیل کا ہے۔

جس وقت چوہدار بادشاہی یہ ادولش لیکر آیا ایک باہر کا رہنے والا طالب علم جو مرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا  
 موجود تھا۔ چوہدار کے چلے جانے کے بعد اسے مرزا سے متعجب ہو کر پوچھا کہ بیسنی روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ  
 پادشاہ کی سرکار سے بطور ادولش کے تقسیم ہوتی ہے؟ مرزا نے کہا ”اسے احق اچناوہ چیز ہے کہ اسنے  
 اکینہ خد جناب انہی میں فراہم کی تھی کہ دنیا میں مجھ پر بڑے ظلم ہوتے ہیں! مجھے دلتے ہیں، پستے ہیں، سبوتے  
 ہیں، بجاتے ہیں، اور مجھے سیکڑوں کھانے کی خیریں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہو رہا ہے ایسا  
 کسی پر نہیں ہوتا۔ نہ اس سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جاوے، ورنہ  
 ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھا جائیں“

## قطعہ ۴

شعر

انصارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو      اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کر  
جس پاسِ روزہ کھولے کھانے کو کچھ نہ ہو      روزہ اگر نہ کھا دے تو ناچار کیا کر  
مرزا ایک خط میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعہ بھی رمضان کے مہینے میں پادشاہ کی حضور میں پڑھا گیا تھا جسکو  
پادشاہ اور تمام معاصمین جو دربار میں موجود تھے بے اختیار ہنس پڑے۔

## قطعہ ۵

شعر

سہل تھا سہل دے سخت مشکل آپری      مجھ پہ کیا گذری گی اتنے روزِ مافرن ہوئے  
تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد      تین سہل تین تبریریں سب کے دن ہوئے  
ایک شعر میں سہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل جنہیں حکیم چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عدد کی سے  
بیان کی ہے یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے۔

## قطعہ ۶

شعر

یہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے      جہاں میں جو کوئی نفع و فساد کا طالب ہے  
ہو انہ غلبہ سے کبھی کسی پر نہ مجھے      کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

## رباعیات

## رباعی ۱

شعر

مشکل ہے زبں کلام میرا اے دل      سن چکے اُسے سخنِ نوانِ کامل

۱۔ شریکِ نابینا کی کتہ میں ملا جلد در سر شریکِ غالب ہو۔ شریکِ ناب کے خدیں جو لطف دے رہا ہے۔



آساں کسے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل و اگر گویم مشکل  
 اس انیر کے مصرع میں دوسری پیدا ہو گئے ہیں ایک یہ کہ اگر انکی فرمائش پوری کروں اور آساں شعر  
 کہوں تو یہ شکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اتفاق کے خلاف ہے اور آساں نہ کہوں تو یہ شکل ہے کہ وہ بڑا  
 مانتے ہیں اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس باب میں صاف صاف بات کہتا ہوں تو مخمور کا کل  
 کی نامی اور کندہ ذہنی ظاہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو آپ لازم تھکرتا ہوں پس طرح مشکل ہے

## رباعی ۲

بیمبھی ہے مجھے جوشاہ جم جاہ نے دال ہے لطف عنایت شہنشاہ پہ دال  
 یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال  
 پادشاہ کے ہاں سونگ کی دال پکا کرتی تھی جہاں شاہ پسند کسلاتی تھی یہ رباعی اسکے شکر میں لکھی گئی ہے

## رباعی ۳

حق شکی بقا سے خلق کو شاہد کرے تاشاہ شہد و دانش و داد کرے  
 یہ دی جو گئی ہے رشتہ عسمر میں گانٹ ہے صفر کہ انزائش اعداد کرے

## رباعی ۴

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے  
 کہتے ہیں کیس خدا سے اللہ اللہ!!! وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

اس رباعی میں مرزا نے غایت درجہ کی شوخی کی ہے جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے کہتا ہے  
 ہم ہر چند دربار کے با اختیار لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں مگر وہ ہماری کامروائی میں درنگ

ادبیت و عمل کرتے ہیں۔ ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں پھر یہ خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و عمل کرنے کو کہتے ہیں چونکہ صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے تو خدا کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر اصل مقصود یہی ہے کہ کامرانی میں یہی لیت و عمل وہاں ہوتی ہے یہی کہیں نہیں ہوتی کہ اکثر ساری عمر امید ہی میں گزر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

### رباعی ۵

سامان خورد خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں  
روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن خن خاؤں و بر قاب کہاں سے لاؤں  
یہ رباعی بھی اسی قطعہ کے ساتھ جس میں روزے کا مضمون بندھا ہے دربار میں پیش کی گئی تھی۔

### رباعی ۶

کہتے ہیں کباب وہ مردم آرائیں مشاق کی پیش سے اُسے مائیں  
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر مانوں کہ اُس میں تلوائیں  
یہ رباعی عاشقانہ ہے اور بالکل نیا مضمون ہے ظلم سے اٹھ اٹھانا اُس سے دست بردار ہونا اور اسکو ترک کرنا باقی الفاظ کے معنی ظاہر ہیں۔

### رباعی ۷

ان بیم کے بھوں کو کوئی کیا جانے نبھے ہیں جو ارغناں شہر ڈلانے  
گہن کر دیویں گے ہم دعا میں تلوار فیروزے کی قبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے سیم کے بچوں کا سالن بھیجا ہے، اس کے شکریے میں رباعی لکھی ہے۔ بڑا فرزند و مہربانی  
شکل کا ہوتا ہے وہ سیم کے بچے سے بہت شائبہ ہوتا ہے۔

## نثر اردو

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شہزادہ تھیں فارسی میں خط کتابت کرتے تھے، مگر سندھ کو رہیں جہاں پنجابیوں کی خدمت پر مامور کئے گئے، اور بدلتن مہر نذر کے لکھنے میں معرود ہو گئے، اس وقت بغیر ت انکو اردو میں خط کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثر میں اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوت تمثیل کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غائب معلوم ہوتا ہے نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب انکی ہمت مہر نذر کی ترتیب انشائیں معرود تھی مرود ہے کہ اس وقت انکو فارسی زبان میں خط کتابت کرنی۔ اور وہ بھی اپنی مرضی خاص میں۔ شاق معلوم ہوتی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے غالباً شہزادہ کے بعد سے اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ در زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف۔ کے مددوں سے محنت پڑی اور جگہ گادی کی قوت فہم میں نہیں رہی حرارت غریبی کو تو وال ہے اور یہ حال ہے معطل ہوئے توے غالب اب عناصر میں اعتدال کمال

غالباً اردو زبان میں تحریر اختیار کرنے کو مرزا نے اول اول اپنی شان کے خلاف سمجھا ہوگا۔ مگر بعض اوقات انسان اپنے جس کام کو حقیر اور کم وزن خیال کرتا ہے وہی ایسی شہرت اور قبولیت کا باعث ہو جاتا ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان میں جس قدر انکی

اُردو شریکِ اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظم اُردو اور نظم فارسی اور شرفارسی سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ ہولگ عموماً مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے؛ اور انکے اُردو دیوان کو بھی ایک علی تہہ کلام عام افہام سے بالاتر سمجھتے تھے؛ مگر لوگوں کا ایسا خیال کرنا محض تقلیدِ اُتھا تھا۔ وہ خود اپنے ایک مرتبہ دان اور پایہ شناس دوست کو خط میں لکھتے ہیں ”میرے فارسی قصیدے کو جنہر بمحکمہ ناز ہے کوئی انکا لطف نہیں اُٹھاتا مگر بطریق اذعان کہ یہ شخص فارسی خوب کہتا ہے۔ دکن کہاں اور ادراک پایہ معنی کہاں؟ تاریخ قمریہ (یعنی مہرِ خیرِ دوز) کے پانسانت جزوِ چوکے پاس بھیجے ہیں میری خاطر نہ کیجیے؛ انصاف سے کہئے کہ یہ نشر کیسے ہو ہے؟ اور پھر اُس نثر کا کوئی شائق نہ ہو“ اگرچہ مرزا کی اُردو شریکِ قدر بھی جیسی کہ چاہئے ویسی نہیں ہوئی۔ چنانچہ بعض افشل تحریریں میں دیکھا گیا کہ اُردو سے معلیٰ اور بدستان خیال کی مبدلت کو ایک مرتبے میں رکھا گیا ہے؛ لیکن پھر بھی مرزا کی اُردو شریکِ قدر دان بہ نسبتِ ناقدرِ دانوں کے ملک میں بہت زیادہ نکلیں گے۔

مرزا کی اُردو شریکِ زیادہ تر خطوط و رقعات ہیں؛ چند تقریریں اور دیباچے ہیں؛ اور تین مختصر رسالے ہیں۔ جو بہرِ بانِ قاطع کے طرفداروں کے جواب میں لکھے ہیں؛ لطائفِ غیبی، تاریخِ تیزِ اوار، نامہٴ غالب۔ اسکے سوا چند اجزا ایک نامِ تامِ نفع کے بھی ہیں۔ جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز انکے خطوط ہیں جن میں سے زیادہ تر اُردو سے معلیٰ میں اور اُس سے کم عودِ ہندی میں جمع کر کے چھپوائے گئے ہیں۔ اور بہت سے خطوط ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوئے ہیں۔ جواب تک شائع نہیں ہوئے۔ مگر عنقریب بعض اجاب کا ارادہ اُنکے چھپوانے کا ہے۔

مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے ترالا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا، اور نہ اُنکے بعد کسی سے اُسکی پوری پوری تقلید ہو سکی۔ اُنھوں نے خط و کتابت کا پرانا اور فرسودہ طریقہ اور ادبیت سی باتیں جنگ و تیرتلیں نے لازم نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا مگر حقیقت فضول اور دور از کار تھیں سب اُرادیں۔ وہ خط کو کبھی سیماں، کبھی برخوردار، کبھی بھائی صاحب، کبھی ہماراج، کبھی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہیں؛ اُسکے بعد مطلب لکھتے ہیں۔ اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسے مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً اُنکو یہ لکھنا تھا کہ ”محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا۔“ مینے پوچھا کہ لوہار کی سولیا روانہ ہو گئیں؟ اُسنے کہا ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا کیا آج نہ جائیگی؟ اُسنے کہا آج ضرور جائیگی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“ اس مطلب کو اُنھوں نے اسطرح ادا کیا ہے ”محمد علی بیگ اوھر سے نکلا۔ بھی محمد علی بیگ۔ لوہار کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ حضرت ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائیگی؟ آج ضرور جائیگی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“

میر ہمدی مجروح کو خط لکھا ہے؛ اُسیں لکھنا یہ ہے کہ میر نصاحب آئے اور اُنسے یہ یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اس طرح نہیں لکھتے بلکہ اُسکو اسطرح شروع کرتے ہیں ”اے میر نصاحب السلام علیکم۔ حضرت آداب۔ کہو صاحب آج اجازت ہے میر ہمدی کے خط کا جواب لکھنے کی؟ حضور میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں؛ پھر آپ کیوں تکلیف کریں۔ نہیں نصاحب اُسکے خط کو اُنے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں وہ تھا ہوا ہوا گا؛ جواب لکھنا ضرور ہے۔ حضرت وہ آپ کا

فرز نہیں آپ سے تھا کیا ہونگے۔ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟ سبحان اللہ اسے تو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔  
 اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر یہ کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میری مہدی کو خط لکھوں۔ کیا عرض کروں؟  
 سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں ستا اور خط اٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں  
 تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوے۔ میں اب غائب ہو کر رہتا ہوں؛ میری روانگی کے تین دن پہلے  
 آپ خط شوق سے لکھنے لگا۔ میاں بیٹو، ہوش کی خبر لو؛ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا اطلاع؟  
 میں بڑھا آدمی بھولا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا اور آج تک اُسے خط نہیں لکھا۔ لاجلہ و لا قوہ“  
 اسکے بعد میری مہدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں۔

بعضی جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اُسکو غائب فرض کر لیتے ہیں؛ یہاں تک کہ جو لوگ  
 مرزا کے انداز بیان سے واقف نہیں وہ اُسکو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً میری مہدی کو لکھتے  
 ہیں ”میری مہدی! جیتے ہو۔ آفریں صد ہزار آفریں۔ اُردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے  
 کہ مجھ کو رشک آنے لگا ہے۔ سنو دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی کوٹ پنجاب اعلا میں گئی ہے  
 یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی؛ سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا رہ گیا۔  
 مگر میں نے اُسکو کھل کیا؛ اللہ برکت دے“

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ایک ظالم سے مراد خود میری مہدی مجروح ہیں؛ کیونکہ غدر کے بعد وہ پانی پت کے  
 محلے مذکور میں کئی سال مقیم رہے تھے۔ مگر جو لوگ مرزا کی تکمیل جاہوں سے ناواقف ہیں وہ غلطی سے اُسکے  
 دوسرے معنی سمجھ جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو اس خیال سے کہ اتم بھی پانی پت انصاری محلے کا رہنے والا ہے۔

ان الفاظ سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے میری نسبت لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ میں نے جس قدر ان کو سمجھایا کہ یہ خود میر محمدی ہی کی نسبت لکھا ہے، میری نسبت نہیں لکھا، اسی قدر ان کو اس بات کا زیادہ خیال ہوا کہ میں ازراہ کس نفسی کے ایسا کہتا ہوں۔

مغربی طریقے پر جتنے لکھے جاتے ہیں انہیں اکثر اس قسم کے سوال و جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں ہم اوپر دکھائے ہیں۔ مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سر پر سائل اور مجیب کا نام یا آٹکے ناموں کی کوئی علامت لکھی جاتی ہے، ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ سوال کہاں قلم ہوا؟ اور جواب کہاں سے شریع ہوا؟ مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے، اور نہ آٹکے نام کی علامت لکھتے ہیں۔ مگر سوال یا جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے؟ اور جواب کیا؟ شاید قلمبند یا فوڈل میں یہ بات نہ چل سکے، مگر خط و طیس تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کر دی ہے۔

مرزا کی مرز تحریروں کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ انکی پیروی نہ کر سکیں، مگر وہ چیز جسے ان کے مکاتبات کو فوڈل اور ڈرا اسے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ خوشنوی خیر ہے جو کتابت یا شش و مہارت یا پیروی و تقلید سے حامل نہیں ہو سکتی، ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط کتابت میں مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے، اور اپنے مکاتبات کی بنیاد مذکورہ سنجی و ظرافت پر رکھنی چاہی ہے۔ مگر انکی اور مرزا کی تحریروں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور ہروپ میں ہوتا ہے۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے تار کے تار میں سرسبز ہوتے ہوتے ہیں، اور قوت تخیل جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے اسکو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو چار کے ساتھ۔ اگرچہ مرزا کے بعد شراورد میں بے انتہا وسعت اور ترقی ہوئی ہے، علمی، اخلاقی، اقتصادی

سوشل، اور انہیں مضامین کے لوگوں نے دریا بھاڑ دیے ہیں؛ بانیوگنی اور نودل میں بھی متعدد کتابیں نہایت ممتاز لکھی گئی ہیں؛ باوجود اسکے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دائرے میں ملحوظِ دلچسپی اور لطفِ بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصبِ العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ کتبِ الیہ اسکو چھوڑ کر محفوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا کتبِ الیہ ہوتا تھا اسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے؛ اُس میں اُن کی لڑکی کو جو بچپن میں مرزا کے سامنے آتی تھی اور اب جوان ہو گئی ہے۔ بعد دعا کے لکھتے ہیں ”کیوں بھی اب ہم اگر کوئل آئے بھی تو تلو کو کوئل نہ دیکھیں گے؛ کیا تمہارے ملک میں بھتیجیاں چپا سے پردہ کرتی ہیں؟“

ایشلاً نواب امیر الدین احمد خاں کو جواب لکھا ہے۔ اُنکے بچپن کے زمانے میں اُنکے رتبے کا جواب جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا۔ اس طرح لکھتے ہیں ”اے مردمِ چشمِ جہاں میں غالب۔“ اپنے انتہا کے معنی سمجھو؛ یعنی چشمِ جہاں میں غالب کی تیلی۔ چشمِ جہاں میں تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین صاحب بادشاہ اور تیلی تم۔ میاں تمہارے دادا تو نواب امین الدین خاں بادشاہ ہیں؛ میں تو صرف تمہارا دل دادہ ہوں۔

ایک دوست کو دسمبر ۱۸۵۹ء کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے اُنہوں نے اسکا جواب جنوری ۱۸۶۰ء کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا اُسکے جواب میں اُنکو اس طرح لکھتے ہیں ”دیکھو صاحب یہ باتیں محسوس نہیں؛ ششہام کے خط کا جواب ششہام میں بھیجتے ہو؛ اور فرایہ کو جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے“



ایک دوست کو رمضان میں خط لکھا ہے؛ اُس میں لکھتے ہیں ”دعویٰ بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں؛ مگر روزے کو بھلاتا رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا، کبھی حقہ پی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کھا لی کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب نرم رکھتے ہیں؛ میں تو روزہ بھلاتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے؛ اور روزہ بھلانا اور بات ہے۔“

جس زمانے میں برہان قاطع پراعتراض لکھے ہیں اور لوگوں نے مزار کی سخت مخالفت اور تفت برہان کی حمایت کی ہے ایک خط میں صاحب برہان کا ذکر کرنے کے بعد اُسکی اور اُسکے طرفداروں کی نسبت لکھتے ہیں ”ان فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی کی لکھی ہوئی کوئی فرہنگ ہو تو ہم اُسکو مانیں؛ ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ ایک گائے کا بچہ بزرگ سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا؛ بنی اسرائیل اُسکو خدا سمجھے۔“

ایک خط کے آخر میں جو نواب علاؤ الدین خاں کو لکھا ہے۔ لکھتے ہیں ”اُستاد میر جان کو اس آہ سے کہ میر تقی میرؒ اپنی انجمن میں اور میرؒ کے چھوٹے ہیں۔ دعا۔ اور اس رُوسے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی بن۔ وصال کی رعایت نہیں کرتے۔ سلام۔ اور اس سبب سے کہ اُستاد و کلماتے ہیں۔ بندگی۔ اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں۔ درود۔ اور موافق معنون اس مصرع کے ”سوسے اشتہاد اشتہافی الوجود“۔ موجود۔“

ایک خط میں برسات کی شدت کا ذکر کرتے کرتے لکھتے ہیں ”دیوانہ خانے کا مال جلسہ اسے سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا؛ فقدانِ راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہو گئی ہے؛ ابرو دو گھٹنے“

برے تو حجت چار کھٹے برتی ہے۔

نواب علاؤ الدین خاں اور انکے والد نواب امین الدین خاں میں کچھ شکریہ بھی ہے۔ باب دلی آئے ہیں اور بیٹے کو لوہارو چھوڑ آئے ہیں۔ مرزا نواب علاؤ الدین خاں کو خط میں لکھتے ہیں ”سنا گیا کہ نواب امین الدین خاں صاحب نے اپنی کوٹھی میں تزلزل اجلال کیا۔ پھر دن رہے ازراہ ہربانی ناگاہ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے؟ بجائی صاحب جو بے کج بیتی یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے۔ اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اتنا ہی جتنا تم اسکو چاہتے ہو۔ ہنسنے لگے۔ غرض کہ میں نے بظاہر انکو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگوں کے دینی احمد بخش خانیوں کے) دلوں کا اللہ مالک ہے۔“

ایک دفعہ کثرتِ اغراجات سے تنگ آکر بعض ضروری خرچ بند کر دئے ہیں یہاں تک کہ شراب پینا بھی چھوڑ دیا ہے۔ نواب علاؤ الدین خاں نے اپنے والد کے اشارے سے اسکا سبب دریافت کیا ہے اور مولوی حمزہ خاں کی طرف سے بطور نصیحت کے مرزا صاحب کو یہ شعر لکھا ہے ”چوں پیر شدی حافظ از سیکدہ بیرون شواخ اسکا جواب اس طرح لکھتے ہیں ”بجائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ اور مرتعہ اور اس سے قرض لیا، اور مرد باری مل کو جا مارا، اور مرغوب چند مہینے سکھ کی کوٹھی جا ٹوٹی، ہر ایک پاس ہنسک مہری موجود، شہد لگاؤ اور چاٹو نہ مول نہ سود۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل بھٹی کے سر باغیچہ کسی خان نے کچھ دیدیا، کبھی اور سے کچھ دوا دیا، کبھی ماں نے کچھ آگے سے بیچ دیا۔ اب بیٹے اور بااثر مرد پے آئے انکے کلکڑی کے، سو روپے رام پور کے، قرض دینے والا ایک میرا تھار کا وہ سود ماہ بہ ماہ لیا جا رہا ہے، مول میں قسط اسکو دینی پڑے، انکم کس جدا، چوکیدارہ جدا، سود جدا، مول جدا،

بنی بلی جدا، بچے جدا، نسا گرد پیشہ جدا، آمد ہی ایک سوا سوا، تنگ آگیا، گندارا شکل ہو گیا، روزمرہ کا کام بند رہنے لگا، سوچا کہ کیا کروں؟ کہاں سے گنجائش نکالوں؟ قبر و دیش بجان درویش صبح کی تبرید بستر کی، چاشت کا گوشت اُدھار، رات کی شراب و گلاب موقوف۔ میں بائیس روپے مینا بچا، روزمرہ کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیر گئے؟ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے پوچھا کہ نہ پیر گئے تو کس طرح جو گئے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ جلا میں گئے۔ بارے مینا پورا نہیں گندھا تھا کہ رامپور سے علاوہ وہ مقرری کے اور روپیہ آگیا۔ قرض مقسط ادا ہو گیا۔ متفرق رہا، خیر جو صبح کی تبرید، رات کی شراب جاری ہو گئی۔ گوشت پورا آنے لگا۔ چونکہ بھائی نے وہ موقوفی اور بجالی پوچھی تھی انکو یہ عبارت پڑھا دینا اور مزہ خاں کو بعد سلام کہنا،

اے بخیر زلالتِ شرب تمام ما، دیکھا ہلکویں پلاتے ہیں۔ در یہے کے نبیوں کے نوڈوں کو پڑھا کر مولوی شہر ہونا اور رسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور رسائل حنیف و نقاس میں غوطہ مارنا اور یہ، اور عرفا کے کلام سے حقیقت حق وحدت وجود کو اپنے دشمن کرنا اور یہ۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب مکن میں شریک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جس کی کبریت میں خاتم المرسلین کا شریک گزانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسلمانوں کو ابوالائمہ کا ہمسرا مانتے ہیں۔ دونخ اُن لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موقد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہوں، اور دل میں لا موجود إِلَّا اللَّهُ، لا توفی الوجود إِلَّا اللَّهُ سمجھا ہوا ہوں۔ انبیا سب واجب التعلیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مقرر فی الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ قطع نبوت کا مطلع اہمیت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین اسی طرح تاحمدی موعود علیہ السلام مدبر ہیں۔

زیتیم ہم پرین گذرم، ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا جانا مقصود نہوگا بلکہ میں دوزخ کا امین ہونگا اور دوزخ کی آج کو تیز کر دینا، تاکہ مشرکین نبوت مصطفوی و امامت مرقنوی اسیس طیں۔۔۔۔۔ سنو! مولوی صاحب تنے کئی فاقوں میں۔ ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ”چوں پریشدی حافظ از میکہ ویرش آغ اور پھر پڑھتے ہو اسکے سامنے کہ اسکی نظم کا دفتر حافظ کے دیوان سے دو چندہ چند ہے؛ مجموعہ شریعہ گانہ؛ اور یہ بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے اور ہزار شعرا کے مخالف ہیں“

ایک خط میں تعلقات خانہ داری کی اس طرح شکایت کرتے ہیں ”سنو! عالم دو ہیں؛ ایک عالم ارباب اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے۔ جو خود فرماتا ہے ”ولمن الملک الیوم“ اور پھر آپ ہی جواب دیتا ہے ”وہ لشرا و احد القہار“ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارباب میں سزا پاتے ہیں؛ لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارباب کے گناہگار کو دنیا میں بھی کرمزاد دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۸۵ھ میں رد بکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ (یعنی پیدا ہوا) تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ساتویں رجب ۱۲۸۶ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس (یعنی نکاح) صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زنداں تھڑ کیا؛ اور مجھے اُس زنداں میں ڈال دیا۔ فکر نظم و شعر و شغف ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیلخانے سے بھاگا تین برس بلا و شرفیہ میں پھرا رہا۔ پایاں کار مجھے نکلنے سے پکڑ لائے؛ اور پھر اسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریزا ہے تو تھکڑاں اور

بیڑی سے ملو اہلیہ اور دو تھکڑوں سے مراد حسین علی خاں اور باقر علی خاں حکوم زمانے کے والدین علیا بن خاں کی وفات کے بعد خود فرزندوں کی طرح پرورش کیا تھا۔

بڑھا دیں۔ پانویٹری سے دنگار، ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار، شفت تفری اور شکل ہو گئی۔ طاقت  
 یک ظلم نازل ہو گئی۔ بے حیا ہوں، سال گذشتہ بٹری کو زادیہ ننداں میں چھوڑا، دو نو ہتھکڑیوں کے بھاگا،  
 میرٹھ مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا، کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر کڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگنا  
 بھاگوں کیا۔ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکمرانی دیکھیے کب صادر ہو؟ ایک ضمیمہ سا احتمال ہے کہ اس  
 ماہ ذی الحجہ میں جھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد ہائی کے تو آدمی سو سے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا، میں  
 نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا۔ فرخ آں روز کو از غار زندان دم + سوی شہر خوار میں ای بی راں بروم +  
 ایک خط مرزا حاتم علی بیگ مہر کو آئی محبوبہ جنا جان کی تعزیت میں لکھا ہے اسیں لکھتے ہیں وہ آپ کا  
 غم فرما رہا ہے۔ دوست علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ انہوں نے جو میرے سامنے اُس مرحوم کا اور اچکا معاملہ  
 بیان کیا یعنی اسکی اطاعت اور تمہاری اُس سے محبت سخت طال ہوا۔ سُنو صاحب شعرا، یہ  
 فردوسی اور فقرہ من بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سرور اور شیرا ہیں۔ شاہ  
 کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجاے فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے لڑکھائے عاشق کی نودیہ ہے کہ  
 مجنوں کی مٹھی نصیب ہو، ملی اسکے سامنے مری تھی تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اُس سے  
 بڑھ کر ہوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری، یہی مثل بچے بھی غضب ہر تے ہیں  
 جیسے ہر تے ہیں اسکو مار کھتے ہیں۔ میں بھی مثل بچے ہوں۔ عمر میریں لیک ۔۔۔ کو میں نے بھی مار کھا ہے  
 خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگِ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کو۔ چالیس  
 سیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ بالآخر یہ کوچہ چھٹ گیا، اس فن سے میں بیگانہ محض ہو گیا ہوں، لیکن کبھی  
 کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اسکا مرزا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گزرتی ہو گی

صبر کرو اور ہمارے عشق مجازی چھوڑو۔ سہی اگر عاشقی کئی و جوانی پے عشق مجاہد بسست و آل محمد پے  
اللہ ماسوائے ہوس۔

ایک اور خط مرزا صاحب موصوف کو اسی چٹا جان کی تعزیت میں اس طرح لکھا ہے۔ مرزا صاحب !  
ہمکو یہ باتیں پسند نہیں ہیں۔ یہ ستر برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی پسیر کی۔ ابتدائی شباب  
میں ایک مرشد کامل نے یہ نصیحت کی تھی کہ ہلکوزہ دور معظوظ نہیں، ہم مانع منق و فخر نہیں، پیو،  
کھاؤ، مرے آزاد، مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی کٹمی بڑا شہد کی کٹمی نہ ہو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل آ رہے۔  
کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے کیسی اشک افشانی؟ کہاں کی مرثیہ خوانی؟ آزاد کی کا  
شکوہ بجا لاؤ، غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چٹا جان نہ سی متنا جان سی۔  
میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قصر ملا اور ایک حور ملی !  
اقامت جادوانی ہے، اور اسی ایک نیکوئی کے ساتھ زندگانی ہے، اس تصور سے جی گھبرا تا ہے، اور  
کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہئے ہئے وہ حور باخیرن ہو جائیگی، طبیعت کیوں نہ گھبرا ئیگی۔ وہی زمر میں کاغ اور  
وہی طوبی کی ایک شلخ، چشم بد دور وہی ایک حور۔ بھائی ہوش میں آؤ کیس اور دل لگاؤ۔

زن نوکن اسے دوست ہر نو بہار کہ تقویم پار سینہ نایہ بہ کار

مرزا حاتم علی بیگ مہرنے اپنی تصویر مرزا کو بھیجی ہے اسکی رسید اس طرح لکھتے ہیں ”علیہ مبارک  
نظر افروز ہوا۔۔۔ تمہارا علیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رنگ نہ آیا کہ واسطے کہ میرا قد بھی  
دراز میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر رنگ نہ آیا کہ واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا  
رنگ چینی تھا اور دیرہ رنگ اسکی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو بھائی پے

سانچا پھر جاتا ہے۔ اس عجکورتک آیا اور میں نے غور جگر کیا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آ گئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری؟ بقول شیخ علی خیز

”نما و شرم بود ز دم چاک گریاں شرمندگی از حسرت و پشیمند دارم“

”جب ڈاڑھی مونچہیں بال سفید آ گئے؛ تیسرے دن چوٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے؛ اس کے بعد یہ ہوا کہ آنگے کے دو دانت ٹوٹ گئے؛ ناچار سستی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی مگر یاد رکھئے کہ اس بخونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام؛ مگر حافظ، بیاضی، نیچر بند، دھوبی، سقا، بھٹیوار، منہ پو ڈاڑھی سر پر بال۔ فقیر نے جس دن ڈاڑھی لکھی اسی دن سر منڈایا۔“

انفرض مرزا کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جن میں اس قسم کی طرافت اور ہنسی کی باتیں مندرجہ ذیل میں بیان تک کہ بچ و افسردگی کا بیان بھی اس قسم کی چھڑ سے خالی نہیں تھا۔ منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں ”بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا؛ یعنی نکل کے دن ۱۸۔ بیچ الاول کو شام کے وقت میری وہ چٹھی۔ کہ میں نے بچن سے تاج تک اسکو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی عجکورتک بھتی تھی۔ مگر۔ آپ کو معلوم رہے کہ برسوں میرے گویا نوادہ می رہے؛ تین بیٹیاں، اور تین بچے، اور ایک باپ، اور ایک دادی، اور ایک دادا؛ یعنی اس مرحوم کے ہونے سے میں طاعتاً کہ یہ نوادہ زندہ ہیں اور ان کے مرنے سے میں جانا کہ یہ نوادہ آج ایک بار مر گئے۔“

ایک ایسی ہی افسردہ تحریر میں نواب امین الدین خاں کو لکھتے ہیں ”آج تم دونو بھائی اس خانقاہ میں

۴۰۰ یاں اس شعر کے لکھنے سے یہ مراد تھی ہے کہ میں تک مجھے موقع ملا برابر ڈاڑھی کا حق ادا کرتا رہا یعنی منڈاتا رہا میں جس میں کسی طرح خیر بندہ نہیں ہوں۔“

شرف الدولہ اور خزانہ کی جگہ ہو، میں لم بدو لم یولد ہوں۔

مذاقبران علی بیگ سالک کو خط میں لکھتے ہیں ”میاں خدا سے بھی ترقی نہیں، مخلوق کا کیا ذکر۔ کچھ بن نہیں آتی، اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ بیخ دولت سے خوش ہوا ہوں، یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کتا ہوں کہ لو غالب کے ایک اور جوتی لگی۔ بہت اڑتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں۔ آج دورِ دُور تک میرا جواب نہیں۔ اے اب تو قرضداروں کو جواب دے بیچ تو یوں ہے کہ غالب کیا برا بڑا لکھ مراد بڑا کا فرما۔ ہم نے ازراہ تعظیم دیکھا بادشاہوں کو بعد ان کے جنت آرام گاہ و عرش نشین خطاب دیتے ہیں، چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلم و سخن جانتا تھا۔ سقر منقر اور کاویہ زاویہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آئے نجم الدولہ بہادر!! ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ ایک قرضدار بھوک سارا ہے۔ میں اُن سے پوچھ رہا ہوں ”ابھی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے اور غلام صاحب! آپ سلجوقی اور ازبکستانی ہیں، یہ کیا بیزاری ہو رہی ہے؟ کچھ تو اگسو، کچھ تو بولو، بولے کیا بیجا، بے عزت؟ کوٹلی سے شراب، گندمی سے گلاب، بزار سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، مران سے دام، قرض لئے جاتا ہے یہ بھی تو سوچنا ہوتا کہاں سے دو لگا،“

فتح دہلی کے بعد جو شہر میں سناٹا ہو گیا ہے اسکی کیفیت ایک خط میں منشی ہر گوبال قنہ کو اس طرح لکھتے ہیں ”صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقعہ ہوا؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت صیقل پائی تھے۔ شکر کئے، دیوان جمع کئے، اہی نہ مانے میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ چارے تمہارے دوست تھے اور منشی بنی بخش انکا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا، نہ وہ اشخاص، نہ وہ معاملات، نہ وہ اختلاط، نہ وہ ایضاط، بعد چند روز



پھر دوسرا جہم ہجوم ملا۔ اگرچہ صورت اس جہم کی عینہ نش پیلے جہم کے ہے، یہی ایک خطہ نہیں بنی  
 نئی بخش صاحب کو بھیجا۔ اسکا جواب مجھ کو آیا۔ اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بنی ہو گواہ تخلص  
 برفتنہ ہوا آج آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں اسکا نام بھی دلی اور اس محلے کا نام بھی بلی ماروں کا محلہ  
 لیکن ایک دوست اس جہم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر  
 میں نہیں ملتا۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہندو البتہ کچھ آگے ہو گئے ہیں  
 ایک خط میں نواب علاؤ الدین خاں کو لکھتے ہیں ”کل تمہارے خط میں دو بار یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلی  
 بڑا شہر ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہونگے۔ اے میری جان یہ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم پیدا ہو  
 ہو، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم نے علم تحصیل کیا ہے، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی محلی  
 میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے، وہ دلی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں، وہ دلی نہیں  
 ہے جس میں اکیاون برس سے متیم ہوں، ایک کپ ہے جس میں مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے ساگر پوشیہ  
 باقی سراسر ہندو۔ بادشاہ کے ذکر جو قبیۃ السیف ہیں وہ پانچ پانچ روپے عینہا پاتے ہیں۔ + + +  
 امرای اہل اسلام میں اموات گنہ تو حسن علی خاں بہت بڑے باپا بیٹا ستورویہ روز کا نیشن دار۔ ستورویہ  
 عینے کا روزینہ وارنگر نامرادانہ مرگیا۔ میرزا ناصر الدین باپ کی طرف سے پیرزادہ نانا اوسنائی کی طرف  
 سے امیرزادہ مظلوم مارا گیا۔ انا سلطان بخشی محمد علی خاں کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے عیار بڑا  
 نہ دوا نہ غذا، انجام کا مرگیا۔ تمہارے چچا کی سرکار سے تجمیز و تکفین ہوئی۔ اچھا کو پوچھو تو ناظر حسین  
 جسکا بڑا بھائی مستولوں میں آیا اسکے پاس ایک پیسا نہیں، ٹکے کی آمد نہیں، مکان اگرچہ رہنے کو  
 مل گیا ہے مگر دیکھئے تمہارا یہ مضبوط ہو جائے۔ بڑے صاحب ساری املاک بیچ کر اور خوش جان کے

بیگمینی و دو گوش بھرت پور چلے گئے۔ حینارالدولہ کی پانچ سو روپیہ کرائے کی املاک و اگر اشتہار  
بچہ فرق ہو گئی، تباہ و خراب لاہور گیا، وہاں پڑا ہوا ہے، دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ قعدہ کو تباہ قلعہ اور  
مختبر اور بھادو گڑھ اور بیجہ گڑھ اور قرقم و بیش تیس لاکھ کی ریاستیں مٹ گئیں۔ شہر کی اماں  
خاک میں مل گئیں، ہنرمند آدمی یہاں کیوں پایا جاسے۔ جو حکما کا حال کل لکھا ہے وہ بیان واقع  
ہے۔ صلیحہ اور زبائے باب میں جو حرف مختصر میں نے لکھا ہے اسکو بھی سچ جانو،

بعض خطوں میں یاس و حسرت و افسردگی اور دنیا کی بے ثباتی و بے اعتباری کا بیان نہایت

توڑ کر لکھا ہے جس سے ان کے خیالات معلوم ہوتے ہیں مثلاً

ایک خط میں لکھتے ہیں دانا توانی زور پر ہے۔ بڑھاپے نے نکلا کر دیا ہے۔ صنعت، ہستی، کامی، گزشتہ  
رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور دراز درپیش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں۔ خالی  
ہاتھ جانا ہوں۔ اگر نابرسیدہ بخش دیا تو خیر، اور اگر نابرس ہوئی تو سفر مقرر ہے اور ہادیہ نادر ہے۔  
دو رخ جاوید ہے اور ہم ہیں۔ ہاے کسی کا کیا اچھا شعر ہے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مجھ جینگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کہہ جائینگے

ایک دفعہ میں منشی ہر گوبال کو لکھتے ہیں ”تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق قنایں مشغول  
ہوں۔ بوعلی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور مہموم جانتا ہوں زبیت دیکھنے  
کو کچھ ٹھوڑی سی راحت دے گا ہے اور باقی مکت اور سلطنت اور شاعری اور ساجی سب خرافات ہے۔  
ہندوؤں میں اگر کوئی اتنا مہم ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دنیا میں نام اور ہوئے تو کیا اور  
گناہ مٹے تو کیا۔ کچھ معاش ہو اور کچھ محبت جسمانی، باقی سب وہم ہے۔ اسے یار جانی۔ ہر چیز دیکھا

وہم ہے مگر میں ابھی اسی پائے پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے؛ اور وہ پیشیت اور محنت و راحت سے بھی گزر جاؤں۔ عالم بی رنگی میں گزریاؤں۔ جس شائے میں میں ہوں وہاں کام عالم بلکہ دونو عالم کا پتا نہیں۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دئے جاتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سرباب ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دونو آچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہوئے انکو شہرت سے کیا حال ہو اگر ہلکو ہلکو ہو گا۔

مرزا نے بعض اردو خطوں میں اور خاصہ اردو تقریظوں میں مستحج عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں ایسا التزام تحلفات بارہ میں شمار کیا جاتا ہے خصوصاً اردو جو بقابلہ عربی یا سنسکرت وغیرہ کے ایک نہایت محدود زبان ہے وہ اس قسم کے تصنع اور ساختگی کی تحمل نہیں معلوم ہوتی مگر مرزا نے جس قسم کی مستحج عبارت اردو خطوں یا تقریظوں وغیرہ میں لکھی ہے اُس پر گرفت شکل سے ہو سکتی ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اردو زبانوں کی مستحج نثر میں عموماً عیب ہوتا ہے کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ مخواہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو انہیں تصنع اور آدردگانگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس لئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرا فقرہ سبب لزوم والا یلزم کے کم وزن ہو جاتا ہے مگر مرزا کی مستحج نثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں اور یہ بات اسی شخص سے بن بڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطیف طبیعت کے شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہو اور وزن قافیہ کی جانچ اور قول میں ایک عسر سرکچا ہو۔ یہاں اسکی مثالیں لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ مرزا کے اردو رقعات میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں مگر یہ معلوم ہے کہ معنی عبارت مرزا کا

اُن خنوں میں لکھتے تھے۔ جن سے ہنسی باعتراف اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا ورنہ واقعات کا بیان یا مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی شریاری میں کرتے تھے مثلاً سید یوسف مرزا کو ان کے باپ کی تعزیت میں لکھتے ہیں

یوسف مرزا کیونکر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ مرگیا اور اگر لکھوں تو آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کر دو گھبر  
یہ ایک شیوہ فرسودہ اپنا سے روزگار ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں صبر  
کر دو۔ ہاں! ایک کالمیجا کٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو نہ ٹپ بھلا کیونکر نہ ٹپے گا۔ صلاح  
اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیامرا۔ پھر باپ مرا۔  
مجھے اگر کوئی پوچھے کہ بے سرو پا کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو۔ تمھاری دادی لکھتی  
ہیں کہ رانی کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو جو افراد ایک بار دونو قیدوں سے جھوٹ گیا،  
نہ قید حیات رہی، نہ قید فرنگ۔

انھیں کو بیٹے کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں ”اے میری جان! اے میری آنکھو!  
”زہجہ ران طفلے کو در خاک رفت چہ نالی کو پاک آمد و پاک رفت  
وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لیکر آیا تھا۔ یہاں رہ کر کیا کرتا؟ ہرگز غم  
نکرو۔ اور اگر ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو خدا تم کو صیانت رکھے، اولاد بہت  
نانا، نانی کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو وہ اپنی اہل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بنی آدم کی  
میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی اُردو دکھوتے۔ ہاں مظهر الدولہ کا  
غم مجلا واقعات کو بلائے مٹا ہے۔ یہ داغ میتے جی نہ بٹے گا۔

مرزا نے چند تقریظیں اور دیباچے بھی اردو زبان میں لکھے ہیں اور ان سب میں مستحج و مفتی عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے اردو خطوں میں پائی جاتی ہے وہ ان تقریظوں اور دیباچوں میں نہیں ہے؛ خصوصاً مستحج کی رعایت نے ان میں آورد اور تصنیف کا رنگ زیادہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن مرزا کو انہیں معذور سمجھنا چاہئے؛ جو لوگ تقریظوں اور دیباچوں کی نمائش کرتے تھے وہ بغیر ان تحفاتیہ بارزہ کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔ جو طریقہ اس زمانے میں رائج ہو چکا تھا۔ ان کا ہے اس کو اب بھی بہت کم لوگ پسند کرتے ہیں اور مرزا کے وقت میں تو اس کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ با اینہم انہیں سے بعض شریف مرزا کی روش خاص میں عنایت متاثر ہیں خصوصاً وہ دیباچہ جہانوں نے مفتی میر لال صاحب کی کتاب سراج المعرفہ پر لکھا ہے اس میں جس خوبی اور ثنات سے تصوف کے اعلیٰ خیالات ظاہر کئے ہیں ان کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں تصوف کے اعلیٰ خیالات نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد اسی عمر و شریف میں کسی نے نہیں لکھے۔

کتاب سراج المعرفہ جس پر مرزا نے یہ دیباچہ لکھا ہے۔ انہیں مفتی میر لال نے مرحوم بہادر شاہ کے ایام سے تمام اشغال وادکار جو ان حضرت کے زمانے سے اس وقت تک سینہ بسینہ یا سفینہ بسفینہ چلے آئے تھے۔ ایک جگہ جمع کئے تھے۔ مرزا نے اپنے دیباچے میں دکھایا ہے کہ ان اشغال وادکار کو معرفت الہی میں کیا دخل ہے؛ اور کیونکر ان کے ذریعے سے توحید و جود ہی تک سالک کی رسائی ہو سکتی ہے۔ دیباچہ مذکور کا اول و آخر کا مقصد مجبور کر دینا ہے۔ وہ مقام جس میں مرزا نے مذکورہ بالا مقصد کو بیان کیا ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مرزا لکھتے ہیں کہ دو حق یوں ہیں کہ حقیقت از دوسے مثال ایک نامزد ہم عجیبہ۔ ہر مرتبہ ہر حکم کے

عنوان پر لکھا ہے "لا تشرنی الوجود الا اللہ" اور خط میں مندرج ہے "لا موجود الا اللہ" اور اس  
 خط کا لائے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور نام آور ہے کہ جس پر سالن ختم ہوئی، ختم نبوت کی  
 حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ راجب توحید چاہیں؛ اناری، افعالی، صفاتی،  
 ذاتی، انبیاء شہیں صلوات اللہ علی نبینا وعلیہم اعلانِ مراتب سے گاہ نہ پرماور تھے۔ خاتم الانبیاء کو حکم  
 ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اٹھاویں؛ اور حقیقت نیزنگی ذات کو صورت الان کا کان میں رکھیں۔  
 اب گنجینہ معرفت خواص امت محمدی کا سینہ ہے؛ اور کلمہ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ نہ کہ  
 عامہ مومنین کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفی شرک فی الوجود جو اصل  
 مقصود ہے انکی نظر میں نہیں۔ مگر جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہیں گے اسی توحید ذاتی کے متعلق  
 قد مگاہ پڑا ہے گے۔ یعنی ہماری اس کلمے سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے  
 شفاعت محمدی کی، اور یہی معنی ہیں رحمۃ للعالمین ہونے کے، اور اسی مقام سے ناشی ہے نہ کہ  
 حج اقرائے "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة"

تلم اگرچہ دیکھنے میں دوزبان ہے لیکن وحدت حقیقی کا راز دواں ہے۔ گفتگوی توحید میں وہ لذت ہے  
 کہ جی چاہتا ہے کہ فی تواہب کے اور تواہب سے، نبی کی عظمت ذو جہتیں ہے، ایک جہت خالق کہ جس سے  
 اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق کہ جس سے فیض پہنچاتا ہے۔

نبی را دہ و بہت دلجو سے خلق      یکے سوی خالق یکے سوی خلق  
 بد اں وجہ اذ حق بود ستغیض      بدیں وجہ بر خلق باشہ بغیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے کہ وہ الوالات افضل من النبوة، یعنی اسکے صفات اور اندو سے انصاف ہیں

کہ ولایت بنی کی وہ وجہ الی الحق ہے افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت عام  
افضل ہے نبوت خاص سے۔ جس طرح بنی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اسی طرح ولی  
مستفیض ہے انوار نبوت سے۔ مستنیر کی تفصیل منیر پر اور مستفیض کو ترجیح مفیض پر ہرگز معقول اور  
عقل کے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصہ بنی تھا نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی مگر وہ  
خروج کہ خذ کیا گیا ہے شکوہ نبوت سے ہنوز باقی ہے نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے اور چراغ سے  
بہ چراغ جلتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ سراج ایزدی تاصح طور قیامت روشن رہیگا۔ اور اب اسی کا نام  
ولایت اور یہی شعل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو ارشاد  
کلمہ لا الہ الا اللہ شہود و عیون اعیان اُتت اور منظور نظر اکابر بت ہوئی ہے۔ مگر وہ بات اب  
کہاں کہ ایک بار لا الہ الا اللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جاوے۔ اور وہ ضامن پرست  
کہاں کہ قائل لا الہ الا اللہ کو اگرچہ اسکے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو قد مگاہ توحید پر قائم کر دے یعنی  
رسول مقبول واجب اتعظیم قائل انا احمد بلا یم علیہ الخیرۃ و التسلیم۔ اب سعادت بقدر ارادت ہے  
اور راحت بعد جرات۔ سچ بھی تو ہے؛ آدمی کیونکر سمجھ سکے اور بطلان برسیات کے جوڑ پر  
اسکو کیونکر تسلی ہو؛ یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و جوار و جبال اسی میں ہیں نیست بود  
محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔

اسے کردہ بہ آرائش گفتار بیچ      در زلف سخن کشودہ راہِ خم و بیچ  
عالم کہ توجیز دیگرش سے دانی      ذاتیت بسیطہ نسبت دیگر بیچ

جب اولیاء اللہ مئے کہ وہ اقبار روحانی میں۔ دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور سبب

استیلا، وہم کے شاہدہ وحدت ذات سے محروم رہے جاتے ہیں؛ ہر چند اُنکو سمجھائیں گے،  
 راہ پر نہ آئیں گے۔ ناچار اشتغال وادکار وضع کئے تاوقت تخیلہ ہمیں اُلجھی رہے اور زخمہ زخمہ بخودی  
 طاری ہو جاوے۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہواور ہم اُسکو بحیرہ یا بہکت ثابت  
 کیا چاہتے ہوں۔ دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہر اوست +

وہم صورتگری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے پس جب وہ وہم مشغول و ذکر  
 کی طرف مشغول ہو گیا بے شبہ اپنے کام سے معنی صورتگری اور پیکر تراشی سے معزول ہو گیا۔  
 یہ بخیری اور بخودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو متحدین کو بحر و قہقروں حاصل ہوتی ہے اس شغل کے  
 نفس کو بخودی میں آگئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا؛ ایک کو کسی نے غافل کر کے دھکیلیں جان۔  
 انجام دونو کا ایک ہے وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں یہ میں نہیں کتا کہ نہیں ہیں؛ مگر ماں  
 کم ہیں، اور مخفی ہیں، اور کیس کیس ہیں۔ اور ایسے نفوس کہ جو کسب حالت بخودی کے واسطے  
 تعلق اشتغال وادکار میں؛ بہت میں بلکہ بے شمار ہیں۔



## نظم و شرفارسی

فارسی بطورِ پیر میں ایشیائی مذاق کے اموافق جو دستگاہ مرزا نے بہم پہنچائی تھی اور فارسی نظم اور فارسی نثر دونوں جو بلند پایہ انھوں نے حاصل کیا تھا۔ اُسکو اس زمانے میں کما حقہ لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ جبکہ اُس زمانے میں جب بہت سے سخن سنج اور نکتہ پرور موجود تھے۔ مرزا ہمیشہ زمانے کی ناقدرانی کی شکایت کرتے تھے؛ تو اب کیا امید ہو سکتی ہے کہ لوگوں کو انکی قدر بتائی جاسکے۔ جسے اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ انکے مہتمم کے کلام میں سے کچھ کچھ بطورِ نمونے کے پہلکے سامنے پیش کر دیں؛ اور چونکہ فارسی زبان سے ملک میں عموماً اجنبیت ہو گئی ہے اسلئے جہاں جہاں ضرورت دیکھیں مرزا کے کلام کی شرح بھی کرتے جائیں۔ اس سے شاید یہ فائدہ ہو کہ مرزا کی قوتِ تخیل میں جو غیر معمولی اُچک اور پرواز قدرت نے ودیعت کی تھی۔ سمجھ دار آدمی اُسکا کسی قدر اندازہ کر سکیں؛ لیکن زبان اور بیان کی خوبی جو ایک وجدانی چیز ہے اور جسکے نقاد اور جوہری ملک میں کم یاب بلکہ نایاب ہیں۔ اُسکی نسبت صرف مرزا کا یہ فصیح و بلیغ شعر لکھ دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

بیاد و یاد گر این جا بود زباندے غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

البتہ ایک مختصر مرزا کے متعلق یہاں بتا دینا ضرور ہے جو انکا کلام دیکھتے وقت یاد رکھنا چاہئے۔

اگرچہ مرزا کو فارسی زبان میں (خواہ نظم ہو خواہ نثر) ہر قسم کے معنائیں بیان کرنے پر ایسی ہی قدرت حاصل تھی جیسی کہ ایران کے ایک بڑے سے بڑے شاعر و ماہر و مسلم الثبوت اُستاد کو ہونی چاہئے۔

لیکن جس طرح تمام ممتاز و نامور شعریں خاص خاص مضامین کے ساتھ زیادہ مناسب  
 و یکمی گئی ہے۔ اسی طرح مرزا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ قصوں و مباحث اہل بیت، فخر، شوقی،  
 طرافت و زندگی و بیباکی، بیان بچ و مصیبت و شکایت و زاری، اظہار محبت و مہر و دی،  
 حسن طلب؛ یہ چند مبدان ایسے تھے جنکا بیان مرزا کے تمام اصناف سخن میں اکثر نہایت  
 لطیف و دلچ و مرقص واقع ہوا ہے۔ بیشک یہ بات انکے عشقیہ مضامین اور اخلاق و موعظت کے  
 بیان میں عام طور پر نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ عشق و محبت اور تمام تعلقات و معاملات عاشق و مشوق  
 کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ محض نچرل سادگی اور بے تکلفی چاہتا ہے اور شاعر اہل صفت سے۔  
 جسکو مرزا نے جابجا شاعری کے نقطہ سے تعبیر کیا ہے۔ ایا کرتا ہے۔ برہان اسکے مرزا اصناف  
 کلام میں اپنی اصطلاح شاعری کا سرشتہ ماتہ سے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے (الامامنا اللہ) اسی لئے  
 انکے عاشقانہ اشعار میں باوجود کمال جزالت اور منانیت کے وہ گرمی اور تاثیر جو شعر کی جان  
 اور قول کا ایمان ہے عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ اخلاق و موعظت کا بیان بھی اسی لئے  
 مؤثر اور دلآویز نہیں ہے کہ وہ جب تک نہایت سادہ اور صاف اور شاعرانہ تکلفات سے پاک نہ ہو  
 میں گھرنے نہ کر سکتا۔ مگر اس سے مرزا کی استادی میں کچھ فرق نہیں آتا جب سعدی کی رزم کی نسبت  
 کہا جاتا تھا "کریں شیوہ ختم ست بردگراں" اور اسکا قصیدہ بھی بہت پست سمجھا جاتا تھا۔ اور  
 یا ہمد سعدی کی استادی کو سب نے تسلیم کیا۔ تو مرزا کے خاص قسم کے بیانات کی نسبت ایسا کہنے  
 سے مرزا کی استادی میں کیونکر فرق آسکتا ہے۔ یہ نیز اس وجہ سے مرزا کے کلام کی نسبت بتلی ہے  
 اسکو انکے تعلیم و تشریح کا بیجا چاہئے؛ نہ اتنی بی اشعار میں جو اس کتاب میں درج کی گئی ہیں

مرزا کی فارسی شاعری اور فارسی انشا پر داری کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنہوں نے پچاس برس تک مرزا کو ایک ایسے فن کی تکمیل اور انہیں ترقی کرنے پر مستعد و سرگرم رکھا جس کا زمانے میں کوئی قدر دان نہ تھا۔ انکے مدوح زیادہ تر مجلس گورنمنٹ کے ارکان و اعیان تھے۔ جو فارسی زبان اور خاص کر فارسی شاعری سے محض اجنبی تھے، یا بادشاہ اور سلاطین و امرا و رؤسا تھے۔ جنکو مرزا کے فارسی قصیدے پڑھنے اور سمجھنے کی نہ فرصت تھی نہ ضرورت۔ وہ شخص۔ جس کا قصیدہ انوری و خاقانی کے قصیدوں سے کمر کھائے، جس کی غزل غنی و طالب کی غزل سے سبقت لے جاتے، جو رباعی میں عمر خیام کی آوازیں آواز دلاتے اور جس کی ترانے آگے بولے افضل اور ظہوری کی شہین بھلی اور بے مزہ معلوم ہوں۔ اسکو بہادر شاہ کی سرکار سے صرف پچاس روپیہ ماہوار ملتا تھا، اور وہ بھی چھ سات برس سے زیادہ نہیں ملا۔ گورنمنٹ کے ارکان و اعیان کی طرح کے جلد و میں مرزا کو اس خلعت کے سوا کبھی کچھ نہیں مرحمت ہوا جو نور افز و خت ہو کر سرکاری چپراسیوں کے انعام میں صرف ہو جاتا تھا۔

مرزا کے ماننے والے اور انکے فارسی کلام پر ایمان بالنیب کھنے والے بلاشبہ ملک میں شہساز تھے، مگر ایسے خوش اعتقادوں کی کثرت اور انکی تحسین و آفرین سے شاعر کا دل ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ پس جبکہ مدوحوں کی قدر دانی کا وہ حال ہو، اور مدحین کی بیخ سرائی کا یہ رنگ، تو پھر وہ کیا چیز تھی جسکو مرزا کی اہلی اور حقیقی ترقی کا باعث قرار دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ شاعر کے دل میں صلی ترقی کا دلور نہ سلاطین و امرا کی داد و دہش سے پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خوش اعتقاد شاگردوں و مانندوں کی کثرت سے، بلکہ اس کا دل بڑھانے والی صرف دو چیزیں ہیں۔ جو خواہی خواہی اسکو ترقی کرنے پر

مجموعہ کرتی ہیں؛ اولاً سبق استعداد اور فطری قابلیت جبکہ اقتضایہ ہے کہ اگر تمام عالم میں ایک  
 قدر دان یا مخاطب صبح نہ تو یہی وہ اپنے جوہر ظاہر کئے بغیر نہیں رہتی جس طرح سورخاہ ویرانے  
 میں ہوا درخواہ آبادی میں اُسکو سستی اور نشاط کے عالم میں ناپنے سے گزیر نہیں اسی طرح وہ شاعر جو  
 ماں کے پیٹ سے شاعری پیدا ہوا ہے بغیر اسکے کہ ملک میں کوئی انکی قدر کرے یا اسکے کمال کی  
 داد دے اپنے ہنر کی تکمیل میں ہاتھ پاؤں مارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اُس فطری ملکہ کا متربک  
 دینے والا اور اُس اگل کا پتھر سے نکالنے والا اس بات کا یقین ہے کہ سوسائٹی میں کچھ لوگ فی الحقیقہ  
 سخن فہم و سخن سنج موجود ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چراغ مدت سے ٹنمار ہاتھا اور فارسی شاعری کی عمر طبعی  
 انتقام کے قریب پہنچ چکی تھی؛ مگر حسن اتفاق سے اس اخیر دور میں چند صاحبان فضل و کمال  
 خاص دار الخلافہ دہلی میں ایسے پیدا ہو گئے تھے جو علم و فضل کے علاوہ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ  
 درجے کا رکھتے تھے۔ ان چند صاحبوں سے میری مراد مولانا فضل حق خیر آبادی ثم الدہلوی، مولانا  
 مفتی محمد صد الدین خاں تخلص بہادرہ، مولوی عبداللہ خاں علوی، مولوی امام بخش مصبائی،  
 حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفیٰ خاں حسرتی، نواب خیار الدین احمد خاں نیر، سید غلام علی  
 وحشت وغیرہم ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کا مرزا کے عصر میں موجود ہونا انکی شاعری کے حق میں  
 بعینہا یہاں تھا جیسا عرفی و نظیری کے حق میں خاتماں، ابوالفتح، فیضی، اور ابوالفضل کا انکے  
 زمانے میں ہونا۔

اگرچہ ان بزرگواروں میں بعض اصحاب ایسے بھی تھے جو ظاہر امرزاکي شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے؛

لیکن چونکہ یہ سب لوگ سخن فہم اور سخن سیخ تھے اس لئے جس طرح قدر دانوں کی تحسین و افزین سے مرزا کا دل بڑھتا تھا وہی طرح نکتہ چینیوں کے خیال سے انکو بھونک بھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا؛ اور انکے دل پر اپنا نقش بٹانے کے لئے انہماکِ مال میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی؛ اور اس طرح قدر دان اور نکتہ چیں دونوں کی ترقی کے باعث تھے۔

مولانا فضل حق؛ ایندھ علم و فضل مرزا کو جس رتبے کا شاعرانتے تھے اسکا اندازہ حکایتِ خیال سے ہو سکتا ہے۔ مولانا کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ناصر علی سرہندی کے کسی شعر کے معنی مرزا صاحب سے جا کر پوچھے، انہوں نے کچھ معنی بیان کئے، اُسے وہاں سے آکر مولانا سے کہا ”آپ مرزا صاحب کی سخن فہمی اور سخن سیخی کی اس قدر تعریف کیا کرتے ہیں، آج انہوں نے ایک شعر کے معنی بالکل غلط بیان کئے؛ اور پھر وہ شعر پڑھا؛ اور جو کچھ مرزا نے اُسکے معنی کئے تھے یہاں کئے۔ مولانا نے فرمایا بھراں معنوں میں کیا برائی ہے؛ اُسے کہا برائی تو کچھ ہو یا نہ ہو مگر ناصر علی کا یہ معنی نہیں ہے۔ مولانا نے کہا اگر ناصر علی نے وہ معنی مراد نہیں لئے جو مرزا نے سمجھے ہیں تو اسے سخت غلطی کی۔ مرزا نے ایک غزل کے مقطع میں اپنے تئیں کم از کم شیخ علی خرب کا مثل قرار دیا ہے اور وہ مقطع یہ ہے۔

تو میں شیوہ گفتار کرداری غالب گرتی کنسم شیخ علی رامانی

مومن خاں مرحوم نے جس وقت یہ قطع سنا اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ ہمیں بالکل مبالغہ نہیں ہے۔ مرزا کو ہم کسی طرح علی خرب سے کم نہیں سمجھتے۔

ایک صاحب نے جو مومن خاں مرحوم کی تحلیوں سے خوب واقف تھے یہ حکایت سن کر کہلا کر مومن خاں

یہ اسلئے لکھا کہ وہ اپنا رتبہ قینا شیخ علی خریں سے برتر و بلند تر سمجھتے تھے ورنہ وہ ہرگز مرزا کو شیخ نہ کہ  
برابر تسلیم نہ کرتے۔

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ہمیشہ مرزا کو بطوری و عرفی کا ہمپا یہ کہا کرتے تھے اور صاحبِ حکیم و غیرہ  
سے اُن کو برتراب برتر اور بالاتر سمجھتے تھے۔ نواب ضیاء الدین خاں کا مرزا کی نسبت یہ قول تھا کہ  
ہندوستان میں فارسی شعر کی ابتدا ایک ترک لاجپن (یعنی امیر خسرو) سے ہوئی اور ایک ترک بیک  
(یعنی مرزا غالب) پر اسکا غاتمہ ہو گیا۔ سید غلام علی خاں وحشت مرزا کی نسبت کہتے تھے کہ اگر شخص  
عربی کی طرف متوجہ ہو جاتا تو عربی شعریں دوسرا متنبشی یا البوتامام ہوتا، اور اگر انگریزی زبان کی  
لکھیل کرتا تو انگلستان کے مشہور شاعروں کا مقابلہ کرتا۔

مولانا آزاد بدیشک مرزا کی طرز خاص کو جو انھوں نے ابتدا میں اختیار کی تھی ناپسند کرتے  
تھے، اور جو خیال کہ ابتدا میں مرزا کی نسبت مولانا کے خاطر نشین ہو گیا تھا وہ اخیر تک اُنکے  
دل میں کسی نہ کسی قدر باقی رہا۔ چنانچہ مرزا نے جو ایک فارسی قصیدہ مولانا ممدوح کی شان میں  
لکھا ہے اُس میں اس مضمون کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے کہ مولانا اُنکی شاعری کو تسلیم  
نہیں کرتے تھے، قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائبِ الہام و تمکاتِ روزگار وغیرہ کا بیان ہے،  
اسکے بعد صبح کی طرف اس طرح گزیرا کرتے ہیں۔

خواجه گرانڈہ گیارہن بنور سداے سن	یا جنیں اندھ کہ پگنتیم و دل غالی نشد
متفق گردیدہ راے بوعلی بار اے سن	انکہ در کیتائی دے در فن منہ زانگی
بزرگارد عقل فحاشش ہو کرم نوازے سن	انکہ چوں خواہد بنا مش نامہ نامی سائن

دل میں مصمّم یا سچے سخن کو یہ کیفہ آنکھ ننگ اوست بودن سخن ہوتا ہے سن  
 یعنی بوعلی سینا کا ممدوح کی یکسانی پر میرے ساتھ اتفاق رہے کرنا اور عقلِ خیال کا اسکو دیکھنا  
 سن۔ ”لکھنا یہ سب باتیں اسکی مرچ کے لئے کافی نہیں ہیں، مختصر یہ کہ وہ ایسا شخص ہے کہ شعریں  
 مجھ جیسے شخص کا ہمسرد ہوتا ہوں یا بھی اسکے واسطے موجبِ ننگ و عار ہے، اسیں مطلعِ نظر اسکے کہ  
 ممدوح کی اور اس سے بھی زیادہ اپنی تعریف ایک ثنابت لطیف پر اسے میں بیان کی ہے اس  
 بات کا بھی اشارہ ہے کہ ممدوح میری شاعری کو پسند نہیں کرتا۔

مرزا کی وفات سے چھ سات برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک روز نواب حسرتی کے مکان پر  
 جبکہ راقم بھی وہاں موجود تھا۔ آزدہ اور غالب اور بعض اور ہمان جمع تھے، کھانے میں بیٹھی  
 فارسی دیوانِ غالب کے کچھ اوراق پڑے ہوئے مرزا کی نظر پڑ گئے۔ ان میں ایک غزل تھی جس کے  
 مقطع میں اپنے منکروں کی طرف خطاب کیا تھا۔ اور جبکا مطلع یہ ہے۔

نشادِ سوزیاں از شرِ بخادر بست  
 فسونِ بالیاں فصلے از فدا بست

مرزانے وہ اوراق اٹھائے اور مولانا آزدہ سے مزاج کے طور پر کہا ”دیکھئے کسی ایرانی شاعر نے کیا  
 زبردست غزل لکھی ہے“ یہ لکھر غزل پڑھنی شروع کی۔ اول کے دو تین شعروں کی مولانا نے  
 توجہ کی، مگر بعد بعض قرائن سے سمجھ گئے کہ مرزا ہی کا کلام ہے۔ مسکرا کر جیسی کہ انکی عادت تھی کہنے  
 لگے ”کلام مرید ہے مگر تو آئوز کا کلام معلوم ہوتا ہے“ سب حاضرین ہنس پڑے۔ جب مطلع کی نوبت  
 آئی۔ مرزانے مولانا کی طرف خطاب کر کے درزا کے آواز سے یہ مطلع پڑھا۔

تو ایک مومن گسترانِ پیشینی  
 مباحثِ منکر غالب کو در زمانِ بست

اُسوقت سب لوگ بہت متاثر ہوئے اور مولانا آزرہ شہر کا کرناموش ہو رہے۔

صہبائی اور علوی بھی چونکہ مرزا بیدل کا شیعہ کہتے تھے اور مرزا غالب نے اُس طریقے کو بالکل چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ مرزا کو اور مرزا انگلو کم مانتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ تمام گروہ مخ فہم اور مخ فہم کا تھا اور مشاعر میں اکثر ایک دوسرے سے ٹٹ بھیر پوتے۔ یہی تھی مرزا کو اپنے خیالات کی اصلاح اور اپنے اشعار کی تہذیب و تنقیح میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی اور یہی اُن کی اصلی ترقی کی بنیاد تھی۔

**غزل** معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے فارسی غزل بھی قول مرزا بیدل وغیرہ کی طرز میں کنش شروع کی تھی۔ چنانچہ قسم کی بہت سی قطعیں اُنکے دیوان میں اب تک موجود ہیں مگر رفتہ رفتہ یہ طرز بدلتی گئی اور آخر کار عرفی، ظہوری، نظیری، اور غالب آملی وغیرہ کی غزل کا رنگ مرزا کی غزل میں پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے فارسی دیوان کے غزلوں میں لکھتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے، "اگرچہ طبیعت ابتدا سے نادر اور بزرگوار خیالات کی جو یا تھی لیکن آزادہ روی کے سبب زیادہ تر اُن لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو اس صواب سے نااہل تھے۔ آخر جب اُن لوگوں نے جو اس راہ میں پیشہ کرتے۔ دیکھا کہ میں باوجودیکہ اُنکے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور پھر بے راہ بھٹکتا پھرتا ہوں؛ اُنکو میرے حال پر رحم آیا اور انہوں نے مجھے تریا نہ نگاہ ڈالی۔ شیخ علی خرمی نے سُنکر اگر میری بے راہ روی مجھکو بتائی۔ غالب آملی اور عرفی شیرازی کی غضب آلود نگاہ نے آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا مادہ جو مجھ میں تھا اسکو قہا کر دیا۔ ظہوری نے اپنے کلام کی گیرائی میرے باند پر تو یزاد میری مکر پر زاد راہ باندھا اور نظیری نے اپنی خاص روش پر چلنا مجھکو سکھایا۔ اب اس گروہ والا لشکر کے فیض تربیت سے میرا کلک ز قاص چال میں بکھ ہے تو راگ میں مستعار۔"



جلوسے میں طاؤس ہے تو پروانیں غمنا۔

مرزا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ غزل میں خاص نظیری کی روش پر چلتے تھے، مگر انکی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکی غزل میں نہ صرف نظیری بلکہ عرفی، طہوری، طالب علی حلال اسیر اور انکے دیگر تبعین کی غزل کا رنگ علی العموم پایا جاتا ہے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ تصوف کا عنصر مرزا کے کلام میں نظیری سے کچھ کم نہیں ہے۔ انکی غزل بلاشبہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسب لگتی ہے لیکن مرزا بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت ہیں معلوم ہوتی۔

ناظم ہروی کی چند بیتیں مشہور ہیں جن میں عنصری سے لیکر جامی تک ہزار نامے میں جو شعاع سر بر آؤں  
ہوا ہے اسکا نام یا ہے۔ انکے آخر میں مرزا نے ایک بیت اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ چونکہ اصل مندی  
اور اسپر مرزا کا اضافہ ثابت اور حلف سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم اسکو بیان نقل کرتے ہیں۔  
کتا ہے۔

تشنہ نیم کہ در دور گاہ کس	شدہ عنصری شاہ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تنی	بہ منہ دوسی آمد کلاہ می
چو فردوسی آورد سر در کفن	بحسب قافی اندب ادب سخن
چو خاقانی از دار فانی گذشت	نظامی بملک سخن شاہ گشت
نظامی چو جام اجل در کشید	سر بہر دانش سعدی رسید
چو اورنگ سعدی فردوش زکار	سخن گشت بر فرق خسرو تار
ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید	ز جامی سخن را تمامی رسید

اسکے بعد جو کئی ناظم کے بیان میں رہ گئی تھی اسکو مرزا نے یوں پورا کیا ہے  
 ”زجاجی بہ عرفی و طالب رسید ز عرفی و طالب بہ غالب رسید“  
 اگرچہ مرزا نے بیدل اور انکے متبعین کی زبان اور انکے انداز بیان میں شعر کہنا بالکل ترک کر دیا  
 تھا اور اس خصوص میں وہ اہل زبان کے طریقے سے سب متوجہ و نہیں کرتے تھے۔ مگر خیالات میں  
 بیدلیت مدت تک باقی رہی۔ لیکن آخر کار تغزل میں بے انتہا گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ ہم  
 اس مقام پر انکی غزلیات میں سے زیادہ تر صاف صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کرینگے جنکے بغیر  
 مرزا کی طرزِ تغزل اور انکے شعر کی خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

## انتخاب غزلیات فارسی

شاہد حسن ترا در روش دلبری طرہ پر خم صفات سوی میاں ماسوا  
 یعنی اگر تیرے حسن کو مثل شاہد ان مجازی کے ایک شاہد قرار دیا جائے تو اسکا طرہ پر خم کیا ہوگا؟ صفات  
 انکی۔ اور اسکا سوی میاں کیا قرار پائےگا؟ ماسوی اللہ شعراے متصفین صفات انکی کو اکثر  
 زلف و گیسو اور طرہ و کاکل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ ماسوے اللہ کو صوفیہ معدوم محض  
 جانتے ہیں اور عشق کی کمر کو عشاق معدوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے شاہد حسن حقیقی کی کمر اسوے  
 کو قرار دیا ہے۔

آب نہ بخشی بزد خون سکندر ہزار جاں نہ پزیری هیچ نقد خضراروا  
 ہزار یعنی حلال۔ مشہور ہے کہ سکندر آب جیواں کی تلاش میں گیا تھا مگر نام نہاں رہا۔ کتابہ کہ تو نہ دیکھ

کے کسی کو پانی نہیں دیتا؛ پس اگر سکندر آب حیاں کے نہ ملنے کے سبب ہلاک ہو جاتے تو ہو۔  
دوسرے مصر میں خدا کی بے نیازی کا بیان ہے: یعنی حقہ جان میسیٰ عزیز حضرت تندر کرنا ہے  
مگر تو اسکو قبول نہیں کرتا؛ اور اس لئے اسکو کسی طرح موت نہیں آتی۔

بزم تراشمع و گل خستہ بو تراب ساز ترا زبرد و دم واقف کر بلا  
یعنی تیرے ہاں وہی سب سے زیادہ مغرب اور برگزیدہ ہیں جو سب سے زیادہ نشاۃ خواست  
مصائب و آلام ہیں۔

سادہ ز علم دعمل جہود زیدہ ام سستی ما پائدار بادہ مانا شستا  
نشاۃ نماز تہرہ ہونا اور کچھ نہ کھانا نہ پینا۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ گوئیں نے شراب کا ایک قطرہ  
نہیں پایا اگر نشے میں ہر وقت چور رہتا ہوں: یعنی گو علم و عمل کچھ نہیں رکھتا اگر تیری بخت میں شاہوں  
قطعہ

۱۔ اے خاکِ درت قبلہ جانِ دل غالب کز فیض تو پیرائے ہستی ست جہاں  
۲۔ تمام تو شہیر بی جان اور گشتی درخشاں فروزہ دل از مد زباں  
یعنی آنحضرت کا نام سنا کہ جس نے زبان میں سے شہیر اور علوان پیدا ہوئی کہ دل نے پیارے  
اسکو اپنے اندر رکھ لیا۔

ماہا ہے گرم پروانیم فیض از ماچوب مایہ بچوں دودیا سے رود از باں ما  
یعنی ہماری پروانیں اس قدر گرمی ہے کہ جس طرح دھواں لگ کے اڑتی ہیں اور جاتا ہے اسی طرح ہم  
پروں کا سایہ بچے نہیں رہتا بلکہ دھواں کی طرح پروں کے اوپر اڑ جاتا ہے۔

میں

حال ما از غیر می پرستی منت می یریم آگهی باوے کہ اگر نیستی او حال ما  
یعنی توجہ ہمارا حال غیر سے پوچھتا ہے ہم اسی بات کے شکر گزار ہیں بغیت ہے کہ تو اس بات سے  
نواگاہ ہے کہ تجھ کو ہمارے حال کی خبر نہیں۔

رب

قصہ

عاجز

عاجز

عاجز

عاجز

دل یوس نسکین دن میتوان اودن چہ امید است آخر حضور ادرین سیمارا  
نخے برہتی عالم کشیدیم زمرہ بستن ز خود رقیق دمسم باغوشتن برین پناہ  
وقت تاراج غم تست چہ پیاچہ نہاں ہجو رنگ اینخ مارست دل زینہ ما  
جوئے از بادہ وجوئے ز غسل دار غلہ لب لعل قوم اس است ہم آفت مرا  
غار بازا اثر گرے ز قارم سوخت ستنے بر قدم راہ رواں ست مرا

یعنی راہ کے تمام خار و خس میری گرمی ز قار سے جل گئے ہیں؛ پس رہ گریوں کے قدم پر میرا احسان ہے  
کہ انکے لئے میں نے رستہ باطل صاف کر دیا ہے۔ یہ تمام مضمون استعارے میں بیان ہوا ہے مطلب یہ  
کہ نازک خیالی کے طریقے میں جو الجھاؤ تھے وہ سب میں نے اس طریقے پر چل کر دور کر دئے ہیں اور  
آئندہ آنے والوں کے لئے راہ صاف کر دی ہے۔

قصہ

قصہ

قصہ

قصہ

قصہ

قصہ

دہر و فتنہ دور رفتہ بہ ایم غالب تو شہ برب جو ماندہ نشانست مرا

یعنی میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو گرمی اور کوسے جلا بھٹا۔ پانی کو دیکھ کر بے اختیار اس میں کود پڑے اور  
موت و بے ہوشی کے کنارے پر اسکا زور راہ پڑا بجائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی مسافر ڈوبا ہے اس  
شعر میں مرزا نے اپنی خاص حالت کو تشبیہ کے پیرے میں بیان کیا ہے۔ گویا یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں لوگوں نے تجھ کو  
مستقل شکل اور توان سے پہچانا ہے؛ ورنہ میں جیسا کہ میں ہوں سب کی نظروں سے مخفی رہا ہوں۔

سایہ و چشمہ بعودم عیشے دارد اگر اندیشہ منزل بنود رہزن ما  
یہ دنیا کی مثال ہے؛ یعنی اگر آخرت کا کھٹکا نہ لگا ہوا ہو تو دنیا خامی آرام کی جگہ ہے۔ مگر چونکہ یہ کھٹکا  
لگا ہوا ہے اس لئے یہاں آرام کے ساتھ دم نہیں لیا جاسکتا۔

مے پر زور مگر جاں بسلامت ببرد تا چہ برق ست کہ شدنا فرود خرم ما  
یعنی معلوم نہیں کہ ہماری خرمی کون سی بجلی گزنیوالی ہے کہ چوٹے جان بچانیکے لئے پہلے ہی مے اڑے جلتے  
ہیں۔ تیشیل کے پیرائے میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوست اور رفیق کوئی ہمارے بیچ میں شریک نہیں ہوتا۔  
سخن ما ز لطافت نہ پذیرد خسر یہ نشود گردنمایاں ز برم تو سخن ما

یعنی ہمارے خیالات اس قدر لطیف ہیں کہ تحریر میں نہیں آسکتے، گویا ہمارے گوشت کی دوڑیں گریبان  
بالکل نہیں اٹھتا۔

ما بنو دیم بریں مرتبہ را منی غالب شعر خود خواہش آں کرد کہ گردن ما  
یہ لکھ نظری کی طرف اشارہ ہے یعنی منہ شاعری خود نہیں اختیار کی بلکہ ملکہ شاعری نے خود ہمو  
بمبور کیا کہ ہم اسکو اپنا فن قرار دیں۔

باجندہ خود ایں ہر سختی نہ کنند خود را بزور بر تو مگر بستہ ایم ما  
یہ خطاب خداوند حقیقی کی طرف ہے؛ یعنی کیا ہم زبردستی سے تیرے سر ہو گئے ہیں کہ ہم پر ایسی  
سختی کیجاتی ہے؟

بروے ما سداں در دوزخ کشتہ شک از بہر خویش جنت در بستہ ایم ما  
یعنی ہم اپنا کمال دیکھ کر آپ ہی خوش ہوتے ہیں گویا ہم اپنے لئے جنت در بستہ ہیں پس چونکہ ہماری

جنت کی کیفیت سے اور جو اس لذت و راحت ہے اس سے حاسد لوگ عجب ہیں۔ اس لئے  
 رشک سے اٹکی یہ حالت ہے کہ گو یا ان پر دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سوزِ ترارِ واں بہرِ دروغِ شین گرفت از دواغِ تہمتے بہرِ جگرِ بستہ ایم ما  
 یعنی تیرے سوز اور تیری آگ کو جان نے بالکل اپنے اندر لے لیا ہے، اور ذرہ برابر کسی کو کئے  
 اس میں سے حصہ نہیں چھوڑا۔ پس ہم جو اپنے جگر کو داغ و ارتقار دیتے ہیں درحقیقت اس پر تہمت  
 لکھتے ہیں۔

باجوئے معاملہ برغوش منت است از شکوہ تو شکر گزارِ خودیم ما  
 روئے سیاہِ خویش ز خودیم منفہ ایم شمعِ خموش کا بہ تارِ خودیم ما  
 کہ روئے چوں زہے یا ہم چنانِ خویشین بایم کہ پذیرم سر آمدِ روزگار بے نوائیم  
 یعنی ایک شراب کا بھرا ہوا آئینہ مجھ کو دکھاتا ہے تو میں بھولا نہیں سنا تا اور یہ سمجھتا ہوں کہ بس بے  
 بے سرو سامانی کا زمانہ ختم ہوا۔

سخن کوثر۔ مرا ہم دل بقوئے مائل است۔ آما زنگِ زہدِ افتادِ دم بکا فرما جرایم  
 یعنی زہد کے ساتھ ہم پیشہ ہونے سے عار آتا ہے لائے میری کفار کی سی حالت ہے در ذقوی  
 کی طرف مجھے بالطبع میلان تھا۔

در شرابِ حریفانِ مستِ خود خانی بنگر کہ چوں سکندر آئینہ نیست ہم را  
 حریفان کا لفظ فارسی میں سیاہ ہے جیسا اردو میں بے رنگوں کا لفظ۔ اور لفظی معنی ایسے ہم پیشہ ہیں  
 جب شراب بخوار کسی کو حریف یا حریفان کہتا ہے تو اس سے مراد شراب خوار ہوتی ہے۔ کہتا ہے کہ ہم

شرابخواروں کے مشرب میں خود نمائی منع ہے۔ دیکھو مجشید جو بادہ نوشی میں ضرب اشل ہے اُنکے ہاں  
آلہ خود نمائی۔ یعنی آئینہ جیسا کہ سکندر کے ہاں تھا۔ نہ تھا۔

زمانہ سستی و بادگیراں گزرتی سستی بیا کہ عہد وفا نیست استوار بیا

یعنی اگر قوت ہے توڑ کر غیروں کے ساتھ بیان باندھا ہے تو اسکا خیال نکر اور بے تحفت ہمارے پاس  
چلا آئے کیونکہ عہد وفا توڑنے ہی کے لئے باندھا جاتا ہے؛ وہ کبھی استوار نہیں ہوتا؛ جیسا کہ ہمارے  
ساتھ ہندو حکمران کیا۔

دو اع دوصل جدا گانہ لڑتے وارد ہزار بار برد صد ہزار بار بیا

یعنی دو اع میں اور لطف ہے اور وصل میں اول لذت ہے پس ہزار بار جا اور لاکھ بار آ۔ صد ہزار  
لفظ نے شعر کو زیادہ دلچسپ کر دیا ہے کیونکہ شاعر جو دیکھتا ہے کہ لذت میں دو اع اور وصل دونوں کو کسکیاں قرار دیتا ہے  
مگر پھر بھی اپنے مطلب کی بات کو نہیں بھولتا؛ اور جانے کے لئے ہزار بار اور آنے کے لئے صد ہزار بار  
کا لفظ استعمال کیا ہے۔

روح صومہ ہستی ست زینہار مرد ستاع میکہ مستی ست ہوشیار بیا

یعنی صومہ میں ہستی و نپہار و غرور کا روح ہے وہاں ہرگز نہ جا؛ اور میکہ کی جو کچھ پوچھی ہے  
وہ مستی ہے؛ بیاں ذرا ہوشیار ہو کر۔ یعنی فرق عالی لیکر آنا چاہئے۔ مستی حاصل کرنے کے لئے  
ہوشیار ہو کر آنا۔ پس جو لطف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

چوں بقا صدمہ سپرم پیغام را رشک نگذارد کہ گویم نام را

گشتہ در تاریکی رزم نماں کو چراغے تا بجویم شام را

منفی

عاشقہ

نہایت

دشمن

زمانہ

یعنی خیرا دن اس قدر تاریک تھا کہ شام کی تاریکی اور اس کی تاریکی دونوں گئیں باور نہ معلوم  
ہوا کہ شام کب ہوئی اور دن کب چھپا۔

تانیفت ہر کہ تن پرور بود خوش بود گردانہ نبود دام را  
یہ وہی معنوں ہے جو مرزا نے اردو میں اس طرح بانہا ہے۔

طاعت میں تارہ زنی دیکھیں میں لاگ دوزخ میں ڈال مو کوئی لیکر بہشت کو  
دلستاں درخشم و غالسبت سے جو شوق نشناسد ہے ہنگام را  
در جو طرب پیش کند تاب و تبم را مہتاب کف مار سیاہست شہم را

یعنی جدائی کے زمانے میں جو سامان عیش و طرب مہیا ہوتا ہے اُس سے میری مقراری اور پیش  
زیادہ بڑھتی ہے۔ پس چاندنی جو کہ عیش و طرب کی محرک ہے وہ میری رات کے حق میں سیاہ  
کے بہن کا حکم رکھتی ہے۔

تشنہ لب ساحل بیا ز غیرت جاں دہم گریہ افغان پین پیشانی مرا  
مہتاب ہے کہ میں کیسا ہی پیاسا ہوں لیکن اگر دریا کی موج پر ٹھکریہ شبہ بھی گزرے کہ دریائے مجھے  
دیکھ کر پیشانی پر بل ڈالے تو میں غیرت کے مارے ساحل دریا پر جان دید و گاہ کر ملن تکڑا لگا  
بہایان محبت یا دی آدم زمانے را کہ دل عہد وفا ثابتہ دایم دلستاں را

اس شعر میں اپنی نادانی اور حماقت ظاہر کرتا ہے باکرا ب انتہائے محبت میں جبکہ معشوق کی  
طرف سے ظلم و ستم دیوفا کی کی کچھ حد نہیں رہی مجھے یہ خیال آتا ہے کہ انفس ہے جب میں کے  
دل اُسکو دیا تھا اُسوقت وفاداری کا عہد نہ لے لیا۔ حالانکہ دل کا دینا کوئی اختیاری بات



نہیں ہے بلکہ جس طرح صبح و شہر اور لین دین کے وقت شہر میں کر لیتے ہیں اسی طرح رات  
دیتے وقت بھی کوئی شرط کر لی جاتی۔

آوازہ شہر از سر منظر بلند ست از شب و یاست شکوہ سنس با  
شب روی - چوری کے لئے راتوں کو پھر نا۔ کتا ہے کہ اگر مجرموں کو تفریہ دیجائے تو شہریت کی  
شان و شوکت اور حکومت کی شکوہ ظاہر نہیں ہوتی۔ پس ہم جو ملک جراثیم ہوتے ہیں گویا شہریت  
اور حکومت کی شان بڑھاتے ہیں۔

وقت کو خون جگر از دور و چرخند چند اکہ چکد از خرو و اورس با  
کہتا ہے کہ میری مظلومی اب اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ وہ وقت آن پہنچا ہے کہ خون جگر درو سے  
ہر قدر آجے کہ عالم داورس کی ہلکوں سے جانیکی۔

دور و ہر فرو رفتہ لذت نتوان بود بر قند - نہ بر شہد نشیند مگس با  
یعنی ہم دنیا کی لذتوں سے متنعم ہوتے ہیں مگر ان میں پھنستے نہیں جیسے وہ مکھی جو قند پر بیٹھتی ہے  
کہ جب پا یا آؤ گئی نہ وہ مکھی جو شہد پر بیٹھتی ہے کہ پھر بھرنیس سکتی۔

بادہ شکوی - بید و کنار کشت با کوثر و سبیل مار طوبی با بشت با  
حسرت و مل از چہ رو - چون خیال نریم ابرا اگر با بید - برب و جست کشت با  
یعنی جبکہ ہم خیال دوست ہی میں مست و سرشار ہیں تو وصل کی حسرت کیوں کریں۔ اگر آپ نہیں  
برستا تو نہ برسے ہماری کھیتی خوردنی کے کنارے پر ہے۔

بڑہ صد ایس بسر بر صد ہزار شم گرہنی در آفتاب بادہ چکد ز خشت با

بادہ اگر بود حرام - بذلہ خلاف شرعیت دل نہ نہی بہ خوب باطلہ وزن ہر شے

زہد کی طرف خطاب ہے جو شراب بخواری اور رندانہ بذلہ سخی دونوں کو برا سمجھتے ہیں۔ کتاب ہے کہ اگر شراب حرام ہے تو بذلہ سخی تو خلاف شرع نہیں ہے؛ اگر تو شراب کو جو ہماری نفیس چیز ہے پسند نہیں کرتا تو بذلہ سخی جو ہماری ادنیٰ درجے کی چیز ہے آپس تو طعن مت کر۔

گفت حکم حسرتی غالبہ است این غزل شاد بیچ می شود طبع دفا سرت

یہ غزل غالباً اس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جبکہ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم تخلص بہ حسرتی کے مکان شاعر ہوتا تھا اور علوی، و صہبائی، و آذرودہ، اور مومن اور نیز وغیرہم سب ہمیں شریک ہوتے تھے اس قطع میں مرزا نے مصرع طبع کو تفہیم کیا ہے اب اس کے معنی یہ ہو گئے کہ ہم سے جو اسطرح پر غزل لکھنے کی فرمائش کی گئی ہماری طبع دفا سرت دوست کے اتنے ہی انصاف کے شاد ہوجاتی ہے۔  
مردم ز فرط ذوق و تسلی نے شوم یارب کجا بوم لب خجرتاے را

کتاب ہے کہ دوست کے خجرتے وہ فرادیا ہے کہ اسکی تعریف کرنا کرنا مر گیا؛ اور پھر بھی تسلی نہ ہوتی اتنی اس لب خجرتا کو کہاں لیجاؤں کہ جہاں جا کر تسلی ہو۔

شیم تار یک فنزل دور و نقش جاہل پید ہلاکم جلولہ برق شراب گاہ گاہے را  
پہلے مصرع میں اپنی مشکلات کو شب تار یک وغیرہ کی تشبیل میں بیان کیا ہے دوسرے مصرع میں کتاب ہے کہ میں ہلاک مینی قربان ہوں برق شراب کی چمک پر جو کبھی کبھی چمک جاتی ہے اور اس اندھیرے میں کچھ روشنی نظر آ جاتی ہے مطلب یہ کہ شراب جو کبھی کبھی مل جاتی ہے صرف اسکی بدولت میرا غم غلط ہوتا ہے۔

سے باندھ کر حرام آمدہ۔ ساقی بر خیر شیشہ خود بشکن بر سر پائے ما

برطان نقل و شرع کے کتاب ہے کہ اسے ساقی شراب اعتدال کے ساتھ پینی حرام ہے تو اٹھ اور اپنا شیشہ یعنی بزل یا مراحی ہمارے گلاس پر دے مار اس شمر میں افراد شوق کی تصویق پہنچی ہے خواہ کسی چیز کا شوق ہو جب کسی چیز کی طلب اور خواہش مد سے گذر جاتی ہے تو اس بات کی حس نہیں رہتی کہ اپنے ظن کے موافق اسکی خواہش کیجائے جب پانی کی پیاس نہایت شدت سے ہوتی ہے تو پیادہ یا دریا کو دیکھ کر یہ چاہتا ہے کہ سارے دریا کو پی جائوں پس گوکہ مضمون شوق شراب کی تمثیل میں بیان کیا گیا ہے لیکن اسکا مصداق ہر چیز کا شوق قرار پا سکتا ہے۔

مور آید ز کف دست اگر دہقان را نیست ممکن کہ کشد ریشہ سر از دانه ما

ظاہر ہے کہ انسان کی ہتھیلی میں بال پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی گئی۔ کتاب ہے کہ اگر کاشتکار کی ہتھیلی میں بال بھی نکل آئیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ ہمارا داند پھوٹ کر انہیں سے ریشہ نکل آئے یعنی ہماری کوششوں کا شکور ہونا محال ہے۔

خوابیم در ضایع و غریبای ما باشد چشم بد نگردد در خدا داد دوست گماں را

خواب۔ مست، ویران، اور تباہ، مینوں مینوں میں آتا ہے۔ دوست کام وہ شخص جسکی حالت دوستوں کی خواہش کے موافق ہو، یعنی عمدہ حالت ہو۔ کتاب ہے کہ ہم خود بھی خواب میں اور دوست کی خوشی بھی ایسی ہے کہ خواب حال میں پس ہم دوست کاموں کو خلی حالت دوست کی مرضی کے موافق ہے خدا قائلے نظر پر سے محفوظ رکھے۔

بسا اقاوہ۔ سرست و بسا اقاوہ درختا تو دانی تا بہ لطف از خاک برداری کہ اماں را

نہیں

نہیں

نہیں

عالم آئینہ رازست چہ پیدایہ نیاں      تاب اندیشہ نداری بہ نگاہے دریا  
یعنی اگر تو سوچ نہیں سکتا تو نگاہ ہی سے عالم کو دیکھ کہ اسکا ظاہر و باطن سب نظر اسرار الہی ہے۔  
فرصت از گف مدہ وقت غنیمت پندار      نیست گرج صبح بہاری شبایہے دریا  
گرس از جور بہ انصاف گراید عجیب      از حیار وے با گر نماید عجیب  
گستاہے کظلم و ظم کے بعد اگر وہ انصاف کی طرف مائل ہو جائے تو کچھ عجیب نہیں مینی اپنے بچپنے ظلم یاد  
کر کے جیسا سے حکوئم نہ دکھلائے تو کچھ تعجب نہیں مطلب یہ کہ انصاف بھی کر لگتا تو اس طرح کر لگتا کہ ہم  
اسکے دیکھنے سے محروم ہیں۔

نہیں

نہیں

بودش از شکوہ خطرونہ سری شبت بن      بزم از مہویا ید چہ عجیب  
خیالی پلاؤ چکا تہے تاکہ اسی طرح اپنے دل کو تسکین دے۔  
باچنیں شرم کہ از ہستی خویشش باشد      غالب از رخ برہ دوست نہایت عجیب  
یعنی اس شرم سے کہ اپنے تئیں غلطی سے موجود سمجھ رہا ہے اگر غالب خدا کے آگے سجدہ نہ کرے  
تو کچھ تعجب نہیں۔

نہیں

نہیں

حق جلوہ گز طرز بیان محمدست      آری کلام حق بزبان محمدست  
آئینہ دار پر تو مہرست ماہتاب      شان حق آشکار ز شان محمدست  
تیر فضا ہر آئینہ در ترش حقست      اما کشا د اں ز کمان محمدست  
دانی اگر بمبئی لولاک واریسی      خود ہر چہ از حقست از آن محمدست  
ہر کس قسم با پنجہ عزیز است می خورد      سو گندد کہ دگار بجان محمدست

واعظ اہم دین سایہ طلبے افزودگار کایجا سخن ز سرور دان محمد است

بگرد و نیم گشتن باہمتامہا کاں نیمہ جنبشی زبان محمد است

در خود ز نقش مہر توت سخن رود اں نیز نامور ز نشان محمد است

غائب شای خواجہ بیزواں گداختیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

یہ غزل مرزا نے اپنی عام طرز کے خلاف نہایت صاف اور بیخ لکھی ہے۔ مرآۃ نے مرزا کی زندگی میں اس غزل کی تھمیس لی تھی اور مرزا صاحب کو بھی دکھائی تھی۔ چونکہ وہ تھمیس ایک شائع نہیں ہوئی اسلئے متعلقہ مقام یہ ہے کہ اسکو بھی اس غزل کے ساتھ نقل کر دیا جاوے۔

اعجاز از خواص لسان محمد است عین ایضاً گم بہ دہان محمد است

گرنور و گرہے کا زبان محمد است حق جلوہ گر زہر بیان محمد است

اے کلام حق زبان محمد است

دانی ز پیش چشم تو بر خیز از حجاب کز نور شمع پرورہ فانوس است تاب

باشہ غمور و روشنی عارض از نقاب آئینہ دار پر تو مہرست ماہتاب

شان حق آشکار ز شان محمد است

لطیف خداست گرد کسیر نسا دوست قہر خداست چون ز سر کسیر جلاہت

وانہ کسیک شد زبے نازیت مست تیر قضا ہر آنستہ در ترکش حق است

انما کشادہاں ز کمان محمد است

گوئی اگر بمبالم اوراک واری بینی اگر بہ دیدہ و تاک واری

سجی اگر مرتبہ خاک و ارسی      دانی اگر یعنی لولاک و ارسی  
خود ہرچہ از حق است از آن محمد است

شاہ قتل عاشق و عاشق بجالوسند      مجنوں پیاسے لیلی و لیلی بفرق خود  
مومن بہ آل احمد و اشباح روح جد      ہر کس متم بدانچہ عزیز است می خورد  
سو گندہ کردگار بجان محمد است

اے خار و صفت قامت مشوق کم گما      اے دل سخن در است قدم میان سار  
قمری! از ذکر سر و نقش را نگاہ دار      داعطا! حدیث سایہ مطلوبے ذوقدار  
کاینجا سخن ز سر و روان محمد است

عکمش بہر ماہ و رنہ است چون قنار      دیدی کہ باز گشتن خورشید بر قنار  
بودہ است بر اشارۃ ابروی مصطفیٰ      بنگرد و نیمہ گشتن ماہ و تمام را  
کاں نیمہ جنبشے زبان محمد است

آہنا کہ از مناقب عمرت سخن رود      ذرا آل و از صحابہ و اہل سنت سخن رود  
داں کا نیمہ زخم رسالت سخن رود      در خود ز نقش قہر نبوت سخن رود  
اے نیزہ و زنتان محمد است

ہمت بہر نہ سن و حالی گماشتیم      گفتیم و از نگاشتنی باخداشتیم  
چون کام و لب فراخور و صفتش نہایتیم      غالب تنائے خواہر بیزدان گماشتیم  
کاں ذات پاک تہہ دان محمد است

بمخود بوقت فرج پمیدن گناہ من دانستہ دشتہ تیر نہ کردن گناہ گشت

یاد از عدد و نیام و اینم ز دوری نیست گاندر دم گدشتن بادوست ہمنشینی

کتاب ہے میں جو قریب کا خیال دل میں نہیں لاتا یہ دُور بینی کی بات ہے کیونکہ میرے دل میں ہر وقت دوست رہتا ہے اگر قریب کا خیال دل میں آگیا تو گویا قریب دوست کے ساتھ ہمنشین ہو جائیگا۔

من سوی او بہیم دامنہ زبجانی است اوسوی من زبند دامنہ شریکیستی

چہ گفتہ با کرد از آوازہ لگان تو نیست قیامت - دل دیر مہربان تویت

رواں فدای تو بانام کہ بردہ ناصح زبے لطافت ذوقیکہ و بیان تویت

جو کہ ناصح ترک عشق کی نصیحت کرتا ہے اس لئے معشوق کا نام عاشق کے سامنے اچھی طرح نہیں

لیتا۔ شاعر ناصح کی طرف خطاب کر کے کتاب ہے کہ میری جان تجھ پر قربان ہوا تو نے کس کا نام لیا ہے

وہ کیسی لطافت اور لذت ہوگی جو کہ تیرے بیان میں نہیں ہے؟ مینی جس طرح اُس کا نام لینا چاہئے

تھا اگر اُس طرح تو بھی وہ نام لیتا تو کیسی لطافت اور لذت تیرے بیان میں ہوتی، مگر چونکہ ناصح

نے بُری طرح سے اُس کا نام لیا تھا۔ اس لئے کتاب ہے کہ وہ کیسی لطافت ہوگی جو تیرے بیان میں نہیں ہے۔

دل از غموشی لعلت امید دار چہ است چہ گفتہ ز بانے کرد و بان تویت

معشوق نے منہ سے کچھ نہیں کہا مگر اُس کی نگاہ یا تبسم یا کسی اور واسطے اس کے التفات یا وصل کی امید

بندھی ہے پس کتاب ہے کہ تیرے لعل لب کی خاموشی سے میرا دل اس قدر کیوں امید دار ہے تو نے

اُس زبان سے جو تیرے منہ میں نہیں ہے کیا کہہ دیا ہے جس سے اُس کو امید بندھی ہے۔

گان نہ نیست بود بر منت زبید روی بدست مرگ و بے بدتر از گمان تویت

نہ صرف

بے تحلف در بلا بودن بازیم بلاست  
 قہر دریا سلسبیل و روی دریا آتش است  
 دوسرے مصرع میں عرفی کے معنوں کو اٹا ہے۔ اُسے۔ اس لحاظ سے کہ دریا کے اوپر کی سطح سے  
 راحت حاصل ہوتی ہے اور دریا کی تہ میں پہنچنے سے وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو آگ میں جل جانے سے  
 ہوتا ہے۔ یوں کہا تھا ”روی دریا سلسبیل و قہر دریا آتش است“ مرزا کہتے ہیں کہ ہلا کا خوف  
 خود بلا سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ چنانچہ دریا میں انسان جمبھی تک چین رہتا ہے جب تک  
 کہ ڈوب جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جب ڈوب گیا پھر کچھ بھی بے چینی باقی نہیں رہتی۔ پس یوں کہنا  
 چاہیے کہ ”قہر دریا سلسبیل و روی دریا آتش است“

بے نیستی

پاک خورامد زوزناراز پے فردا منہ  
 در شرمیت بادہ امرو ز آب فردا آتش است  
 جو لوگ شراب طو کی امید پر دنیا میں شراب نہیں پیتے وہ گویا جر شراب آج نہیں پیتے اسکو کل کیلئے  
 رکھ چھڑتے ہیں۔ پس اُن سے کہتا ہے کہ ”پاک خورامد ز“ یعنی سب آج ہی میڑ دے اور کل کیلئے  
 مت رکھ؛ کیونکہ شرمیت میں شراب آج تو پانی ہے اور کل وہی آگ ہو جاو گی۔

نہ صرف

نہ صرف

زوہم نقش خبیالی کشیدہ در نہ  
 وجود خلق چو عنقا بہر نایاب است  
 قوی قنادہ جو نسبت۔ ادب جو غالب  
 ندیدہ کہ سوی قبلہ پشت محراب است  
 مینی جب تعلق اور نسبت قوی ہو جائے تو پھر ادب ظاہری کی توقع نہ کرنی چاہئے۔ دیکھو! قبلہ کی  
 طرف پشت کرنا ہر ایک کے لئے خلاف ادب ہے؛ مگر محراب مسجد جبکہ قبلہ سے نہایت مضبوط تعلق  
 ہے۔ اسکی پشت ہمیشہ قبلہ ہی کی طرف رہتی ہے۔

نہ صرف

ہر چہ فلک خواستہ است ہیکس ان فلک خواست  
 طرف خدیجئے جہت بادہ مالکلی خواست



فون بحث و جدل بجای ماں بیکڑہ جو مکی نذران کس نفس از جمل نزد کس سخن از مذک خواست  
 بجاسے ماں بمعنی بجاسے دار یعنی بحث و جدال کو یونیس رہنے دے اور مینائے میں جا کر وہاں نخل  
 کا جھگڑا ہے مذک کا تھڑ ہے نخل سے مراد جنگ جیل ہے جس میں حضرت عائشہ جیل یعنی اونٹ پر  
 سوار ہو کر حضرت امیر سے لڑنے لگی تھیں۔ مذک ایک کمجوروں کا باغ تھا جس پر حضرت سیدہ انسہ  
 قاطر زہلہ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں وراثت کا دعویٰ کیا تھا یہ دونو جھگڑے نخل اُن  
 پیشما زراعوں کے ہیں جس پر سنی شیعوں میں ہمیشہ سرچھٹول رہتی ہے۔

فرخ دل جلوہ میدہد ہنر خود در انجمن رخصتے گویا جان مسودش نماندہ است  
 یعنی جب تک میں اپنے تئیں چھپاتا تھا حسدوں کو کچھ آزار نہیں پہنچتا تھا اب علی الاعلان اپنے  
 ہنر ظاہر کرنے لگا ہوں گویا اب عاسد کی جان پر رحم باقی نہیں رہا۔  
 غالب باں بریرہ و آگندہ گوشت است آناغ گفت و شنودش نماندہ است  
 بیل دولت بنا کر خونیں پر بندیت اسود دہی کہ بارتو شکل پسندیت  
 یعنی اے بیل تو اپنے نالہ خونیں کے سبب ضیق میں نہیں ہے؛ جب چاہتی ہے نالہ کرتی ہے پس تو  
 آرام سے زندگی بسر کر کہ تیرا یا یعنی گل شکل پسند نہیں ہے۔ بخلاف ہمارے کہ ہمارے رونے اور فریاد کرنے  
 کی بندی ہے؛ حالانکہ نالہ خونیں سے دل بھرا ہوا ہے۔

فون بے خود بریر سایہ طوبے غنودہ اند تنبگیر رہد ان تما بلت نیست  
 یعنی جو لوگ امانی و امال کے پھندے میں گرفتار ہیں انکا سفر کچھ لمبا چوڑا نہیں ہے انکا منتہائے مقصود  
 طوبے کے سایہ میں آرام کرنا ہے۔

اختری خوشتر از نیم بھباں می بایست  
 تا تنک مایہ بدریوزہ خود را نشود  
 گفتہم بروزگار سخنور چون لبیست  
 شکلیں غزالہا کہ نہ بینی ہیچ دشت  
 در صحنہ نبودم ہمہ آں چہ در دلست  
 دراز دوستی من چاکے از گندہ چسب  
 نہ گفتہ کہ بہ تلمیخی باز و پند پذیر  
 یہ خطاب نامح کی طرف ہے۔

اگر نہ بہر من۔ از بہر خود عسر و یزہ دار  
 در گرمہ وی سایہ و سرخسہ بخویم  
 یعنی ہلکوائے جانے کی جلدی ہے ہم سایہ و سرخسہ یعنی طوبی اور کوثر پر آرام نہیں لے سکتے  
 آں راز کہ در سینہ نہانت نہ وعظ است  
 گفتم ز کہ پرسم اثر عمر گذشتہ  
 در قالب ملامت اثر شش پردہ کشادہ  
 اگر منافق۔ وصل ناخوش در ہوائق۔ ہجر تلخ  
 یعنی دوستوں کا منہ دیکھنا اور ان سے تعارف پیدا کرنا نہیں چاہئے تھا؛ کیونکہ جو منافق ہیں ان کا ملنا ناگوار تھا

خرد پیر مرا بخت جواں می بایست  
 ننج پیرایہ گفتار گراں می بایست  
 گفتند اندریں کہ تو گنتی سخن بسیست  
 در مرغزار ہائے خلا و متن بسیست  
 در بزم کسرت گل و در چین لبیست  
 ز پیش ولق و رع باہر از پند است  
 برو کہ بادہ مائع ترا زین پند است

کہ بندہ۔ خوبی او خوبی خداوند است  
 با ما سخن از طوبی و کوثر تو ان گفت  
 بردار تو ان گفت بے خبر تو ان گفت  
 مومن نہ بود غالب و کافر تو ان گفت  
 ساقی بقبح بادہ وہ سالہ فرد بخیت  
 خاکے کہ قصائد ترن گم سالہ فرد بخیت

دیدہ و اعظم کرد و سہ دوستان میں شہادت

یعنی دوستوں کا منہ دیکھنا اور ان سے تعارف پیدا کرنا نہیں چاہئے تھا؛ کیونکہ جو منافق ہیں ان کا ملنا ناگوار تھا

خرد پیر مرا بخت جواں می بایست  
 ننج پیرایہ گفتار گراں می بایست  
 گفتند اندریں کہ تو گنتی سخن بسیست  
 در مرغزار ہائے خلا و متن بسیست  
 در بزم کسرت گل و در چین لبیست  
 ز پیش ولق و رع باہر از پند است  
 برو کہ بادہ مائع ترا زین پند است

اور جو موافق ہیں ان کی جدائی تلخ ہے۔

نیکان  
بُردِ آدمِ اِز امانت ہر چہ گردوں بربتافت  
رحمت سے بر خاک چوں در جامِ گنجینِ خدا

یعنی بارِ امانت میں سے جو کچھ آسمان سے نہ اُٹھ سکا وہ انسان نے اُٹھالیا گویا جب شرابِ جام میں

نہ ساسکی تو خاک پر گر پڑی۔ خاک کا لفظ انسان کے لئے اور جامِ آسمان کے لئے کس قدر مناسب

واقع ہو رہا ہے۔ اور بارِ امانت جو انسان پر ڈالا گیا اسکی تشبیہ اس شراب سے جو پیالہ چھلکنے سے بڑھ

پر گر پڑے کیسی لطیف و پاکیزہ تشبیہ ہے !!

بریں نیاز کا ہست - ناز می بدم  
گدا ہمایہ دیوارِ بادشاہت است

ہو انخالت و شب تار و بحر طوفانِ خیر  
گستہ لنگر کشتی و نماند خفت است

ممت بہ شہزبختوں زناں بی نگہ خلق  
عسّ نِ نماند و شہ در حرم سرافقت است

یعنی کوئی تو اپنے گھر میں اور بادشاہ حرم سرا میں آرام کرتے ہیں۔ انھیں کیا خبر ہے کہ تیرا غم یعنی عشق

شہر میں مملکت کے گھروں پر بخوں مار رہا ہے۔

دلم یہ سچہ و سچت ادو درد ازل و  
کہ در دمرِ علم بیدار و پارِ ساخت است

کتاب ہے کہ پارِ ساس یعنی زاہد تو اس گھمنڈ میں کہیں عبادت میں مصروف ہوں غافل ہے اور دردِ مرطہ۔

جو منہ لگا دیں لگا ہوا ہے یعنی نفسِ تارہ جاگ رہا ہے؛ یعنی تاک میں بیٹھا ہے۔ پس مجھے سچہ و سچہ

درد اسے زاہد کی خیر نہیں معلوم ہوتی؛ اسلئے میرا دل کانپ رہا ہے۔

بہیں ز دور و موجِ قرب نہ کہ منظر را  
دیکھ باز و بدروازہ اثرِ دہانخت است

قرب در گاہِ آئیں میں جو مشکلات و خطرات ہیں انکو بیان کرتا ہے۔ کتاب ہے کہ دور ہی سے دیکھ لے

اور قُرب کا طالب نہو۔ اگرچہ منظر کے پٹ کھلے ہوئے ہیں مگر درونہ پرزد ہوتا ہے۔

براہِ خشنِ ماحر کہ بنگرد واند کہ میر قافلہ در کارواں سرِ انجمن است

کتاب ہے کہ میں منزل پہنچنے سے پہلے راہ ہی میں ایسا غافل و بے خبر ہوتا ہوں جیسے کہ کارواں سالار منزل پر پہنچا آرام سے پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہے۔

دگر ز اینی راہ و قُرب کعبہ چہ حظ مرا کہ نافر ز قمار ماند و پانجست

قفس و دام را گناہے نیست رنجین در نسا و بال و پر است

نماد۔ جبلت کو کہتے ہیں۔ قفس اور دام دونو جانور کے لئے تخلیف اور لذت کے مقام ہیں۔ جہاں اکثر جانور تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے اور اس کے بال و پر گر جاتے ہیں۔ یہاں قفس اور دام سے دنیا اور اسکی تخلیفات مراد ہیں۔ کتاب ہے کہ قفس اور دام پر کچھ الزام نہیں ہے بال و پر گرنے ہی کے لئے بنے ہیں اور جاندار مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔

ریزہاں برگ وایں گل افشانہ ہم خزاں ہم بہار در گذر است

یعنی خزاں اور بہار دونوں رفتنی ہیں، اُسیس پتے جھڑتے ہیں تو اُسیس پھول جھڑتے ہیں۔ بے تو گزریستہ ام سختی اس در دسج بگذر از مرگ کہ دابستہ بنگامی است

یعنی موت کے لئے تو ایک وقت معین ہے اس سے قطع نظر کہ اور یہ خیال مت کر کہ اب تک مر کیوں نہیں؛ بلکہ یہ دیکھ کہ اب تک نہ کیوں نہ مرے اور کیوں نہ مرے اسکی بے نیج اور تخلیف کو برداشت کیا۔

کیست در کعبہ کہ رطلے ز بنیدم بجشد در گردگاں طلبہ جامہ اجرا مے است

رطل پیاؤ شراب۔ بنید۔ شراب۔ گردگاں وہ شے جسکو گرو کہیں۔ جامہ اجرام وہ بن سلا کپڑا

مختص

بہرین

مختص

مختص

مختص

جو مناسک حج کے ختم ہونے تک جاری رہتے رہتے ہیں۔

نہ بد جہتہ شرار و نہ بجا ماند و راد  
سوختم - ایک نذرانم بچہ عنوانم خوش  
رما و راکہ - پہلا سوختم لازمی - دوسرا سوختم متعدی - کتاب ہے میں جل تو مژدور گیا مگر معلوم نہیں  
اسنے کس طرح مجھے جلادیا نہ کوئی پتہ لگا اڑا اور نہ راکھ باقی رہی۔

بادوست ہر کردہ بخلوت خورد زدام  
وازد کہ خورد و کوثر و دار السلام بیت  
دوست کو خوردے - بادوہ کو کوثر سے - اور بخلوت کو دار السلام یعنی جنت سے تشبیہ دی ہے۔

دلخستہ رغیم دبودے دواسے ما  
باجتگاں حدیث حلال و حرام بیت  
اد کا سنہ کرام نصیب است خاک را  
تا از فلک نصیبہ کاس کرام بیت  
نیکی ز دست از تو نخواہیم مزد کار  
در خود بدیم کار تو ایم انتقام بیت

یعنی اگر کہنے نیکی کی ہے تو وہ تیری ہی طرف سے ہے اسکی اجرت ہم نہیں چاہتے اور اگر ہم بدیں تو  
تیرا فضل یعنی تیرے بنائے ہوئے ہیں پھر سزا کس لئے ہے۔

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت  
پرسد چرا کہ رخائے لعل نام بیت

یعنی غالب کے گھر میں مرثیہ ایک پڑانا خرقہ اور ایک مصحف تھا اور کچھ نہ تھا پس اُسے انگو اکڑ چھ نہیں دیا  
تو شراب کا بھاد کیوں پوچھتا پھر تاہے ہم فروخت کے لفظ میں یہ شوخی رکھی ہے کہ اگر دونوں کو ایک  
ساتھ نہ فروخت کیا ہو گا تو شراب کی قیمت نہ ادا ہو سکیگی۔

لطیف خداے - ذوق نشاطش نیدہ  
کافر دے کہ باستم دوست خوا گرفت

یعنی وہ کافر دل جو مشوق کے ظلم سننے کا عادی ہو اسکو خدا کی مہربانی میں بھی مزا نہیں آتا۔ بظاہر

یہ ایک شاعرانہ شوخی معلوم ہوتی ہے، مگر درحقیقت یہ ایک فیکٹ ہے جو ہوا و ہوس کے کوچہ  
میں ہمیشہ گزرتا رہتا ہے۔ ہوا و ہوس لوگ سب ذلتیں گوارا کرتے ہیں، جذباتی کے مددے، اثرات  
کی طین، ذلت و بے آبروئی، معاشیق کی بے اتفاقی و بے اعتنائی وغیرہ سب کچھ سہتے ہیں  
مگر ہوا و ہوس سے باز نہیں آتے؛ اور پارسائی و عفت کا طریقہ جو باعث خوشنودی خدا ہے  
اسکو اختیار نہیں کر سکتے۔

پیشانی  
پیشانی

رضواں چہ شہد و شیر نقالہ الجہ الکر د  
بے چارہ باز داد و مخے مشکبو گرفت  
رموز دین نشا سم دست - و معذورم  
نما دین عمی و طریق من بی ست  
یعنی میں پیدا تو عجم میں ہوا ہوں اور میرا مذہب عربی ہے پس اگر اصول مذہب سے واقف  
نہوں تو مجھکو معذور سمجھنا چاہئے۔

پیشانی

نشا طہم طلب از آسمان شوکت جم  
قدح مباحث یاقوت بادہ گر غنی  
دوسرا مصرع مثال ہے پہلے مصرع کے معنوں کی۔ یعنی انگوری شراب چاہئے جس سے جھشیدہ  
عیش حاصل ہو یا قوت کا پیالہ جس سے جھشیدہ کی سی شادمانہ شوکت ظاہر ہو اگر نہ میسر ہو  
تو نہ سی۔

منہ

ہر آنچہ در زگری جز جنس مائل نیست  
عیان یکسی من شرافت نسبست  
یعنی جسکو دیکھئے اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔ چونکہ شرافت نسب میں کوئی میری مثل نہیں ہے  
اسلئے میری طرف کوئی مائل نہیں ہے؛ اور یہی میری یکسی کی وجہ ہے۔

منہ

نشا طہم نواں از شرافت نما در تست  
فنون بالیاں فیض از فادہ تست

اس تمام غزل میں مشوق حقیقی کی طرف خطاب ہے۔

بجام دانہ حرف جم و سکند چست کہ ہر چہ رفت بہر عمدہ در زمانہ نیست

یعنی یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ جام جہاں نما جمشید کے عہد میں تھا اور آئینہ سکندر کے عہد میں  
کیونکہ جو کچھ جس زمانے میں گزرا وہ تیرے ہی زمانے میں تھا۔

ہم از احاطہ رست اینکہ در جہاں مارا قدم بہ تہکدہ و سر پر آئنا زست

یعنی تو جو تمام عالم پر محیط ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم نہیں تو تہکدہ میں۔ مگر ہمارا سر پر آئینا ہے  
پھر تو تجارت راج ماگما شستہ نہ ہر چہ دزد زانہ بدوز خزانہ رست؟

یعنی کیا یہ بات نہیں کہ جو کچھ تیرا ہے لوٹ کر لے گیا ہے وہ تیرے قرائن میں موجود ہے؟

مراچہ جرم گزاندہ ریشہ آسماں پست نہ تیز گامی تو سن زما زیاہ نیست؟

اس شعر میں منشا اپنے خیال کی بلند پروازی کا اظہار ہے؛ اور اصل مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہے  
وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ یعنی اگر میرا خیال اپنی حد سے تجاوز کر کے عالم بالا کے اسرار  
و غوامض میں دخل دیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے؟ تیرے مازیا نے نے گھوڑے کو تیز رفتار کر دیا،

شباب ہدا چناندر دانی ہستی بلا بجان جوانان پار سار یزد

آخر منزل غمت خمی تو راہ میزند اول منزل دگر بوی تو را ویدند

یعنی سالک جب تیری راہ میں قدم رکھتا ہے اور پہلی منزل قریب ختم ہونے کے ہوتی ہے تو  
سخت سخت مشکلات اور امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ جب یہ مرحلے ہو جاتا ہے اور دوسری  
منزل شروع ہوتی ہے تو لذت قرب حاصل ہونے لگتی ہے جو مثل زاد راہ کے آگے بڑھنے کی

اہمیت بندھواتی ہے۔

نقص  
نقص

اے کہ بیدار غم ز دست و یکہ مینہ غم ز دست  
ناز شش غم کہ ہم ز دست خاطر شاد میدہم

مست عطای خود کند ساقی ماہ مست  
دادہ ز یادے برد بسکہ زیاد میدہم

یعنی ہمارا ساقی شراب سے مست نہیں کرتا بلکہ اپنی عطا و بخشش سے مست کرتا ہے چونکہ وہ غم  
پیلے سے زیادہ دیتا ہے اس لئے پہلا دیا ہوا بھول جاتے ہیں اُسکے احسان کے نشے  
پر شراب کا نشہ غالب نہیں آئے پاتا۔

خلاف

دل اسباب طرب گم کردہ در بند غم ناں شد  
زرا عسکار و ہتھال میشو چوں باغ دریش شد

یہ مضمون مرزا کے حسب حال ہے اور عموماً مسلمانوں کی حالت پر صادق آتا ہے اول  
عیش و عشرت اور پھر نون تیل لکڑی کی فکر زراعت اور باغ کی مثال کس قدر مثل لے کے  
مطابق واقع ہوئی ہے۔

زراگرم است این ہنگامہ - بنگر شور بہستی را  
قیامت می دمد از پردہ خاکے کہ انسان شد

یعنی جو کچھ دنیا میں فتنے اور فساد اور جنگ و جدال اور شور و غوغا ہے وہ انسان ہی کے  
دم سے ہے اگر حضرت انسان نہ تو تھے تو تمام عالم میں سناٹا ہوتا۔

قضا از ذوق سنی شیرہ میر بخت در جاننا  
لے از لاسے پالایش چکیدہ آب حیاں شد

لائے بالا صافی کو کہتے ہیں - باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

جلوہ اے دماغ کہ در ذوقم ز ننگ سے خیزد  
فردہ اے درد کہ ننگم زد دوائے آید

یعنی اے دماغ اب تیرے ظاہر ہونے کا وقت آگیا کیونکہ ننگ جو تیرے طول پکڑنے اور ترقی



بانے کا باعث ہے مجھے اُنہیں مزا آنے لگا ہے اور اے درد تیری بن آئی ہے کیونکہ مجھے  
دوا سے ننگ آنے لگا ہے۔

ہمچوراز سے کہ بستی زولِ آید بیرون در بہاراں ہمہ بویت ز صباے آید  
اس شعریں مشرقِ حقیقی کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ  
ہے کہ اِنَّ بَعْدَ فِیْ اَیَّامِ ذٰہِرِکُمْ فِتْنَاتٍ اَلَا فَعَّرْتُوْا لَمَّا۔

خوش است آنکہ باغوشِ جز غم نداد وے خوشتر است آنکہ ایں غم نداد  
سرابے کو خشد بویرانہ خوشتر ز چشمیکہ پیرایہ غم دارد  
یعنی وہ سراب جو محراب چلے اُس آنکھ سے بہتر ہے جو تر نہیں ہے۔

سخن نیست در لطفِ این قطعہ غائب بہشتے بود ہند کا دم ندارد  
قطعہ سے مراد قطعہ زمین ہے۔

مردہ صبحِ دریں تیرہ شبانم داؤد شمع گشتند در خورشیدِ نثارم داؤد  
رخ کشودند و لب ہرزہ سرم بستند دل ربودند و دو چشم نگرام داؤد  
سوخت آتشکدہ ز آتشِ نفسم بخشید رنجت بجان ز ناقوسِ فغانم داؤد  
لہ از رایتِ شانمان عجم برپیدند بھوض غامہ گنجینہ فغانم داؤد  
افسر از مارکِ ترکانِ جنگلی بردند بہ سخنِ ناصیہ فسر کیا نم داؤد  
گوہر از تاج گشتند و ہر انش بستند ہر چہ بردند یہ پیدا بہ نہانم داؤد  
ہر چہ در جزیرہ ز گبراں نمی آوردند بشب جمعہ ماہ رمضانم داؤد

فنون

آزادی

شوق

تفویض

تفویض

تفویض

تفویض

تفویض

تفویض

ہرچہ از دستگیر پارس نیا برآؤ تا بنالم ہم از ان جملہ زبانم داؤد  
 غیر کے چند شعروں میں اس بات کا بیان ہے کہ قضا و قدر نے جو کچھ عرب کی فتوحات کے  
 وقت عجم سے چھینا اُسکے عوض میں مجھ کو کہ میں بھی عجمی الاصل ہوں۔ کچھ نہ کچھ دیا۔ جیسا تشکر  
 بل کر را کہ ہو گیا تو مجھے آتش کی جگہ نفس یعنی زبان دی۔ اور جب تہخانہ لکھا تو مجھے ناقوس کی جگہ  
 آہ و فغاں دی۔ شاہان عجم کے جھنڈوں کے موتی آمارے اور اُسکے عوض میں مجھے حنائی  
 گنجینہ فشاں عنایت کیا۔ اسی طرح ترکوں کے سر سے تلج روٹ لیا اور مجھ کو شاعری میں اقبال  
 کیانی مرحمت فرمایا۔ پھر کتابے کہ موتی تلج میں سے تو توڑے اور علم و دانش میں بڑے یعنی  
 جو کچھ علی الاعلان لوٹا تھا وہ مجھے چپکے سے دیدیا۔ اور آتش پرستوں سے جو شراب جنے میں لی  
 وہ ماہ رمضان کی شب جمہ کو مجھے پلائی۔ خلاصہ یہ کہ پارس کی جو کچھ پوچھی لوٹی تھی اُمیں سے  
 زبان مجھ کو فرما دینے کے لئے دیدی۔

خوایں نہ اں کنند کہ کس از بایں رسد دل بُرد تا دگر چه ازاں دلتاں رسد  
 یعنی دل لیا ہے تو مژدرا کے عوض میں کچھ اُس سے وصول ہوگا، کیونکہ اچھے لوگ ایسا کام نہیں  
 کرتے کہ کسی کو نقصان پہنچے۔

مقصود باثر دیر و دم جز صیب نیست ہر جا کنیم مجدد۔ ہاں آتاں رسد  
 کم شد نشان من چو رسیدم بہ کنج دیو مانند اں صدا کہ گوش گراں رسد

شعراے متغویں دیر و فراہات و میکے سے اکثر فاقہ یا وہ مقام جہاں فقر و فاقہ کی تعلیم ہوتی ہے  
 مراد لیتے ہیں۔ اپنا نشان دیر میں پہنچا کہ ہو جانے سے مراد فنا ہے۔ اسکی تشبیہ اُس صدا سے جو

معنی  
 دست خوانہ

تغویں  
 متغویں

ہو آدمی کے کان تک پہنچ کر گم ہو جاتی ہے کس قدر بلخ تشبیہ ہے۔

دریام بہرہ نہ نیست مگر قفس چنداں کنی بلند کتا آئیاں رسد  
اپنے اعزاز نفس کا اظہار ہے۔ یعنی اگر عزت کے ساتھ قید کرو تو مجھے قید ہونے سے کچھ انگار نہیں  
ہے۔ پس یہ امید نہ رکھو کہ میں دانے کے لالچ سے جال میں آجھونگا، نہیں۔ بلکہ قفس کو اتنا اونچا  
کر دو کہ میرے گھونسلے تک پہنچ جائے، میں قفس میں خود اچلا آؤں گا۔

تیر نخست را غلط انداز گفت ام اسے گزند تیر دیگر بر نشان رسد  
غلط انداز اس تیر کہ کہتے ہیں جو خطا کر کے غیر مقصود جگہ جا لگے چونکہ عشاق معشوق کے تیر کے شتاق  
ہوتے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ ایک تیر تو اسکا اگر لگا ہے مگر میں اسکو اپنی غوست طالع کے خیال سے  
غلط انداز سمجھتا ہوں۔ اب اگر دوسرا تیر بھی اسی جگہ آکر لگا تو میں سمجھونگا کہ پہلا بھی ارادے سے لگا یا گیا  
تھا ورنہ تیرا خیال جو پہلے تیر کی نسبت تمام صحیح ہو جائیگا اور امید بالکل باقی رہے گی۔

امید غلبہ نیست کہ بیش مغاں در آئے سے گریہ جز یہ دست نداد و از مغاں رسد  
یعنی اگر پارسیوں پر غلبہ اور حکومت حاصل ہونے کی امید نہیں ہے تو انکا نہ ہبا اختیار کر لے، کیونکہ اس  
صورت میں اگر شراب جز یہ میں نہ آویگی تو یہ اور سوغات میں ضرور آویگی۔ اس شعور میں گویا یہ  
ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آتش پرستوں پر غلبہ و استیلا حاصل کرنے کی علت غائی یہی ہے کہ جز یہ  
میں شراب آتا کرے۔ پس جب غلبہ کی امید نہ تو لاچار بیش مغاں اختیار کرنا چاہئے، تاکہ اگر جز یہ  
میں نہیں تو یہ وہ دماغ ہی میں شراب وصول ہو کرے۔

جاں بر سر کتبہ تو از شوق نشانزدن از عمدہ تحسیر جو اہم ہر آورد

میرا

اُن کشتی بشکستہ ز موجم کہ تباہی افگندہ در آتش گراؤ اہم بدہ آورد  
جب کشتی موج کے تھیسیر میں سے ٹوٹ جاتی ہے تو اُسکے تختوں کو پانی سے محال کر آگ میں  
ایند من کی جگہ جلاتے ہیں۔ اپنے تئیں کتاب ہے کہ میری مثال بھی اُسی کشتی کی سی ہے کہ دوسرے  
سے بچا تو آگ میں جھونکا گیا۔

میرا

میرا

میرا

گر جلوتہ رخ تو بہ ساعت زند میرہ ایم چندیں بذوقِ بادہ دل از جا چہ بڑ  
ہفت آسیا گردش و مادر میاں او غالب دگر سپر س کہ برا چہ میرود  
مجاو سودگی گمرو را ہی کا ندیں اوی چو خار از پا بر آمد۔ پا ز داماں کہنی آید  
یعنی کسی حالت میں آدمی دنیا کے محضوں سے نجات نہیں پاسکتا اگر کاٹا پاؤں سے کل گیا تو  
پاؤں داس میں اُلجھے گا۔

میرا

میرا

میرا

برآز بزم بحث احوذ بہ توفیق غالب کہ ترک سادہ ما با نقیماں بر نے آید  
ترک سادہ ما یعنی غالب جو کہ ایک بیولا بھالا ترک ہے۔ یہ ایسی ترکیب ہے جیسے موسائے سن اور  
فرادین۔ یعنی خود میں۔ با نقیماں برنی آید۔ یعنی مولویوں کی دلیلوں اور محبتوں سے عمدہ برا نہیں  
ہو سکتا۔ با کسے بر نیامدن کے معنی ہیں اس سے ستر برا و عمدہ برا نہونا۔

میرا

چشمِ دل با ختمہ داد و ہنر خواہد آنکہ چوں من ہمہ دان ہمہ بین تو شود  
یعنی چونکہ میرے دل نے تجھ کو جانا ہے جیسا کہ تو ہے اور میری آنکھ نے تجھ کو دیکھا ہے جیسا کہ تو  
ہے اس لئے دل اور آنکھ دونوں کو ٹھٹھا ہوں۔ پس میرے اس کام کی داد وہی دیگا جو میری  
طرح تیرا ہمہ داں اور ہمہ بین ہوگا۔

کفر و دیہیت جزا لایشین ہندار چوہ  
پاک شو پاک کہ مسکفر تہوین تو شود

رفتہ بودی در گراز جا بہ سخن سازی غیر  
مقت از بخت کہ خاموشی مایہ آمد

یعنی تو نے رقیب کی سخن سازی سے پھر دھوکا کھایا تھا، مگر شک ہے کہ اسکی سخن سازی دیکھ کر  
ہماری خاموشی تجھ کو یاد آگئی۔ جس سے تجھ کو یہ خیال ہوا ہو گا کہ تجھے عاشق منہ سے کچھ نہیں کہا کرتے۔

دوش کز گردش ختم گلہ بردی تو بود  
چشم سوئے فلک دی سخن سوی تو بود

یعنی صیب کی گردش کا شکوہ کرتے وقت آنکھ آسمان کی طرف تھی اور باتیں تجھ سے کر رہا تھا ایک  
خاص حالت کی تصویر بہت عمدہ لفظوں میں کھینچی ہے۔

دوست دارم گر ہے را کہ کارم زدہ اند  
کایں ہمانست کہ پیوستہ در ابروی تو بود

گر چنین ناز تو آدہ یعنی نما ماند  
ہے سکندر ز نرسد ہر چہ زوار ماند

مستحق حقیقی کی طرف خطاب ہے۔ سکندر سے مراد پادشاہ فاتح بادشاہ سے پادشاہ متوجہ

ہم ہمدرد اسے تو خورشید پرستم آہ  
دل ز مجنوں بزد آہو کہ ہر بسا ماند

یعنی اگر میں آفتاب کی پرستش کروں تو وہ بھی درحقیقت تیری ہی پرستش ہے، جیسے مجنوں ہوں

پراس لئے فریفتہ تھا کہ انکی آنکھیں لیلے سے مشابہ تھیں۔

شکوہ دوست ز دشمن تو نام پوشید  
گر غنیمت جو چنیں حوصلہ فرسا ماند

یعنی اگر جدائی کا غم اسی طرح بے صبر کرنے والا رہا تو دوست کا شکوہ ضبط نہ کیا جاسکیگا یا نہانک

کہ اسکو دشمنوں سے بھی نہ چھپا سکو گا۔

در بیل دشنہ نماں ساختہ غالب امروز  
گذرید کہ ماغم زدہ تنہا ماند

نہون  
عاشقانہ

عاشقانہ

عاشقانہ

نہون

نہون

عاشقانہ

یہیں

بستند رہ جرتے آتے بسکندر در یوزہ گریکدہ صہبا بکد و بُرد  
 یعنی سکندر کو ایک بے حقیقت پانی کے گھونٹ سے محروم رکھا اور میکدے کا فقیر شراب  
 بیسی نایاب چیز کا تو نبا بھر کر لے گیا مطلب یہ کہ پادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو میکدے  
 یعنی خانقاہ کے اوتے لگے اوتوں کو نصیب ہے۔

یک گرتے پس از ضبط دو صد گریہ ضاؤہ تا تلخی آں زہر تو انم بہ گلو بُرد  
 یعنی جب دو سو دفعہ رونے کو ضبط کروں تو ایک دفعہ تو رونے کی اجازت دے تاکہ اُس  
 ضبط کے زہر کی کڑواہٹ ایک دفعہ رو کر حلق سے دور کروں۔

ز جوش شکوہ بیدار دوست می ترم مباد مہر سکوت از دہن فرو ریزد  
 ایک مقول بات کو محسوسات کے لباس میں ظاہر کرتا ہے مطلب تو یہ ہے کہ اُسکے شکوے سے  
 اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ شاید اُسکو ضبط نہ کر سکوں مگر اُسکو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اُسکی بیدار کا  
 شکوہ دل سے اس جوش کے ساتھ ابلا ہے کہ منہ پر جو مہر سکوت لگی ہوئی ہے کیس اُسکے  
 ریلے میں بہ نہ جائے۔

بَریدہ ام روہ دورے کہ گر بنیام بجائے گرد رواں از بدن فرو ریزد  
 یعنی میں نے ایسی راہ دراز طے کی ہے کہ اگر بدن کو جھاڑوں تو گرد کی جگہ جان بدن سے  
 جھڑ جائے۔ یہ تشبیہ اس محنت و مشقت کی جو فکر و شعور و تخیل و فن سخن میں قائل نے کی ہے۔  
 مکن پیر شرم از شکوہ من کا میں نہایت کہ خود ز زخم دم دو خن فرو ریزد  
 عجیب غریب تشبیہ اور نہایت عمدہ خیال ہے اور برا خیال ہی نہیں بلکہ نفیٹ ہے۔ قاعدہ ہے

کہ حبِ مشوق مہربان ہو کر عاشق کی پرسشِ حالِ کتابہ تو اس وقت عاشقِ مجبور کا دل  
بہر آتا ہے؛ اور وہ شکایت کرنی شروع کرتا ہے۔ پس کتابہ کہ تو میری پرسشِ حال کے وقت  
شکایت سے جھکنا منع نہ کر؛ کیونکہ تو جو پرسشِ حال کرتا ہے تو گویا میرے زخم میں ٹانگے لگاتا ہے؛  
اور ٹانگے لگاتے وقت کسی قدر خون کا ٹپکنا ضروری ہے۔ پس یہ شکایت وہ خون ہے جو زخم کے  
سیتے وقت پکا کرتا ہے۔

اگر بیلِ زخمد ہرچہ از نظر گذرد      زبے ردانی عسکر کو در سفر گذرد  
یعنی عمر کا سفر میں گذرنا نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ سفر میں جو کچھ نظر سے گذرے اُس پر انسان  
فریفتہ نہ ہو جائے یا کرے۔

بوصلِ لطف باز نہ تھمتل کن      کہ مرگِ تشنہ بود آبِ چوں ز سر گذرد  
کتابہ کہ وصل کی حالت میں مہربانی اس قدر زیادہ نہ کر کہ میں اُسکی خوشی کا ثمل نہ کر سکوں  
اور خوشی کے اسے مر جاؤں؛ کیونکہ پیاسے کے لئے وہ پانی موت ہے جو سر سے گذر جائے۔

ہر کجا دشنہ مشوق تو جراتِ بارد      جگر خراشے بہ جگر گوشہ ادہم رسد  
طوبیٰ فیض تو ہر جا مل دبا نشانہ      جو نیسے بہ پرستش کہ مریم رسد  
جگر گوشہ ادہم یعنی ابراہیم بن ادہم کو ان زخموں میں سے جو تیرے شوق کی چھری برساتی  
ہے ایک خراش سے زیادہ نہیں پہنچی۔ اور جو پھول اور پھل تیرے فیض کے طوبیٰ سے چھڑتے  
ہیں انہیں سے صرف ایک ہوا کا جھوکا محرابِ مریم تک پہنچا ہے۔

مے بزمِ دکنِ عرض کہ این ہر ناب      پیشِ ایں قوم بشورایہ زغم نہ رسد

نہیں

خواجہ فردوس یہ میراث تمناوار دے  
 داسے گردِ روشِ قتل بہ آدم ہر  
 خواجہ کا لفظ فارسی میں اکثر ایسے مقام پر پڑتے ہیں جیسے مکر کے موقع پر آدم میں تیسرے شخص  
 کے لئے آپ یا حضرت ہوتے ہیں۔ کہتا ہے کہ آپ آدم کی میراث میں فردوس کے طلبگار ہیں۔  
 بڑا مرزا ہو اگر آپ کا سلسلہ نسب آدم تک نہ پہنچے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مرزا کو یہ احتمال ڈال دین  
 کی تیوری کے موافق سوجھا ہوگا؛ شاید انکا یہ مطلب ہے کہ آپ کے اخلاق و عادات انسانیت  
 سے اس قدر بعید ہیں کہ ممکن ہے آدم کی نسل سے ہوں۔

تصنیف  
 حاشیہ  
 بہ موجب  
 تخریض  
 تصنیف  
 تخریض

جاں درخت نشانِ مرگ از قضا ندارد  
 تن در بلا گفتنِ بیم بماند  
 چوں چہ تست غمخِ تا سخن نداند  
 چوں چشمِ تست ز گس تا حیا ندارد  
 فارغِ کسبِ دل را باد و اگر آرد  
 کشتِ جہاں سرا سدا رو گیا ندارد  
 بادیزے ہر آئینہ پر ہیز گفتہ اند  
 آرزے دروغِ مصلحتِ آمیز گفتہ اند  
 کو قاتلِ ہمہ آلائش پذیر آرد  
 از صورتِ جلوتِ دارِ آئینہ زنگار آرد  
 عشوہ مرمتِ جہنمِ محرابِ عیار  
 یوسف از چاہِ برآرد کہ بازار آرد  
 عشوہ خریدنِ دھوکا کھانا اور فریب میں آجانا یعنی آسمان کی مہربانی کے دھوکے میں ڈالنا  
 کہ یہ عیار یوسف کو چاہ سے اس لئے نکالتا ہے کہ بازاریں بچا کر کھائے۔

تصنیف  
 تخریض  
 تخریض

ہر شے رامشایے درخورت  
 بوسے پیراہن بہ کنکھائی رود  
 جو طبعِ درخشانت لیک  
 روزم اندر ایر پناں می رود  
 نو سیدی با گردِ شلِ بایم ندارد  
 روزے کہ سہی شد سحرِ شام ندارد



بلبل بچن بنگرو پروانہ بچھل  
شوق ست کہ در وصل ہم آرام ندارد  
یعنی شوق کو وصل میں بھی آرام نصیب نہیں، اسی لئے ذلیل کو چین میں آرام ہے۔ اور نہ پروانے  
کو شمع کی موجودگی میں قرار ہے۔

چرخیز و از سخن کز درون جاں نبود  
بریدہ باد ز بانے کہ خو نچکاں نبود  
کتاب ہے کہ جربات دل سے نہیں نکلتی وہ کچھ اثر نہیں کرتی۔ پس کٹیوہ زبان جو خونچکاں یعنی درد  
دل سے بھری ہوئی نہ۔

حکیم ساقی دے تہہ دمن ز بدخون  
زر طبل بادہ بخشم آیم ارگراں نبود  
حکیم سے مراد خدا ہے کتاب ہے کہ ساقی تو اندازے سے زیادہ نہیں دیتا اور شراب یعنی دولت دنیا  
نمای تہہ ہے مگر میں اپنی بدخونی اور زیادہ طلبی سے اگر شراب کا پیالہ ہلکا پاتا ہوں تو غصہ کرتا ہوں۔  
ز خویش رنہ ام و فرستے طمع دارم  
کہ باز گردم و جز دوست از غاں نبود  
قاعدہ ہے کہ جب آدمی کیس سفر کو جاتا ہے تو وہاں سے کچھ سوغات و ہدیہ وارنغاں لیکر وطن میں  
واپس آتا ہے کتاب ہے کہ میں اپنے آپ سے توجہ جکا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ واپس پھر کر اپنے  
آپے میں آؤں تو دوست یعنی حق کے سوا کوئی سوغات لیکر نہ آؤں۔

ز نام ناقہ بدست تعرف شوق است  
بسوے قیس گرایش ز ساریاں نبود  
یعنی سلی کا: تو جو قیس کی طرف چلا ہے یہ ساریاں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ہر وقت اسکی  
باگ تعرف شوق قیس کے ہاتھ میں ہے وہ بدرجہا ہوتا ہے بجا تا ہے۔

بنان غمر تم پیشہ شمارا نند  
کہ درستم روش آموزہ روزگار نند

برند دل بادائے کس گماں نبرد  
قفاں ز پرودہ نشیناں کہ پرودہ دارند

نہ زرع و کشت نشاند نہ حدیقہ و باغ  
ز بہر بادہ ہوا خواہ باد و بارانند

یعنی ہوا اور زمین کچھ اس لئے نہیں چاہتے کہ اس سے کھیتیاں اور باغ سرسبز و شاداب ہونگے بلکہ صرف اسلئے کہ شراب پینے کا لطف بغیر باد و باران کے نہیں آئیگا۔

یہ مضمون مرزا کو کہیں سے تلاش کرنا نہیں پڑا، بلکہ یہ خاص انکی طبیعت کا اقتضا تھا جس مکان میں مرزا رہتے تھے اسکے دروازے پر ایک کمرہ تھا، اور کمرے کے آگے ایک برآمدہ تھا جسکے نیچے رستہ چلتا تھا۔ یہ برآمدہ گذرگاہ سے قریب چار گز اونچا ہو گا۔ ایک روز منہ برس رہا تھا اور مرزا صاف برآمدے میں بیٹھے ہوئے ابرو باران کی مدارات میں مصروف تھے، اس وقت عالم سرخوشی میں قرارنے لگے کہ جی چاہتا ہے ایسا پسے کہ گلی کی رو کا پانی برآمدے تک آجائے اور میں سین بیٹھا بیٹھا گلاس بھر بھر پانی پیوں۔ کسی نے کہا حضرت! برآمدے تک پانی آگی تو شر پیلے ڈوب جائیگا۔ مرزا ہنس کر چلے ہو رہے۔

چہ لطف رہ روی آرزو کا غار غار نیست  
مرد و کعبہ اگر راہ ایمنی دارد

غار غار علجان۔ کتا ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہ ہو سفر میں کچھ لطف نہیں۔ پس اگر کعبہ کی راہ پر آئے ہیں تو کعبہ جانا نہیں چاہئے۔ فی الحقیقہ جو لوگ نہایت کٹھن متزلزل ہیں کہ ان کے مقام مقصود تک پہنچتے تھے۔ جو خوشی انکو منزل پہنچنے سے ہوتی ہوگی اسکا سوا حصہ بھی ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا جو میل اور شہر میں توجہ کل سفر کرتے ہیں۔

بیا ویدہ گریں جا بود زباندے  
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

موسے زیادہ طبع شعر ہے۔ اگرچہ مضمون عام ہے مگر خوش شاعر کے حال پر خوب چمپاں ہوتا ہے اور اسے یقیناً اپنی ہی نسبت کہا ہے۔ جب کوئی غیر ملک کا مسافر شہر میں وارد ہوتا ہے اور اسکی زبان کوئی نہیں سمجھتا تو ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر۔ کچھ تو اس لئے کہ کسی کو اپنا قدرون اور پایہ شناس نہیں پاتا، اور کچھ اس لئے کہ اپنے نازک اور ہارک خیالات کا سمجھنے والا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اپنے تئیں غریب شہر یعنی شہر میں بالکل جہنی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی ترجمان کو بلاؤ کہ ادبھی مسافر کچھ باتیں۔ جو کہنے ہی کے لائق ہیں کہنی چاہتا ہے۔

پیشم از اں پیرس کہ پرسی دابل کوست گویند خستہ ز محنت خود زیں دیار برد

نازم فریب صلح کہ غالب ز کوست تو ناما کام رفت و خاطر امیدوار برد

ہر کرار خست نمازے بنود از نمے جاے در حلقہ زندان قلع خوش ساد

جاے یا رخت کا نمازی ہونا اسکے آلودہ ہونے کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

نفتیاں! بادہ غریبست۔ مرزید بجاک جوشد از پردہ و گر خون سیاوش۔ باد

دوسرے مصرعے کی تقدیر عبارت یوں ہے، "باد اخون سیاوش۔ دیگر از پردہ جوشد۔ سیاوش کا قلعہ

مشہور ہے کہ وہ بگناہ اپنے سر سے افراسیاب کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اور اسکے خون کے ڈال

میں تمام ملک کشت و خون میں مبتلا رہا۔ کہتا ہے کہ اسے نقتیو! شراب بھی بڑی عزیز چیز ہے، ہیکو

زمین پرست گراؤ! ایسا نہ کو خون سیاوش ہر جوش مارے۔

از رنگ کرد آنچہ بن روزگار کرد درختکی نشاط را دید۔ خوار کرد

یہ نازل غالباً اس زمانے میں لکھی گئی ہے جب فراعہات کے موافقے میں پھنس گئے تھے۔ یعنی

زمانے نے جب مجھ کو دیکھا کہ منگیل آدمی میں بھی خوش ہے تو مجھے ذیلِ خوار کر دیا کہ اتنے خوش نہ ہو گیا۔

پیشانی

دردِ دل ہی زینشِ من گنبدِ دشتِ مرغ  
چوں دید کاں نما نہ نماں - آشکار کرد  
یعنی میری دانش و بینش کے سبب مجھے آسمان پوشیدہ کینہ تو رکھا ہی تھا، اب جو دیکھا کہ وہ کینہ  
لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہے تو آسمان کھل گیا اور علانیہ دشمنی کرنے لگا۔

منہ

لگتے سرِ مرمر و نشتی شکستِ موج  
دانا خورد و دریغ کہ ناداں چہ کار کرد  
یعنی جو کچھ ہوا وہ میری نادانی سے نہیں بلکہ قضاء و قدر کے حکم سے ہوا۔

بیش

نوسیدی از تو کفر و تو امانی نہ بکفر  
نوسیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد  
حاصل شعر کا یہ ہے کہ درحقیقت میں ہوں تو ناامید گرچہ کہ تجھے ناامید ہونا کفر ہے اور تو کفر سے  
رہنی نہیں اس لئے مجبور اپنے تئیں امیدوار بنایا ہے۔

بش

بشرع آید و حق سچو ز مجنوں کم نہ بارے  
دش باعمل است - آما زبان با ساراں  
یعنی شرع سے بھی تعلق رکھ اور خدا کو بھی ڈھونڈ، آخر تو مجنوں سے تو کم نہیں ہے کہ اس کا دل کو عمل  
میں اٹکا ہوا ہے، مگر زبان کو ساراں سے سر دکا ہے۔ یعنی ساراں سے باتیں کر رہا ہے اور  
دل لیلی سے لگا ہوا ہے۔ شرع کو ساراں سے اور حق کو عمل سے تشیل دی ہے اور یہ نہایت  
بلوغت تشیل ہے اور شعر نو اور اٹھارہ سے ہے۔

بش

مذا دقت پیش نیست - لغتم - بگذر از غنا  
کہ ہم جان برب ہم داستانِ زبان دارد  
مغترم یعنی میں نے کمدیا ہے، یا میں کہے دیتا ہوں۔ کہ یہ پرستش کا دقت نہیں ہے، تو غائب کے  
حال سے درگزر اور پرستش کا خیال چھوڑ دے۔ کیونکہ اس کی جان برب ہے اور داستانِ زبان

مبادوہ اپنی درد انگیز داستان بیان کرے اور داستان کے ساتھ ہی اسکی جان بھی گل جائے۔  
گویند صنعاں تو بہ کردار کفر۔ نادانندہ کو خود فروشیہامی بخشش نیرا خوش کرد

صنعاں کا قصہ مشہور ہے جو پہلے عابد تھا پھر فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ کفر تک نوبت  
پہنچ گئی پھر متنبہ ہوا اور کفر سے توبہ کی۔ کہتا ہے کہ صنعاں کا کفر سے توبہ کرنا مشہور ہے۔ وہ عجب  
نادان بندہ ہے جسے دین کی خود فروشی کے سبب خدا کی بخشش کو پسند نہ کیا۔ یعنی خدا کی خالص  
بخشش تو وہ تھی کہ وہ توبہ نہ کرتا، اور کفر ہی پر مڑتا، اور پھر خدا اسکو بخش دیتا، اور اب جو بخشش جا رہی  
تو بخشش دین کی قیمت بڑی پس گویا اسنے دین کی خود فروشی کے بھروسے پر خدا کی خالص بخشش  
کو پسند نہ کیا۔ خوش کردن کے معنی میں پسند کرنا۔

آں خود بہ بازی سے بزدل ہو جو بھی مشرود بنو دشمن خندہ زود آو دشمن خاں خوش نکرود  
باسن میا ویزا سے پدر فرزند آذر را نگر ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش نکرود  
میا ویز یعنی مجھے جھگڑا مت کر۔ فرزند آذر را برابر ہم علیہ السلام۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔ یہ  
بزرگ معنوں ہی نہیں ہے بلکہ مرزا کے حسب حال بھی ہے، کیونکہ جہاں تک معلوم ہے۔ مرزا  
کے والد سنی المذہب اور خود مرزا اثنا عشری تھے۔

درستم حق ناشناس گفتن از انصاف است آں کہ چندین تکیہ بر علم خداوند بخشش بود  
کہتا ہے کہ اس ظالم کو حق ناشناس کہنا انصاف نہیں ہے جبکہ خدا کے علم پر اسقدر بھروسہ ہے  
کہ اس کے بھروسے پر ظلم کئے چلا جاتا ہے، اور اس کے موافق سے نہیں ڈرتا۔

بخود گنہگار اہل معنی بازگوے گفت گفتم کہ با کردار پیونڈ بن بود

عاشق  
کافی

نوشی

اخلاق

بہر خوری

بہر خوری بسکہ سرگرم تلاشم کردہ نہ  
پارہ نزدیک در ہر دور باشم کردہ نہ  
دور باش - ہنوجو کی آواز کو کہتے ہیں - جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے نصیب پکارتے جتے ہیں  
کتاب ہے کہ مجھ کو قصداً و قدر نے سرگرم تلاش کیا ہے اُس سے مقصود میرا خواہ و ذلیل کرنا ہے پس  
راق تلاش میں جو دھماکا بھیر پڑتی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ میری ذلت و خوارگی زیادہ ہوتی ہے ؛  
اور اس طرح جو امر میرے سرگرم تلاش کرنے سے مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے پس گویا ہر دور باش  
میں کسی قدر مقصود کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں ۔

بہر خوری

بہر خوری

بہر خوری

چرخ ہر روزم غم فردا بخور دن میدہد  
آقیامت فارغ از فکر معاشم کردہ نہ  
از چہ غالب خواجگیامی جان ننگست  
گر نہ با سلمان و تو ز خواجہ باشم کردہ نہ  
بخشم ناسر میگوید و از لطف گفتارش  
گماں دادم کہ حرف دلشینی بعد ازین گوید  
لطف گفتار کی تعریف اس سے بہتر کسی پر رائے میں نہیں ہو سکتی کتاب ہے کہ مشوق سختے میں برابر  
مجھ کو برا بھلا کتاب ہے ؛ مگر اس کے لطف کلام سے میں ہمیشہ اسی امید میں رہتا ہوں کہ اب کوئی اچھی بات  
کتاب ہے ، اب کوئی مہربانی کا کلمہ اسکی زبان سے نکلتا ہے ۔

بہر خوری

بہر خوری

بہر خوری

دل از پیلو بروں آرم چشم عام خود انکار  
و گزشتے بر افتادم سلیمان نش گویہ  
اپنے دل پر فخر کرتا ہے کہ اگر اسکو پیلو سے نکال کر دکھاؤں تو ہمیشہ اسکو اپنا جام جہاں میں سمجھے ؛ اور اگر  
اسکا ایک لمحہ نکال کر ڈال دوں تو سلیمان اسکو خاتم سلیمانی کا لگیں بتائے ۔

بہر خوری

من بہ وفا مردم و رقیب بدرزد  
نیمہ لبش انگین و نیمہ تبرزد  
بدرزد یعنی نخل بھاگا - تبرزد - معری - کتاب ہے کہ میں تو نباہ کر تا کر تا مر گیا اور رقیب نخل بھاگا ۔ گویا

مشتوق کا ادھالب شدہ تھا کہ میں ایسے بچس کر رہ گیا، اور آدھا مصری تھا کہ قریب سے آگیا۔  
دعوے اور ابود لیل برہی خندہ دندان نا بکسن گہرزد

کتنے بڑے خیال کو کج منقرعظوں میں اور پھر کس صفائی اور خوبی سے ادا کیا ہے۔ کتا ہے کہ  
مشتوق موتی پر اس طرح ہنسا کہ اسکے دانت نظر آ گئے پس اسکا خندہ گویا اس بات کا دعوے  
ہے کہ موتی کی کچھ حقیقت میرے دانتوں کے سامنے نہیں، اور اس دعوے کی دلیل اسکا خندہ  
دندان نا ہے، کیونکہ اسکے دانتوں کا سب پر ظاہر ہو جائیسی اس بات کی دلیل ہے کہ موتی اسکے  
دانتوں کے سامنے کچھ حقیقت نہیں کہتے پس اسکے دعوے کی دلیل نہایت برہی اور ظاہر ہے۔

نہم جیس بدیش آستان بگرداند نشینش بر سر درہ غناں بگرداند

آستان بگرداند یعنی چمکٹ کے پتھر کو اٹ کر اور پر کا رخ نیچے اور نیچے کا رخ اوپر کر دیتا ہے۔

تو نامی از خلیہ خار و سنکری کہ سپہ سر حسین علی بر سناں بگرداند

برویشادی و اندوہ دل منہ کہ قضا چو سترہ بر لب امتحان بگرداند

یزید را بہ بابا خلیفہ نشانہ کلیم را بہ لباس شباں بگرداند

تینت ز فرق تا بہ کلیم رسیدہ باد شوخی ز حد گذشت تا بہم بریدہ باد

اول یہ آرزو کرتا ہے کہ تیری لموار میرے سر پہ او طلق تک آئے جائے۔ پھر یہ سمجھ کر کہ میرے ہر شخص کو

نصیب نہیں ہو سکتا۔ کتا ہے کہ گستاخی حد سے گذر گئی میری زبان تلم ہو جیو۔

گرفتہ ام ز کوے تو آساں ز رفتہ ام ایں تھتہ از زبان عزیزاں شنیدہ باد

ذوقیت ہمدی بقناں بگردم ترک خاد بہت پاسے عزیزاں علیہ باد

عاشق

شکوہ

بہ قول

امتحان

امتی

تھوٹ

عاشق

تھوٹ

یعنی اگر چہ ترے عشق میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں مگر چونکہ کئی آدمیوں کے ملکر نالہ و فریاد کرنے میں عجب لطف ہے اس لئے میں رشک سے قطع نظر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مدعا رہت پاسے عزیزاں علیدہ باد۔

تجلی

دریغِ دردن منت بسیار نہادند      بردند سراز دوش و سبکدوش نکرند  
یعنی تلوار سے سزا مارا کو بھی مشرق نے سبکدوش نہ کیا پہلے سر کا بوجھ تھا اب اس احسان کا بوجھ ہے کہ اپنی تلوار سے یہ بے قدر سزا مارا ہے۔

تجلی

روزیکہ بے زور دہنے شور نشنند      اندیشہ بکار خرد و ہوش نکرند  
یعنی شراب کا نشہ اور نے کی آواز کا درد و دوز و عقل و ہوش کے دشمن ہیں پس جب کارکنانِ قضا و قدر نے شراب میں زور اور نے میں شور و دہیت کیا تھا اس وقت عقل و ہوش کے انجام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

تجلی

تاجر شوق بدال رہ تجارت زرد      کر رہ انجام و سرمایہ بغارت زرد  
یعنی شوق الہی کا تاجر اس رستے نہیں چلتا کہ جو رستہ چلتے چلتے ختم ہو جائے اور اس رستے میں سرمایہ کو ٹھانہ جائے۔

تجلی

رمز شناس کہ ہر نکتہ اداسے دارد      محرم آنست کہ رہ جزا بشارت زرد  
کتاب ہے کہ ہر نکتہ یعنی کائنات کی اونٹل سے اونٹل چیز میں ایک اداس یعنی ایک معنی یا راز چھپا ہوا ہے۔ پس ہر چیز کی رمز کو سمجھنا پائے، کیونکہ محرم ماز وہی شخص ہے جو بغیر اُدھر کے اشارے کے ایک قدم نہیں اٹھاتا۔ یعنی جو کچھ نوحہ کھاتی ہے اس کے موافق عمل کرتا ہے۔ کھانے میں، پینے میں



سونے میں، جاگنے میں، غرض کہ ہر کام اور ہر چیز میں غرچی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔  
 زاہد از جو بہشتی بجز این نشناسد کہ شود دست زد بشوق بکارت زود  
 دست زد بشوق ہونا یعنی شوق کے زیر مشق ہونا۔ خلاصہ مطلب یہ کہ زاہد شریعت کے تمام الفاظ  
 انکے حقیقی معنی مراد لیتا ہے اور کسی بات کو تخیل و استعارہ و کنایہ پر محمول نہیں کرتا۔  
 بیا د جوش تناسے ویر نم سنگر چو اشک از سر مرگاں چکید نم سنگر  
 کہتا ہے کہ آہ اور دیدار کی تمناء جو میرے دل میں جوش مار رہی ہے اسکو دکھ اور پلکوں کے رستے  
 سے آنسو کی طرح میرا ٹپکنا ملاحظہ کر۔ جوش تناسے دیدار کی تصویر اس سے بہتر غالباً کسی نے  
 نہ کھینچی ہوگی کہ ”میں آنسو کی طرح پلکوں کے رستے سے ٹپکا جاتا ہوں۔“

زمن بجز طبعیدن کنارہ سے کردی بیا بخاک من و آرمید نم سنگر  
 دمیہ دانہ و بالید و آتیاں گہ شد در انتظار ہما دام چید نم سنگر  
 کہتا ہے کہ ہمارے انتظار میں میرا جان بچانا تو دیکھو جو دانہ جال کے نیچے ہمارے بھینائیے  
 ڈالا تھا وہ آگ اور بڑھا، اور یہاں تک بڑھا کہ ہمیں گھونٹے بٹکتے، مگر ہم ہی دام میں نہ آیا۔  
 اسے ذوقِ نواہی بازم بخروش اور غوغا سے شینخونے پر بنگہ ہوش اور  
 گر خود بخند از سر از دیدہ فرو بارم دل خوں کن و آن خونِ دیرینہ بخوش اور  
 ہاں مہوم فرزند دانی رو ویرانہ شمع کہ نخواہد شد از بادِ خروش اور  
 دیرانہ یعنی غریب خانہ۔ جو شمع کہ ہوا سے نہ بجھے گی مینی شراب۔

شورائے این وادی تلخست اگر رادی از شہر ہوے من سرخ شدہ نوش اور

شوق

عاشق

عاشق

عاشق

کتاب ہے کہیں جس وادی میں ہوں یہاں کاپانی تو تلخ ہے اسے ہم فرزند اگر بغیاض ہے تو شہر سے  
میرے لئے سرخینہ نوش یعنی شراب لا۔

دام کزرے داری۔ ہر جا کزرے داری مے گرد ہر سلطان از بادہ فروش آور  
گر مرغ پر کدوریزد برکت نہ ورا ہی شو ورشہ بسبب بختشہ بردار دم فروش آور

کتاب ہے کہ تیرے پاس دام بھی ہیں، اور تو سب جگہ آتا جانا بھی ہے؛ اگر بادشاہ عطا کرے تو تمہارا  
درد بادہ فروش سے لا۔ اگر مرغ آتش پرست یعنی بادہ فروش تو نیچے میں ڈال دے تو تو نجات پا کر  
رکھ اور چلے۔ اور جو بادشاہ گھرا بھر کر عنایت کرے تو کندھے پر اٹھا اور لے آ۔

ریجاں دمد از مینار مش جلد از قتل آں در رجہ چشم افکن این اپنے گوش آور  
رامش۔ راگ۔ آں سے مراد ریجاں اور ایں سے مراد قتل۔

گاہے بسکدستی از بادہ زرخشیم بر گاہے بیسستی از نغمہ بہوش آور  
گاہے بسکدستی یعنی کہیں جلدی سے مجھ کو شراب پلا کر مہوش کر دے اور پھر جب میں بہمست  
ہو جاؤں تو مجھ کو گانا سنا کر مہوش کر دے۔

غالب کہ بقایش باد۔ ہمپاے تو گزاید بارے غزلے، فزوں، زان سہ پہل اور  
ہمپاے تو یعنی ہمراہ تو۔ منہ پوش اونی کپڑے پہنے والا۔ مرزا جاڑے میں روئی دار کپڑا پہننے  
تھے؛ اکثر اونی پائینینے کا چنہ کوٹ اور ٹوپی وغیرہ پہنتے تھے۔

یقین عشق کن داز سرگران بر خیز بآشتی بنشیں یا بہ امتحاں بر خیز  
چرا بہ سنگ و گیاہی اے زباندہ طور زراہ دیدہ بمل در موزعیاں بر خیز

زبان شعلہ وہ تپتی جوسنگ دگیا۔ یعنی کوہ طور اور نخل امین۔ پڑھا ہر موی تھی اسکی طرف خطاب کرتا ہے کہ اسے شعلہ طور اختیار اور دخت سے۔ جو کہ تیرے قابل نہیں میں کیوں پستتا ہے؟ عاری آنکھ کی راہ سے دل میں آزا اور جان سے بھڑک اٹھ۔

عیادت است نہ پر خاش تند خوئی صیبت؟ بیاؤ، غمزدہ پیشین، لب گراں بر خیز۔  
مشرق عیادت کو آیا ہے اور عاشق کا حال نہایت تنیم دیکھ کر بے لطف ہوا ہے اس سے کہتا ہے کہ تو عیادت کے لئے آیا ہے، اڑان کے لئے نہیں آیا، پھر تند خوئی اور مدبراجی کیسی ہے؟ یہاں اگر بے لطفی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ پس آ۔ اور غمزدہ بیٹھ۔ اور ہونٹ کاٹا ہوا اٹھ۔

نفس جوین بوں گرد دیوار بفرماں گیر محرم سلیمانم نقش خاتم ادمن پس  
کہتا ہے کہ جب نفس مغلوب ہو گیا پھر جن کو محکوم کر لینا آسان ہے۔ میں سلیمان کا محرم راز ہوں، انکی انگوٹھی پر یہی نگین گذر تھا جس سے تمام جن اس کے محکوم تھے۔

بلوسہ از بانم دہ۔ عمر خضر ازین خواہ جام سے بہ پیشتم نہ عشرت جم ازین پس  
وردین بود غالب، یا علی بوطالب نیست نخل با طالب، اس غم ظلم ازین پس  
کہتا ہے کہ میرا وظیفہ یا علی ابن ابی طالب ہے، مجھ کو طالب صادق سے کچھ نخل نہیں ہے، اس غم ظلم  
مجھے پوچھو کہ کسی "یا علی" اس غم ظلم ہے۔

طیعت جنت ہر جنبہ خشکیاں شناس آرایش جبین شکر فاون زین شناس  
بے غم نہادر دگر ارمی نئے شود ز نہادر قدر خاطر اندو گیں شناس  
ز نہادر کے معنی یہاں ضرور بالضرور کے ہیں۔ یہ لفظ جب نہی پر آتا ہے تو ہرگز کے معنی ہوتے ہیں

عاشق

اخلاق

برونادہ  
نیتعاشق  
اخلاق

اور جب امر پر آتا ہے تو ضرور کے معنی دیتا ہے۔

دودھ دوائے متن سبت، آسمانِ میدش دیدہ بر خواب پریشان و جهانِ میدش

دنیا و مافیہا کا بیچ ہونا بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ایک خیالی و حوال اٹھ کر شامیانہ سانگیا  
ہے اسکا نام آسمان رکھ لیا۔ اور تاکہ کو ایک پریشان خواب نظر آیا اسکو جہاں سمجھ گئے۔ اسی طرح  
اسکے بعد کے کئی شعروں میں اسی مضمون کی تفصیل ہے۔ مثلاً

دہم خاکے نیت در چشم بیابانِ میدش قطرہ بگداخت - بحر بیکرانِ میدش  
باد دامن ز در آتش زوہار از غمِ میدش راع گشت آل شعلہ از مستی خزانِ میدش

جو کہ زوہار میں تمام جذباتِ نفسانی جوش میں آتے ہیں، اور عشق و ہوس کی تحریک ہوتی ہے  
اس لئے ہمارے آگ سے تشبیہ دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ ہوائے آگ کو دامن سے سلگایا میں نے اسکو  
بہار قرار دیا۔ اور جب وہ شعلہ جل اٹھا تو میں نے اسکا خزان نام رکھ دیا۔

غرہم ناسازگار آمد - وطنِ فہیدش کرد تلی حلقہ دوام - آشیانِ نامیدش

کہتا ہے کہ جب پردیس میں مجھے ظیفین پہنچنے لگیں تو میں اسکو وطن سمجھا، گو واجبِ دوام کے حلقہ نے  
تلی کی تو میں اسکو اپنا آشیانہ سمجھ گیا۔ مطلب یہ کہ وطن میں اس قدر بے مہری اور مغارت ہو گئی  
سے دیکھی تھی کہ جب پردیس میں اسکو نہ آیا تو میں نے اسکو بھی وطن ہی تصور کر لیا۔

بود در پہلو بلیکینے کہ دل سے گفتش رفت از شوخی آیتے کہ جانِ میدش

میاں بھئی ضمیرِ شوق کی طرف راجع ہے۔ کہتا ہے کہ وہ میرے پہلو میں ایسی تکیں کے ساتھ  
بیٹھا تھا جس طرح پہلو میں دل رہتا ہے۔ اور وہ شوخی سے اٹھ کر اس طرح چلا گیا کہ میں اسکو

ہاں کہ اٹھا۔ مینی جوجان کے جانے سے کیفیت ہوتی ہے وہی اسکے جانے سے ہوئی۔

دل زباں رازِ داناں آتشِ آہستہ گاہ بہاں گشتِ گاہے ظانِ مہیش

در سلوکِ ازہرِ چہ پیش آمد گشتنِ دہشتم کعبہ دیدم نقشِ پائے رہروانِ مہیش

دل در غمش بسوزا کہ ماں میدہرِ عمن ورجاں وہی غمے بہ ازاں میدہرِ عمن

بنو سخن سرائی مارا گھاں کہ دوست دل می بردناؤ زباں میدہرِ عمن

کتاب ہے کہ سخن سرائی بہ کوفت نہیں ملی ہے، بلکہ دوست جب دل لے لیتا ہے تو اسکے عوض زبان

عنایت کرتا ہے۔ زبان کو دل کا عوض قرار دینے میں شاعر نے لطافت یہ رکھی ہے کہ فی الحقیقہ

جب تک انسان کہیں دل نہیں دیتا اور عاشق نہیں ہوتا تب تک زبان میں گرمی اور شعلہ بیانی

پیدا نہیں ہو سکتی، خواہ عشق مجازی ہو اور خواہ عشق حقیقی۔

مرا کہ بادہ ندامت ز روزگار چہ خط ترا کہ بہت دنیا شامی از بہار چہ خط

خوش بہت کو نزد پاکست بادہ کہ دوست از اں رچیتِ مقدس دریں غار چہ خط

چمن پر از گل و نسرن و درباں نیست بہشتِ فتنہ ازیں گرد بے سوار چہ خط

چمن پر از گل و نسرن سے مراد دنیا ہے، اور درباں سے مراد وہ ذات ہے نشان ہے جو دیر و درپا

سے باہر ہے۔ کتاب ہے کہ اس فتنہ خیز دشت یعنی دنیا میں۔ جہاں قدم قدم پر راہزن اور تفریق

گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ اس گرد بے سوار سے کیا مدد پہنچ سکتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب راہ میں فرکو

۴۴ ہاں اور غلاں دو فرمودت یکدگر ہیں۔ جب کسی کا نام مرا نہیں لینا ہوتا تو وہاں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اور دوسرے جگہ

موت پر تو یہ آتشِ آہستہ کا دھماکا جلتے ہیں ۱۱

عشقِ آہستہ

دندانہ

دندانہ

نصرت

خطر ہوتا ہے اور اسکی کمک کے لئے کوئی سوار آتا ہے تو اول گرد نظر آتی ہے؛ پھر سوار نمودار  
ہوتا ہے مگر اس دشت میں گرد یعنی آثار و علامات تو سب موجود ہیں مگر سوار کا کہیں یہ نہیں  
چنیں کہ نخل بلند است سنگ پیدا ز میوہ تازہ فتنہ خود ز شاخسار چہ خط  
یعنی جبکہ نخل اس قدر بلند ہے اور پھل جھاڑنے کے لئے پتھر ناپید ہیں تو جب تک میوہ خود  
دشت سے نہ گرے۔ یعنی جب تک جاذبہ عنایت ہلکو خود اپنی طرف نہ کھینچے اور شاخ ہر حقیقی  
خود اپنی بھلکی نہ دکھائے۔ ہلکو کیا فائدہ؟

نہ مرا دولت دنیا۔ نہ مرا اجر جہیل نہ چو مزد تو نا۔ نہ تشکیبا چو خلیل  
بہنہ و بار بہ شبگیر در افگندہ براہ انکہ دشت سر سبکی صبح زہیل  
بہنہ و بار۔ ساز و سامان۔ شبگیر بھیل رات۔ یعنی جو شخص جانتا ہے کوچ کی صبح کو کیسی گھبرا  
اور کھل ملی پڑتی ہے وہ رات ہی سے تمام ساز و سامان بانہہ جوڑ کر سب کے سر پہ  
ڈال دیتا ہے۔

نہ کنی چارہ لب خشک سلمانے را اسے بہ تر سا بچکاں کہ دہ نئے سبیل  
یہ خطاب ہے خدا کی طرف۔ معنی ظاہر ہیں۔

غالب خستہ جاں راجہ بگفتار آری بدیا سے کہ نہ مانند نظیری قاتل  
نہ مانند نظیری قاتل یعنی نظیری اور قاتل میں فرق نہیں کرتے۔

بسکہ پرچیدہ خویش جادہ ز گراہیم رہہ بدرازی دہر عشوہ کوتاہیم  
ایک مقول بات کو محسوسات کی تمثیل میں ظاہر کیا ہے ظاہر ہے کہ حوالہ طریق معرفت سے

نقص

بجائے

نہ

ماہ قدرانی

نقص

تابلہ میں بابا یوں کہو کہ اس رستے میں گراہ ہیں باوہ معرفت الہی کو اس قدر شواہد نہیں جتنے  
جس قدر کہ عرفا اور کمال ادیا سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کو یوں بیاں کرتا ہے کہ میری گراہی کی  
شامت سے راہ اپنے اوپر اس طرح بل کھاتی ہے جس طرح رستی یا ڈورا زیادہ بل کھانے  
سے چھوٹا ہو جاتا ہے پس دورینی راہ معرفت باوجودیکہ بہت دور و دراز ہے مجھکو کوتاہی کا غشہ  
یعنی فریب دیتی ہے۔

شعلہ چلکہ غم کرا۔ گل شگندہ فرد کو شمع شبستانیم۔ باد سحر گاہیم  
اپنی مصیبت اور اپنی فیض رسانی اور اپنے لوگوں کی بیدردی اور ناقدر دانی ظاہر کرتا ہے  
کہتا ہے کہ میں گویا شمع شبستانی ہوں کہ اس سے شعلے جھڑتے ہیں مگر کسی کو اس کے ساتھ ہمدردی  
نہیں۔ اور گویا میں باد سحر گاہی ہوں جو بچوں کھلاتی ہے مگر اسکی اجرت کوئی نہیں ادا کرتا۔  
او صفت لفلان و سنگ رہ نہ و غلنگ زود ز کو نگذر د کو کبشتہ اہیم  
یعنی میری شامہ سواری کو بچے سے جلد نہیں گزرتی کیونکہ لوگوں کے جھوم اور پتھروں کے  
سترو سے راہ تنگ ہو جاتی ہے۔

مذہب تو بایر قوی کاں بیوہ بالیست اگر تواذر رسید بخت بہر اہیم  
کہتا ہے کہ تبراجذہ بایر قوی چاہئے جو مجھکو منزل تک لجائے۔ پس نصیب اگر میرے ساتھ  
نہ چل سکے تو کچھ حرج نہیں۔

غالب نام آدم نام و شام ببر  
ہم اسد اللہم و ہم اسد اللہیم  
براب یا علی سرے۔ باوہ دانہ کردہ ایم  
مشرب حق گزیرہ ہم عیش خواہ کردہ ایم

روانہ کردہ ایم یعنی جاری کردہ ایم۔ کتا ہے کہ چونکہ لب پر باعلی جاری ہے اس لحاظ سے  
تو ہننے مذہب حق اختیار کیا ہے، اور چونکہ اسپر شراب جاری ہے اس لحاظ سے منوں یعنی  
آتش پرستوں کا ساعیش کرتے ہیں یعنی دنیا اور دین دونوں کو حاصل میں۔

پس

بادہ بوم خوردہ وزیر بقمار باختہ وہ کہ زہر چہ نامنراست ہم بنز کردہ ایم  
یعنی شراب پینا اور روپیہ ضائع کرنا تو بڑا تھا ہی یہ ہے ان بڑائیوں کو بھی خوبی کے ساتھ دیکھا  
شراب پی تو قرض کی، اور روپیہ کھریا تو جوئے میں۔

نہ

متن

متن

متن

نادر بیکستہ ایم۔ داغ بدل ہفتہ ایم دولتیان تمسکیم زربخت نہ کردہ ایم  
نادر بیکستہ ایم یعنی اسکو تھم سے نہیں نکلنے دیتے، اور ضبط کرتے ہیں، اور داغ کو دل میں  
پھپھانے رکھتے ہیں، ہم دو قند تو ہیں مگر خمیس ہیں اپنی دولت کو خزانے میں رکھتے ہیں۔  
گرفروشی بفریاد ہم رسد وقت رفتہ ام از خوشی تن چند انکہ درانچوم  
کتا ہے کہ میں اپنے، اپنے سے تو لگہ لگیا ہوں مگر ابھی بچے کو بھولا نہیں ہوں اگر فروشی  
اس وقت میری فریاد کو پہنچے اور آپ نے کو بھلا بھی دے تو بہت مناسب ہے۔

ہر قدم نشتے ز خود رفتن بود در بارین ہر خوشی بزم در راہ قازاد خودم  
کتا ہے کہ راہ قنایں جو کچھ کہ میرے بار یعنی خود جی یا ذہن میں ہے وہ صرف یہی ہے  
کہ ہر قدم پر تھوڑا تھوڑا اپنے اپنے سے دور ہوتا جاتا ہوں۔ گویا جس طرح کہ شمع راہ قنا  
میں آپ ہی اپنا زاد راہ ہے مگر برابر بجھتی جاتی ہے اور زاد راہ کی طرح بڑتی جاتی ہے۔  
لحظہ میں بھی آپ اپنا زاد راہ ہوں۔



یاد باداں روزگار کا تعبائی شتم آہ آتش ناک و چشم اشکبارے دشم  
جوانی کے زمانے کو یاد کرتا ہے۔ جبکہ بواہوسی یا عشق و محبت زور شور پر تھا، آہ آتشاک  
تھی اور آنکھ اشکبار۔

دیگر از خویشم خبر نبود تکلف بر طرے ایں قدر داتم کہ غالب نام یارے دشم  
ایں چہ شورست کہ از شوق تو در سزدام دل پر دانه و تکمین بسند ردام  
اں چرا در طرب ایں چہ در تعب است خندہ پر غفلت در دیش تو نگردام  
کتاب ہے کہ میں در دیش اور تو انگر دونوں کی غفلت پر ہنستا ہوں جبکہ دنیا کا طرب و تعب  
دونوں بیچ ہیں تو ایک خوش کیوں ہے؟ اور دوسرا رنجیدہ کس لئے ہے؟

راز در تو تو بدنام کن گردش چرخ ہم سپاس از تو تو ہم شکوہ را خردام  
خدا سے کتاب ہے کہ جو تجھے تکلیف پہنچتی ہے اسکی مصلحت کو خوب سمجھتا ہوں، مگر آسمان کج بدنام  
کرتا ہوں۔ پس در حقیقت تیرا احسان نہ ہوں مگر عیاں ہر سارے کا شکوہ گزار۔  
خوشنودم از تو تو بے درد باش خلق آوازہ جفاے تو در عالم فلکسم  
کتاب ہے کہ میں نے تجھ کو جفا کار اس لئے مشہور کر رکھا ہے کہ او کوئی تیری طرف رغبت نہ کرے  
ورنہ میں در حقیقت تجھے ہر طرح راضی اور خوشنود ہوں۔

دو زندگ بر فرض زین ابا آسمان ماسا کز میں فشار در بار و خم فلکسم  
ہم عالم ز اہل عالم بر کنار افتادہ ام چوں امام سجد بیرون از شمار افتادہ ام  
زمین خدز کنی اگر لباس دیں دارم منفقہ کا فرم و بت در آستین دارم

اس شعر کے مصداق وہ مکار اور ریاکار لوگ ہیں جنکو مشرع اور مقدس سمجھ کر انکے آگے کوئی بات نہیں یا بے تہذیبی یا رند مشربی کی کہتے ہوئے شرم آتی ہے؛ مگر انکو ذرا ٹٹول کر دیکھئے تو وہ ٹٹائی کی اوچل تنکا کھیلنے والے نکلتے ہیں۔ اس میں خطاب معشوق کی طرف ہے جو نوعمر ہونے کے سبب مقدس آدمیوں کی صحبت سے بھاگتا ہے۔

نشتہ ام بگدائی بشا ہراہ و ہنوز ہزار وزد بہر گوشتہ و کین دام  
ہنوز کا لفظ بیاں ایسا ہے جیسا اردو میں دو نام،، یا،، باوجود اسکے،، ہوتے ہیں۔ کتا ہے کہ میں امیروں کی طرح سرائی کے لحاظ سے تو ایسا ہوں جیسے شاہراہ میں ایک گدا بیٹھا ہو۔ مگر اس لحاظ سے کہ لوگ میرے معنوں پر اتے ہیں۔ میرا یہ حال ہے کہ ہزاروں چوٹے میری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔

زود عدہ دوزخیاں را فردں نیازا زد تو فتنے عجب ادا آہ آتشیں دام  
کتا ہے کہ اہل دوزخ کو ظاہر ہے کہ سعادت معین سے زیادہ دوزخ میں نر کھینے؛ پس اس خیال سے میں اپنی آہ آتشیں سے ایک عجیب توقع رکھتا ہوں؛ یعنی یہ کہ آہ آتشیں بھی ہمیشہ نہ رہے گی۔ اس توقع کو عجیب اس لئے کہا ہے کہ اسکو بھی دوزخ پر قیاس کر کے اس سے آخر کار نجات کا امیدوار ہے۔

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب خطا نمودہ ام و چشم آفریں دام  
دوسرا مصرع نظیری کا ہے۔ جس کا پہلا اصل مصرع یہ ہے ”مطرب سادہ ولیاے من تو ان بخشید“ نظیری کا یہ شعر بڑے رتبے کا ہے؛ مگر حق یہ ہے کہ مرزا نے یہ مصرع تفسین کیا کیا ہے گویا اسکو

چسین لیا ہے۔ مرزا کے قطع کا مطلب اب یہ ہو گیا کہ نصیر علی کی غزل پر غزل لکھنی تھی تو  
 خطا۔ مگر میں نے اسپرادیسی غزل لکھی ہے کہ اپنی اس خطا پر آفریں کا اسید واہوں۔  
 بیا کہ قاعدہ آسمان بگردانیم      قضا بگردش رطل گراں بگردانیم  
 مشتوق سے کتا ہے کہ تو آہ تاکہ آسمان کا یہ قاعدہ کہ وہ دوست کو دوست سے نہیں مٹے دیتا  
 ہم تم دونوں ملکر لپٹ دیں؛ اور حکم قضا کو رطل گراں یعنی جام شراب کی گردش سے پھیر دیں  
 بگردش بنشینیم دور شد از کنیم      بکوچ بر سریرہ پاسباں بگردانیم  
 دور فرار کنیم یعنی دروازہ بند کر دیں اور چوکیدار کو حکم دیں کہ کوچے میں پھرتا رہے اور کسی کو آواز نہ دے  
 اگر زخمت بود گیر و دار نندیشیم      و گردشاہ رسد از مغاں بگردانیم  
 اگر کلیم شود ہجر ہاں سخن نہ کشیم      و گر خلیل شود میہاں بگردانیم  
 گل انگنیم و گلابے برگزیدہ پاشیم      مے آوریم و قلع دریماں بگردانیم  
 ندیم و مطرب ساقی را بنجمن رسیم      بکار و باز نیے کار داں بگردانیم  
 گئے بلا بہ سخن با ادا بیامیزیم      گئے برسہ زباں در دہاں بگردانیم  
 بلا بہ تعلق و غم شام سخن کو ادا کے ساتھ ملانا راؤ چاؤ اور ماز و نیاز کی باتیں کرنا۔  
 بنیم شرم بیک سو با ہم آویزم      بشوئے کسب اختران بگردانیم  
 ز جوش سینہ سحرانفس فرو بندیم      بلاے گرمی روز از جہاں بگردانیم  
 یعنی اختلاط کے موقع پر ہم دونوں ایسے زور زور سے سانس لیں کہ صبح کا دم بند کر دیں، اور اسکو  
 طلوع نہونے دیں، اور دن کی گرمی کی بلا جہاں سے ٹال دیں۔

بوہم شب ہمہ را در غلط بیت دایم ز نیمہ رہ ز نہ را باتباں بگردیم  
یعنی سب کورات کے دعوے میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ چرواہے کو ریوڑ سمیت اُدھے رستے  
سے شہر کی طرف اُلٹا پھیر دیں۔

بجنگ باج ستانان شاخاری را تہی سبزد در گستاں بگردیم  
یعنی جو لوگ درختوں سے میوہ اور فواکہ کی ڈالی لینے کو آئیں اُنکو زگر باغ کے باہر ہی سے خالی ہال  
کے ساتھ پھیر دیں۔

بصلح بال فشانان صبحا ہی را ز شاخار سوے آتباں بگردیم  
یعنی جو پرندے صبح کو گھونسلوں سے درختوں پر آکر گھلیل کرتے ہیں اُن کو نرمی اور چکار کے  
ساتھ گھونسلوں کی طرف لوٹا دیں۔

وحیدریم من و تو۔ ز اعجب نبود گز آقاب سوے خادراں بگردیم  
کہتا ہے کہ ہم تم حیدری ہیں، مجھے تعجب نہیں کہ جس طرح بقول بعض حیدر گز آرا سے معجزہ  
ردائش ظاہر ہوا تھا۔ ہم بھی آقاب کو مشرق کی طرف واپس پھیر دیں۔

رفت بر ایاچہ خود ما خواستیم وایہ از سلطان بغوغنا خواستیم  
قاعدہ ہے کہ جب فقیر بادشاہ سے بھیک مانگتے وقت شور و غل کرتا ہے تو اسکو مارا کر مٹا دیتے  
ہیں اور کچھ نہیں دیتے۔ کہتا ہے کہ ہمیر جتنی گزری وہ خود ہنسنے ہی چاہی تھی؛ کیونکہ بادشاہ سے  
بھیک مانگتے وقت غل شور بہت کیا؛ اس لئے وہاں سے دھمکا کر گئے اور کچھ نہ ملا۔ سلطان  
مراد خدا تھا ہے۔

دانش و گنجینہ پنداری کیست حق نماں داداں چہ پیدخواستیم  
 پنداری اور گوئی اور گویا کے ایک معنی ہیں۔ کتاب ہے کہ علم اور خزانہ گویا ایک ہی چیز ہیں؛ کیونکہ  
 جو چیز ہے علانیہ مانگی۔ یعنی دولت۔ وہ خدا نے ہلکے پوشیدہ طور پر دی۔ یعنی علم و ہنر  
 رفت و باز آمد ہمارا در دام ما باز سر دادیم و عفت خواستیم  
 کتاب ہے کہ ہمارے دام میں پھنس کر نکل گیا تھا پھر آن پھنسا؛ اب چاہئے تھا کہ اسکی زیادہ نگہانی  
 کرتے اور اسکو بچنے دیتے؛ مگر ہم نے اسکو خود چھوڑ دیا اور غفلت کی خواہش کی۔ ہمارے مراد دولت دنیا؛  
 اور غفلت سے مراد احدیت ذات۔

دشمن و سفاک برگ سفاکست ایم توشہ براہ۔ دے بود کہ برداشتیم  
 داغ احسان قبولی لیما نش نیست ناز بر خرمی بخت ہنر داشتیم ایم  
 قبولی اور قبول ایک معنی میں آتا ہے۔ خرمی بخت ہنر یعنی سرسبزی بخت ہنر۔ کتاب ہے کہ ہلکے  
 اپنے ہنر کی خوش نصیبی پر ناز ہے کیونکہ اُسپر کمینوں کی قبولیت کے احسان کا داغ نہیں ہے۔  
 یہاں خرمی بخت کا لفظ استعدا و ناما سازی بخت پر بولا گیا ہے۔

زخم جگر ہم بخیم و مرہم نہ پسندیم مہج گہرم۔ جنبش و رفتارند اہم  
 یعنی جس طرح زخم جگر تک بخیم و مرہم کی رسائی نہیں ہے اوداب گوہر کی مہج میں جنبش و رفتار  
 نہیں ہے؛ ایسا ہی میرا حال ہے۔ یعنی نہ کسی کو میرے درد کی خبر ہے؛ نہ میرے کمال کی اطلاع  
 نقد خردم۔ سکھ سلطان پذیریم جنس ہنرم گرمی بازارند اہم  
 غالب نبود کوتاہی از دوست۔ ہمانا زان ساں دہم کام کہ بسیارند اہم

یعنی وہ اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ اکثر مجھ کو شونہیں ہوتا کہ کیونکر یہ کام بن گیا۔  
 ذیل کی غزل نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے مکالمے پر جو مشاعرہ ہوتا تھا انہیں پڑھی گئی  
 تھی۔ چونکہ دلی کے تمام نامور شعرا کا جو وہاں فارسی غزلیں لکھ کر لیا تے تھے۔ مرزا نے  
 اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت فصیح ہے اس لئے بطور یادگار کے ساری  
 غزل سیاں نقل کیا کرتی ہے۔

دلِ مردم بخم طرہ خم در خم شاں	با پری چہ وہ غزالانِ مردم رم شاں
طرہ حور و لاد و تر از پرچم شاں	کافر اندہ جنال جبے کہ ہرگز بند
آہ ایں طائفہ دانکس کو جو رم شاں	اشکار کش و بدنام دگر نامی جو
نہ بر آسودہ دلالِ حرم و زرم شاں	ریشک بر تہمتنا رد و ادوی دارم
خستگانند کہ دانی و نداری غم شاں	بگذرانستہ دلانے کہ ندانی ہنس د

یعنی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے جنکو تو نہیں جانتا؛ مگر خبردار رہ کہ بہت سے ایسے  
 آفت زدہ ہیں جنکو تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم نہ جھکو نہیں۔

اتش است آتش اگر نیب و گرم شاں	واغ خوں گرمی اس چارہ گرم گوی
چہ بامنت بسیار نمی انکم شاں	ایکے راندی سخن از کتہ سہانِ حسیں
باود خلوت شاں شکشاں از غم شاں	ہند را خورش فضا نند سخنور کہ بود
عسرتی اشرف و آزرہ بود غم شاں	مومن و نصیر و صہبائی و ملوی دہنگا
ہست در بزم سخن محفلس ہد شاں	قالب سوختہ جاں گرچہ نیز دہشتار

خاستگان  
خاستگان  
خاستگان  
صد طلب  
اخلاق

بیداری  
و کرب  
محنت  
خود

مومن یعنی حکیم مومن خاں۔ جنکے دیوان اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں موجود ہیں  
 مشیر۔ یعنی نواب ضیاء الدین احمد خاں رئیس لوہارو۔ جنکا کلام دونوں زبانوں میں بقدر  
 مستند بہرہ و ہے مگر کوئی دیوان مرتب نہیں ہوا۔ صہبائی۔ یعنی مولانا امام بخش۔ جنکی نظم  
 نثر فارسی اور دیگر رسائل اور شرح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ علوی  
 مولانا عبداللہ خاں علوی استاد مولانا صہبائی۔ جنکی نظم و نثر فارسی چھپ چکی ہے، اور عربی  
 میں بھی انکے قصائد موجود ہیں۔ حسرتی۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں رئیس جہانگیر آباد۔ جنکے دیوان  
 اردو و فارسی دونوں زبانوں میں چھپ چکے ہیں؛ اور اسکے سوا سفر نامہ حج و تذکرہ گلشن بخارا  
 اور رقعات فارسی بھی انکی تصانیف سے شائع ہو چکی ہیں۔ آذرودہ مولانا مفتی محمد عبدالنیر  
 جنکا کلام اردو و فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں موجود تھا مگر افسوس ہے کہ آپس سے  
 بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے۔ لیکن بعض مذہبی رسالے جو ان سے یا لکھ رکھے ہیں شائع ہو چکے ہیں۔

تازہ دیوانم کہ سرست سخن خواہ شدن	ایں مئے از تھل خریہ اری کہن خواہ شدن
کو کبسم را در عدم اوج قبوسے بودہ است	شہرت شعرم بگیتی بعدین خواہ شدن
مطرب از شعرم بہر زبے کہ خواہد زد و	چاک ہا تیار حبیب پیرین خواہ شدن
حرف حرم در مذاق فتنہ جا خواہ گرفت	دستگا و ناز شیخ و برہن خواہ شدن

کتاب ہے کہ میرا ایک ایک حرف مذاق فتنہ میں جگہ پائیگا۔ یعنی فتنہ کو پسند آئیگا۔ جسکا نتیجہ یہ  
 ہوگا کہ بہن اسکو اپنے موافق سمجھے گا اور شیخ اپنے موافق خیال کرے گا؛ اور دونوں اپنی اپنی جگہ  
 اسپر فخر کریں گے، اور ایک دوسرے کو جھٹلائیں گے؛ اور آپس میں گل خپ ہوں گے۔

ہے چمی گویم؟ اگر اینست وضع روزگار  
دستِ اشعار بابِ سوختنِ خورشیدِ نرجس  
آس سے پہلے بطورِ فخر کے کہا تھا کیوں ہوگا اور وہوں ہوگا؛ پھر کتا ہے کہ ہے نہیں ہے  
کیا کتا ہوں؟ اگر زمانے کا حال ایسا ہی رہا تو دفترِ شعر بابِ سوختنِ مینی جلادینے کے  
لائق ہو جائیگا۔

چشم کو رائیئہ دعویٰ بکف خواہ گرفت  
دستِ شل مشاطہ زلفِ سخنِ اہرشدنِ نرجس  
شاہِ مضمونوں کو ایک شہری جانِ دست  
روستا آوارہ کام و دہنِ سخنِ اہرشدنِ نرجس  
یعنی آئندہ یہ حال ہوگا کہ شاہِ مضمونوں جو اب جان و دل کے شہر میں مقام رکھتا ہے وہ کام  
دہن کے دیہات میں آوارہ ہو جائیگا۔ یعنی جن اشعار اور خیالات میں اب نہایت دقیق  
اور گہری نگاہ سے غور کی جاتی ہے وہ صرف لوگوں کی زبانوں پر ہائیکے اور کی تہ کو کوئی پہنچے گا۔  
نزعِ راع اندر ہوائے نغمہ بالِ پرزناں ہم فوائے پردہ سبجانِ جن خواہ شدنِ نرجس  
جنگلی کوسے (یعنی تک بندی کرنے والے شاعر) نغمہ سنجی کی ہوا میں نکلے پھارے ہوئے چمن کے  
نغمہ سنجوں (یعنی عالی درجہ شاعروں) کی برابری کریں گے۔

شاہِ ایش ایل دریں محفل کہ ہر جان نغمہ است  
شیونِ ریخِ ذراقِ جانِ تن خواہ شدنِ نرجس  
آبِ کتا ہے کہ دنیا میں ان باتوں کا فکر کرنا بے سود ہے؛ یہ سب نئے موزوں ہوں یا موزوں  
ایک دن موت کے نوحے بجائیں گے۔

ہم فروغِ شمعِ ہستی تیرگی خواہ گزیر  
ہم با طہریم مستی پر شگنِ خواہ شدنِ نرجس  
گردِ پندارِ وجودِ اندر گہرِ خواہ شدنِ نرجس  
بھر تو حیدِ عیانی موزوںِ سخنِ اہرشدنِ نرجس



کہتا ہے کہ ہستی کے دھوکے کا بخار جوارہ میں اٹھا ہوا نظر آتا ہے یہ سب بیٹھے جائیگا یعنی سب  
 فنا ہو جائیں گے اور توحید عیانی کا دریا سوجھن ہو گا یعنی ذات واحد کے سوا کچھ باقی نہ رہیگا۔  
 دولت بخل بنو اور سعی پیشاں شو کا فر توتانی شذنا چار مسلمان شو  
 کہتا ہے کہ دولت یعنی مساوت کبھی غلطی نہیں کرتی؛ وہ اسی کے پاس جاتی ہے جو اسکے لائق  
 ہوتا ہے۔ پس تو اسے مخاطب اپنی سعی سے پیشاں ہو۔ اور وہ دولت کیا ہے؟ کا فر نہا کہتا ہے  
 کہ تو کا فر تو نہیں ہو سکتا لاچار مسلمان پر فحاشت کہ غالباً مرزا نے کفر سے وہ کفر مراد لیا ہے جو حق  
 کی اصطلاح کے موافق ایک بڑا مرتبہ مراتب فقر و درویشی میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن قطع نظر  
 ان معنوں کے اس شعر کے ایک اور معنی نہایت لطیف و پاکیزہ زمانے کے حسب حال بھی ہو سکتے  
 ہیں۔ جو شاید شعر کہتے وقت مرزا کے خیال میں نگہ نہ رہے ہوں؛ مگر ضرور ہے کہ انھیں کے نتائج کا  
 میں شمار کئے جائیں۔ کیونکہ لفظ اکثر کلام کی بنیاد ایسے جامع اور حاوی الفاظ پر رکھتے ہیں کہ گویا قائل کا  
 مقصود ایک خاص معنی سے زیادہ ہو مگر کلام اپنی عمومیت کے سبب بہت سے محل رکھتا ہو۔  
 مطلب یہ ہے کہ ایسا مسلمان ہونا جسکو سارا زمانہ مسلمان کہے اور مسلمان سمجھے۔ یہ تو بہت  
 آسان ہے؛ مگر قوم کی بھلائی کی وہ تدبیریں کرنی۔ کہ اسکی بھلائی انکے بغیر دشوار معلوم ہو۔ اور ان  
 تدبیروں کے اختیار کرنے میں لوگوں کے طعن و تفسیق سے نہ ڈرنا۔ یہاں تک کہ بد مذہب اور کافر  
 دشور ہونا مگر قوم کی خیر اندیشی سے دست کش نہ ہونا۔ نہایت دشوار بلکہ بعض حالتوں میں قریب  
 ناممکن کے ہے؛ کہ ہزاروں اور لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایسا ایک فرد دنیا کی عجائبات  
 میں سمجھا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایسا کا فر نہا تو بہت مشکل ہے؛ ناچار مسلمان پر اکتفا کر۔ یعنی

توحید کا دریا  
 سوجھن

کسی کے ذہن نشین کرنے نہایت مشکل تھے، مگر الحمد للہ کہ خود ہماری قوم میں حسن اتفاق سے اس وقت ایک شخص موجود ہے جسکی حالت پر نظر کرنے کے بعد اس شعر کے کوئی دوسرے معنی ان معنوں سے زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ یعنی ڈاکٹر سر سید احمد خاں جسے کافر، ملحد، نچری، دجال، سب کے سب کہلوانا منظور کیا مگر قوم کی خیر خواہی سے دست بردار نہوا۔

ازہرہ ردائے گشتن ظلم تو ان گشتن جوئی! بنیاباں رو سیلی! بیاباں ش

ہرہ یعنی برائے نام جاری ہو جانے سے ظلم نہیں ہوا جاسکتا۔ اے مخاطب تو ایک نالی ہے باغ کی کیا ریوں میں جا، اور ایک رُو ہے جنگل کی راہ لے۔ یہ ان ناقص المعیار لوگوں کی طرف خطاب ہے جو کسی فن میں تھوڑی سی شد بد حاصل کر کے اپنے تئیں کاملین میں شمار کرنے لگتے ہیں۔

گر چرخ فلک گردی سر بر خطرواں نہ در گوسے زیریں باغی وقت خم چو گاہ ش

یعنی تو کیسا ہی عالی رتبہ اور گرانمایہ ہو جائے اطاعت و فرمانبرداری کرنی ضرور ہے چاہا اطاعت کو عام لواد چاہو خاص خدا کی فرمانبرداری و ادھر کھو کیونکہ جس طرح دین میں بغیر خدا و رسول کی فرمانبرداری کے کام نہیں چلتا اسی طرح دنیا میں سلاطین و ملوک اور باپ اور افسردہ آقا و غیرہ کی اطاعت کے بغیر کچھ بن نہیں آتی۔

در بند شکیبائی مردم ز جگر خائی اے غوصلہ نگلی کن۔ اے غمخیزانہ ش

کتاب ہے کہ صبر کے شکنجے میں نین کلیچہ سوتا سوتا مری گیا یعنی تھک گیا۔ اب سوا اسکے اور کسی طرح اس بلا سے چٹکارا نہیں کہ غوصلہ نگلی کرنے لگے اور غم حد سے بڑھا۔ پس کتاب ہے کہ اے غمخیز! تو جیسا کہ اب تک فرخ اور وسیع رہا ہے اب بر خلاف اُسکے تنگ ہو جا، اور اے غم! تو زیادہ بڑھا۔

خطبات  
مفصل

احسان

تاریخ

اگر مجھے ضبط نہ رکھے، اور گھل کھیلوں، اور اس بگڑ خاری کے عذاب سے نجات پاؤں۔

سرایہ کرامت کن و انکسار بغارت بر  
بر خرمن مابر تنے بر مزرعہ باباں شو

اگرچہ ہوا ہمیشہ یہی ہے کہ اول سراپہ دیتے ہیں پھر جب چاہتے ہیں اسکو تباہ کر دیتے ہیں مگر شاعر بطور بیانہ کے یہ جتانہ ہے کہ ہماری کھیتی پر نیو تو کبھی نہیں برساتا مگر خرمن پر بجلی گرا تا رہتا ہے یہ انسان کی ایک قدرتی خاصیت ہے کہ مصیبتوں کے وقت نعمتوں کو بالکل فراموش کر دیتا ہے اسی خاصیت پر شاعر نے شعر کی بنیاد رکھی ہے۔

ذیل کی غزل سلسل اور محض ماستغانہ ہے جس میں مشوق کی خصلتیں بیاں کی ہیں، اور اسکو بادشاہ کی تعریف اور شکایت طرفیانہ پر ختم کیا ہے۔ اس غزل میں مرث حسن بیان کا لطف ہے، خیالات بلند نہیں ہیں۔

بتے دایم از اہل دل رم گرفت بشوخی دل از خوشیتن ہم گرفت  
دل گرفتن آلتا جانامنی اس قدر شوخ اور نازک مزاج ہے کہ اپنے آپ سے بھی بگڑ جاتا ہے۔  
ز سفاک گفتن جو گل پر شگفتہ دریں شیوہ خود را ستم گرفت  
یعنی اگر کوئی اسے سفاک کہتا ہے تو برا نہیں مانتا بلکہ خوش ہوتا ہے گویا اپنی سفاکی کو ستم اللہ نے ہونے ہے۔

فسوں خواندہ و کار عیسے نمودہ پری بودہ و خاتم از جسم گرفت  
یعنی انفس سے معجز کا کام لیتا ہے اور پری ہو کر جمشید کی انگوٹھی بھین لیتا ہے۔  
دمش ز خمنہ در نہ ہر یوسف نکلند غمش گندم از دست آدم گرفت

دم سے مراد بات ہے دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اُسکے غم میں اُدم کو گندم جیسی عزیز چیز  
فراغوش ہو جاتی ہے۔

گئے طعنہ برلجن مطرب سرودہ گئے خنرہ برنلق ہوم گرفتہ

بہ بیدار صد کشتہ برہم نہادہ بیازیمچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

یعنی آپ ہی مارتا ہے اور آپ ہی بطور کھیل کے ماتم کرتا ہے۔

بروش ز گرمی نگہ تاب خوردہ بکوش بر فتن صبا دم گرفتہ

نیار دوزمن کیسچ کہ یاد ہرگز مگر خوں خاقان اعظم گرفتہ

فقر کزد دم اوست در نکتہ سنجی کہ غالب باوازہ عالم گرفتہ

یہاں دم کے معنی افسون اور کراست کے ہیں تقدیر عبارت یوں ہے کہ غالب در نکتہ سنجی  
بہ آوازہ عالم گرفتہ۔

چوں زبانہ لال جاننا پزوغا کردہ بادت از خویش پر سیدانچہ با کردہ

یہ تمام غزل توحید میں ہے۔ کہتا ہے جبکہ تو نے ہماری زبانیں گونگی کر دی ہیں اور باوجود اسکے  
جانوں کے اندر شورش بھر دی ہے۔ اب تو اپنے ہی سے پوچھ لے کہ تو نے ہمارے ساتھ کیا  
سلوک کیا ہے۔

گرد شتاقِ عرضِ مستگاہِ حسنِ خویش (علا فدایت) دیدہ از بہر چہ بینا کردہ

ہفت دوزخ در نافرمانیِ تھمست انتقام ست ایں کہ با مجرم مارا کردہ

کہتا ہے کہ شرمندگی وہ عذاب ہے جسکی نہاد یعنی ذات میں ساتوں دوزخ چھپی ہوئی ہیں۔ پس اگر

تو نے گنگا کے ساتھ دارا یعنی رعایت کی اور اسکو بخش دیا تو یہ عین انتقام ہے، وہاں شرمندگی سے کہ باوجود اس قدر گناہوں کے ہلکے سزا نہیں دی۔ گویا سات دوزخوں میں جھونک دیا گیا۔

صد کشادہ آرا کہ ہم امر و زنج بنمودہ      خردہ باداں را کہ محمود ذوق فردا کردہ

خستگان را دل پریشمای پنهان بودہ      باد پرستان گرو نواز شمای پیدا کردہ

خستگان - زخمی اور شکستہ دل لوگ یعنی جنگی حالت زار بظاہر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اپنی فدا کا قصہ ہے۔ درست میج و سالم کہتے ہیں؛ درشتاں اسکی جمع ہے یعنی وہ لوگ جنگی حالت درست اور ہر ایک جنگی اور شکستہ سے محفوظ ہے۔ گویا اپنی فدا کی عنایت و مہربانی سب سے زیادہ ہے۔ کہتا ہے کہ اگر تو نے درشتوں پر ظاہری عنایتیں مبذول فرمائی ہیں تو زخمی دلوں کو پوشیدہ مہربانیوں سے مفتوں کیا ہے۔

چشمہ نوش است از ہر عنایت کام جاں      تمنی مئے در مذاق ما گوارا کردہ

خدا تعالیٰ کے غصے اور عتاب کو چشمہ نوش قرار دیتا ہے؛ اور اسکو شراب سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح شراب کا ذائقہ ہر شخص کو تلخ معلوم ہوتا ہے، مگر شرابیوں کے مذاق میں اس سے زیادہ کوئی شے خوشگوار نہیں۔ اسی طرح تیرا عتاب گویا تلخ معلوم ہو مگر تیرے عشاق اسکو شیرین نوش سمجھتے ہیں۔

جلوہ و نظارہ پنداری کہ از یک گوہرست      خویش را در پردہ خلقے تماشاکردہ

کہتا ہے کہ تو نے مخلوقات کو پیدا کر کے انہیں اپنے حسن کا آپ تماشا دکھا ہے؛ تو گویا جلوہ حسن اور نظارہ عشق و حقیقت ایک ہی جنس سے ہیں یعنی ناظر اور منظور ایک چیز ہیں۔

چارہ در رنگ و گیاہ و رنج با جاہ از بود      پیش اناں کیں در سدا از آئینا کردہ

نہتا ہے کہ بیماری تو جاندار کے ساتھ مخصوص تھی، اور بیماری کا علاج سنگ کی گیارہ مینی مسدئیات اور  
 نباتات میں تھا، پس تو نے جانداروں کے پیدا کرنے سے پہلے سنگ دگیاہ کر مینا کر دیا۔ جیسا کہ  
 علم جیولوجی میں پھاڑوں اور درختوں کا حیوان اور انسان سے پہلے پیدا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔  
 دیدہ می گرید، زبان می نالہ، وول می تپد عقدہ ہا انکار غالب سر بسر داکرہ  
 قطع میں پھر اپنی عادت کے موافق شوخی کی ہے۔ تمام نا طاعم حالتوں کو جو قائل پر گذر رہی ہیں  
 ان کو ازراہ شوخی اور طعنے کے عمدہ پیرائے میں ڈھال دیا ہے۔ کہتا ہے کہ انکو روٹی ہے، زبان فریاد کرتی  
 ہے، اور دل ٹڑپتا ہے، گویا تمام عقدے تو نے مل کر دئے ہیں۔ چونکہ انکو کارونا، زبان کا فریاد  
 کرنا، اور دل کا ٹڑپنا، ان تینوں حالتوں میں ایک کنشائش کی صورت محسوس ہوتی ہے اس لئے  
 بین تمام حالتوں کو اپنے عقدوں کے مل کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اس مضمون کو شوخی پر محمول  
 نہ کیا جائے تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ عشق کی معراج ہی ہے کہ انکو روئے، زبان فریاد کرے، اور  
 دل ٹڑپے، پس غالب پر جو یہ حالتیں طاری ہیں گویا عشق کی راہ میں تھنے عقدے تھے وہ  
 تھنے سب مل کر دئے۔

نہیں  
 پس  
 خاستگانہ

تا بم نزل برد کا فرادائے	بالا بلندے کو تہ قبائے
چوں مرگ ناگہ بسیار تلنے	چوں جان شیریں اندک دفائے
در کام بخش مسک امیرے	در دستان تبرم گدائے
گلخ سازے پوزش پسندے	طاقت گدازے مبر آدائے
خرب اخوش مدنی نیبے	دزد روے دلکش مینو قائے

زردشت کیشتے آتش پرستے برسم گزارے زرم سرانے  
 برسم - بجا و یا نا، وغیرہ کی بابت بابت بھر کی لکڑیاں کاٹ کر آتش پرست رکھ لیتے ہیں، اور  
 عبادت، یا ماننے، یا کھانے کے وقت ان کو ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہیں۔ برسم گزار اور زرم سر  
 آتش پرست کو کہتے ہیں۔ زرم اور زرمزودہ و عابے جو آتش پرست برسم ہاتھ میں لیکر پڑھتے ہیں۔  
 درکین و زرمی تفسیرہ دشتے درمہ بانی بتاں سرانے  
 تفسیرہ دشت پتا ہوا محرا۔ بانی شتر کے معنی معاف ہیں۔

اور زلف پر ختم مثلین نقابے از تابش تن زریں ردائے  
 یعنی زلف پر ختم، کچھ پر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے سیاہ نقاب منہ پر پڑی ہوئی ہو، اور  
 جو کپڑا وہ بدن پر ڈالتا ہے وہ بدن کی چمک دیکھ سے سنہری معلوم ہوتا ہے۔  
 در عرض دعوے یسے نکو ہے بر ختم غالب مجنوں سنائے  
 یعنی مہمب دعویٰ حسن جمال کرتا ہے تو لیلیٰ کی خوب کرتا ہے، اور غالب کے چڑانے کو مجنوں کی توفیق  
 کرتا ہے کہ وہ بڑا عاشق صادق تھا۔

تو کے زجر پیشہاں شدی چرمی گوئی در مرغ راست نمائے کہ دشتی داری  
 یعنی توجو یہ کہتا ہے کہ میں علم سے پشیاں ہو گیا ہوں، تو کب پشیاں ہوا ہے، کیونکہ وہ جھوٹ جو سچ  
 معلوم ہو، جیسا تپیلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے، پس تیرا یہ کہنا کہ میں ظلم سے پشیاں ہوں یہ بھی ایسی  
 ظلم میں داخل ہے۔

بسینہ چون دل جول جہاں خریدی باز نگاہ مہر فزائے کہ دشتی داری

عاشق

عاشق

کہتا ہے کہ تو سینے میں دل کی طرح اور دل میں جان کی طرح بیٹھ چکا ہے؛ پھر بھی تیری گامہ مرزا کا وہی حال ہے جو پہلے تھا؛ کہ محبت کی آگ بھڑکانے چلی جاتی ہے۔

عقاب و مہر تو از ہم شناختن تو اں      خرد فریب ادائے کہ دہشتی داری  
جہانیاں ز تو برگشتہ اند اگر غالب      ترا چہ پاک؟ خدا کے کہ دہشتی داری  
بیہودہ نیست سعی صبار دیا رہا      اسے بوسے گل پیام تمنا کے کیستی  
یادش بخیر تا چہ قدر سبز بودہ      اسے طرف جو بنار چین جاے کیستی

جاے کسے سبز بود۔ ایسی جگہ کا خالی رہنا۔ اور سبز ہونے کے معنی سرسبز و شاداب ہونے کے بھی ہیں۔ طرف جو بنار۔ کنارہ جو بنار چین کی پٹری پر سبز و دلچکھڑا ہے کہ اسے کنارہ جو بنار چین تو جو اس قدر سرسبز و شاداب ہے تو کس کی جگہ ہے۔ چونکہ وہاں مشوق کو نہیں پایا اس لئے بطور نگران نیک کے اول یادش بخیر لکھ کر پھر سوال کرتا ہے۔

نشیدہ لذت تو فرود میر و دوہل      اسے حرف احوال شکر خاے کیستی  
از بیچ نقش غمیر نکوئی ندیدہ      اسے دیدہ محو چہرہ زیبائے کیستی  
با بیج کا سر لیں ہمہ سختی میر و      اسے شب برگ من کہ تو فردا کے کیستی

برگ من یعنی اسے شب تجھ کو میری موت کی قسم۔ چونکہ اُس وقت اپنی موت سے زیادہ کسی چیز کو غم نہیں سمجھتا اس لئے رات کو اپنی موت کی قسم دے کر پوچھتا ہے کہ تو کبھی فردا سے قیامت ہے؟ یعنی جو سختی کہ تجھ میں میرے اوپر گزر رہی ہے کسی کافر کے ساتھ گذرتی ہوگی۔ پھر تو کافر سے بھی بڑھ کر کہنے لگے گا کہ قیامت کا دن ہے؛ بتا تو سہی؟

خجستان  
خجستان  
خجستان

خجستان  
خجستان  
خجستان



ایک غم نہی داد دل - آس نہی  
تا جو من دل نماں شہرہ نگارے نہی  
چشمِ نوش ہا ناز تراود ز دے  
کش گیری و در اندیشہ نشاے نہی  
مکتا ہے کہ اس دل سے یقیناً چشمِ نوش نہیں ٹپک سکتا جسکو کہ تو بھینچ کر تصور میں فشار نہی دے۔  
یعنی جب تک کہ دل عشق مجازی کے صدمے میں مھلتا اور طرح طرح کی کوفت میں نہیں اٹھا سکتا  
صفائی اور لطافت اور گھلاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

ماہ و خورشید ہیں دائرہ بکا زمیند  
تو کہ باشی، کہ بخود رحمت کارے نہی  
اور وہ کام ہی ہے کہ شش کے شکنجے میں دل کو فشار دیا جاوے۔  
سر بادِ دم شمشیر جوانی نہی  
تن بہ بندے غم فتراک سوارے نہی  
خونِ بدوق غم یزدان نشاے نخوری  
دیں مہر حق الفت گدازے نہی  
یزدانِ شناس اور حق الفت گداز، دونوں مرکبِ ضعیف ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔  
آخر کار نہ پیدا است، کہ در تن خسرو  
کفِ خونے کہ بدایا زینت و آرنہی  
شیرِ دمنہ زدن کا صناع ہے۔ منہ زدن ٹھہر جانا خشک ہو جانا یعنی کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے؟ کہ وہ  
خون جس سے تو کسی صلیب کو رنگین کر گیا مرنے کے بعد بدن میں خشک ہو کر رہ جائیگا۔

حیف اگر تن بے گان سر کوئے زرد  
واسے گریاں بسیرا گدازے نہی  
ہر زمان اجل از دست تو ناگاہ و بزد  
نقد ہوشے کہ بسو واسے بہارے نہی  
بمخیم طرہ حورانِ بہشت آویزند  
ناز پروردہ دے را کہ بہارے نہی  
کہ کنترل نبود - ابر بہاری غالب  
کہ در افتانی و در افتادنہ شمارے نہی

یعنی اگر اس کشتی میں تیری کشتی نہ ہو تو اسے غالب تیری مثال ابرہہ باری کی سی ہے کہ موتی بڑا کھنڈ  
اور انکی گنتی نہیں بتاتا یعنی بے شمار موتی بڑا ماس ہے۔

دھیاز جاب آبلہ پائے طلبیت      نورِ نظر اسے گوہرِ نایاب کجائی  
شوریتِ نواریزی تارِ نفسم را      پیدائے اسے جنبشِ مضرب کجائی  
یعنی میرے تارِ نفس سے جو نفثے کل رہے ہیں انھوں نے ایک شور برپا کر رکھا ہے، مگر اسے جنبشِ  
مضرب کجائی سے یہ تاج رہا ہے تو کہاں ہے؟ تیرا کیس بتائیں۔

بنامے بگو سالہ پرستاں یہ بھینا      غالب بہغن صاحبِ تاب کجائی  
قرباب کرامت اور معجزے کو کہتے ہیں۔ گو سالہ پرستوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناقص الیاء شاعروں  
کو مانتے ہیں۔

دیدہ ورنہ آنکھ تانہ دلِ شہارِ دلبری      در دلِ سنگ بنگرِ در قسبانِ آزری  
دیدہ ورنہ یعنی صاحبِ نظر و شخص ہے کہ جب اسکو یہ خیال پیدا ہو کہ دنیا میں کون سی چیزیں دلکش و دلربا  
ہیں تو وہ انکھڑ پتھر کے اندر تباہِ آزری کو قص کرتے ہوئے دیکھ لے یعنی مادے میں جو قابلیت  
اور استعداد خدا نے ودیعت کی ہے وہ پہلے اس سے کہ قوت سے فعل میں آئے اس پر ظاہر ہو جائے۔  
لے تو کہ بیچِ ذرہ راجزہ نورِ نیست      در طلبتِ توان گرفتِ بادِ رہبرِ بہری

یہ خطاب ہے جنابِ حدیث کی طرف۔ کہتا ہے کہ جس ذرے کو دیکھئے اسکا ٹھنڈ تر سے ہی رستے کی طرف  
بھرا ہوا ہے اور اس لئے تیری راہِ طلب میں خود بادِ یہی صحران کو پناہ دے رہا ہے کہ کونکہ  
اسکا ہر ذرہ تیری طرف رہنمائی کرتا ہے۔

نورِ نظر

نورِ نظر

نورِ نظر

نورِ نظر

ہر کہ بست در برش - واقعہ تو دیدش نول  
تا چہ برگیرے وہد - باز بری بر اداری  
کتاب ہے کہ جسکے پہلو میں دل ہے اُسکے دل سے تیرا داغ روئیدگی کی طرح اگتا ہے اور اس نے  
کہ اگر وہ دل کسی اور سے لگائے تو تو اس محبت سے کہ تیری نشانی اس پر موجود ہے وہاں سے اپنی  
جینے یعنی دل وہاں سے لے۔ اور یہی جھگڑا تھا۔ اور محبت۔

رشتک ملک چہ چراوچوں - تو رہی بود  
بید و دہرے تو می پرد از سبکدہی  
یعنی ہم ملاکر پر کیوں رشتک کریں جبکہ وہ بھی بے فائدہ تیری تلاش میں پرواز کرتے پھرتے ہیں اور  
بچو تک نہیں پہنچ سکتے۔

جفت کس بخنجم - دم - وز تو سخن - دو کہ تو  
اشک بر پرہ بستر می ، ملا بسینہ بگری  
یعنی اسوس ہے کہ میں تو خون میں پڑا ہوا لوٹوں اور تیری نسبت یہ کہا جائے کہ تو آتش انگہ کے اندر  
گن لیتا ہے اور فرمایا کو سینے کے اندر دیکھ لیتا ہے۔

کوثر اگر گریں - رسد خاک خوم زبے نمی  
طوبی اگر زمین شود ہمیکہ کثر زبے بگری  
یعنی میری شہری محبت کا یہ حال ہے کہ اگر کوثر مجھ کو مل جائے تو میں مٹی مٹی مٹی اور مجھے اس کے  
خاک کے سوا کچھ حاصل نہو اور اگر طوبی میری ملک ہو جائے تو وہ ایسا بے ہوش ہو جائے کہ اسکی  
لکڑی بندھن کے کام آئے۔

بینیم از گداز دل در جگر آتش چو میل  
غالب اگر دم سخن رہ بعضیر من پری  
کتاب کا اگر ماضی کے وقت تو میری حالت دردنی کو ٹوٹے تو دل کو گداز سے ایک لگ کی رو بہتی ہوئی جھلک نظر  
آئے۔ یہ اس جوش اور اس آگ کا بیان ہے جو صلی شاعروں کے دہیں شکر کرتے وقت بھڑکتی رہتی ہے۔

مرزا کی غزلیات - جو مقدار میں چار ہزار بیت سے کچھ زیادہ ہیں، اور جن میں منتخب اور برگزیدہ شمار ایک چوتھائی سے کم نہ ہونگے۔ انہیں سے کسی قدر اشعار جو سرسری نظر میں معاف اور عمدہ معلوم ہوں بطور نمونہ کے یہاں نقل کر دئے گئے ہیں تاکہ جو لوگ فارسی شعر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں - مگر اتنا دماغ نہیں رکھتے کہ مرزا کے کلام کو اول سے آخر تک بظرف غور دیکھیں۔ وہ مرزا کی غزل کا نمونہ دیکھا اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ مرزا کی غزل شعرا سے ایران کے کون سے طبقے کی غزل سے مناسبت رکھتی ہے؟ اور ہونگی اور مرزا کی غزل میں کیا نسبت پائی جاتی ہے؟ اگرچہ مقتضائے مقام یہ تھا کہ اس موقع پر مرزا کی چند غزلوں کا موازنہ ان سب لوگوں کی غزل کے ساتھ کیا جاتا جنکی غزل پر مرزا نے اپنی غزل بلا کر اپنی تمام شاعری کی بنیاد رکھی ہے؛ یعنی نظیری، عارفی، ظہوری، طالب، اسیر وغیرہ مگر چونکہ اس مختصر میں زیادہ گنجائش نہیں؛ اور نیز عام طبائع کو اس قسم کی تدقیقات سے کچھ دل بستگی بھی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے یہاں مرزا کی صرف دو غزلوں کا مقابلہ نظیری اور ظہوری کی غزلوں سے - کہ اس وقت ان دونوں کے دیوان ہمارے پاس موجود ہیں - کیا جاتا ہے۔

نظیری کی جو مشہور غزل پانختست اور بلا خفتست ہے مرزا صاحب نے بھی اس پر غزل لکھی ہے۔ نظیری کی غزل نوبت کی ہے جس میں سے ایک شعر پڑھا نہیں گیا اور مرزا کی غزل باہر بیت کی ہے۔ اس لئے مرزا کی غزل میں سے بھی اول صرف آٹھ بیتیں یہاں لجا بیٹگی تاکہ ٹھیک ٹھیک موازنہ ہو سکے اور بعد موازنہ کے مرزا کے باقی اشعار بھی نقل کر دئے جائیں گے۔

غالب

نظیری

ہوا دئے کہ در راں خضر را عوا خفتست

نظر بظاہر و میناد در خفا خفتست

اجل رسید و چہ واند بلا کا خفتست بیند می سپہ راہ گر چہ با خفتست  
 نظیری نے اس بات کو کہ عشق ایسے طور پر دقت پیدا ہو جاتا ہے جسکا سان گمان تک  
 نہیں ہوتا۔ ایک معمولی حالت کے پیرائے میں جو ہمیشہ صید اور مباد کے باہم گذرتی رہتی  
 ہے۔ بیان کیا ہے۔ نظیری کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ بہت صاف اور بچل ہے۔ اور گویہ مطلع  
 اس کے اسطو سے کہ اشعار میں محسوس نہیں ہو سکتا لیکن مرزا کے مطلع سے بہر حال بہتر ہے۔  
 مرزا نے گویا اپنی ناگزیر زندگی کا دشوار گزار مرحلہ خوشی خوشی طے کرنے کو اس تمثیل میں بیان  
 کیا ہے کہ جس خطرناک وادی میں حضرت خضر بھی ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں میں وہاں سینے  
 کے بل چلتا ہوں۔ مرزا کے اس مطلع پر ان کی زندگی میں ”عصا خفتست“ کے  
 لفظ پر اعتراض ہوا تھا؛ مرزا نے جواب دیا کہ سعدی نے بھی تو کہا ہے ”وے بکلہ اول  
 عصا سے پیر خفتست“ مگر اس جواب کو لوگوں نے تسلیم نہیں کیا؛ کیونکہ شیخ کے ہاں اس قدر  
 قرائن موجود ہیں کہ وہ عصا خفتست سے جو معنی اُسے بطور استعارے کے مراد رکھے ہیں  
 ان کے سوا دوسرے معنی کی طرف خیال ہی نہیں جاتا۔ بخلاف مرزا کے شعر کے۔ کہ جب تک  
 یہ نہ جنایا جائے کہ سعدی نے عصا خفتن کے یہ معنی لئے ہیں۔ تب تک اُس سے یہ معنی  
 مفہوم نہیں ہو سکتے۔

غالب

نظیری

دگر زایمی راہ و قرب کعبہ چو خطا  
 مرا کو نافر ز رفتار ماند و با خفتست

کجا ز عشوہ آں چشم نیم باز دیم  
 کہ قندہ خاستہ از خواب پای با خفتست

تظیری ممشوق کی اس حالت کو جب کہ وہ سوتے سے اٹھا ہو، اور آنکھیں کچھ کھلی اور کچھ مندی ہوں اور اپنا جی اسکے سامنے سے پرے ہٹنے کو چاہتا ہو۔ اس طرح ادا کرتا ہے کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو ہے۔ اور ہمارا پانوں سو گیا ہے؛ پس اسکی چشم نیم باز کے عشق سے ایسا ہو کر رہائی ہوئی۔

مرزا ساف کی اس حسرت ناک حالت کو جب کہ راہ بے خطر اور منزل مقصود قریب ہو گوشت و فراہ میں نہ اسکی سواری میں آگے قدم اٹھانے کی طاقت ہو اس طرح بیان کرتے ہیں دگر زنی راہ انج ان دونو شعروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر مطلقاً ترجیح نہیں دی جاسکتی جو عشق و مضامین کو پسند کرتے ہیں وہ خیر و نظیری کے شعر کو پسند کریں گے مگر اس لحاظ سے کہ مرزا کا بیان عاشق اور غیر عاشق سب کے حالات پر مادی ہے اور ہر شخص جیسے ایسی حالت گزرے اسکا مصداق ہو سکتا ہے فیما نظیری کے شعر پر فوقیت رکھتا ہے۔

### غالب

### نظیری

کسے بہ قلب بشیرم ترکتا بے آرد غمت بشیر بشیرخون زناں بہ بنگہ حلق  
کہ بر فراش قصب پای درخت عینس بجائے و شبہ در جرم بہر خفت

نظیری کا شعر محض عاشقانہ ہے اور اس لحاظ سے کہ یہ معنوں اول اسکو سوجھا ہے مرزا کے شعر پر ترجیح دینے کے قابل ہے کہتا ہے کہ میر کھر پر آدمی رات گئے وہ شخص آکر ڈاکا ڈالتا ہے جو ریشمی پھونوں میں پانوں کو مٹھدی لکائے پڑا سوتا ہے مطلب یہ کہ اسکا قصور اور اسکا خیال بغیر اسکے کہ اسکو اطلاع ہو رات کو آکر چھاتی پر سوار ہو جاتا ہے اور راحت د

آرام بالکل برباد کر دیتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ تیرا غم شہ میں لوگوں کے گھروں پر شیخوں مار رہا ہے اور کہتو ال اپنے گھر میں اور بادشاہ مجلس میں چین سے پڑے سوتے ہیں یہ سچ ہے کہ مرزا کے دل میں خیال نظیری کے شعر سے پیدا ہوا ہے مگر مرزا کی غیر معمولی اُچک اور بلند پروازی کے ثبوت کے لئے صرف یہی اقتباس کافی ہے کہ تھوڑے سے تصرف سے نظیری کے مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ نیز مرزا کے بیان میں حقیقت و مجاز دونوں پہلو موجود ہیں اور نظیری کا بیان صرف مجازی معنی میں محدود ہے۔

غالب

نظیری

شیر مہر ز باغ و خیالے تید      میں ز دور و محو قرب شہ کہ منظر  
بہر چین کو تو شائستہ صفاست      در یچ باز و بد روازہ آرد با خفست

اگرچہ مالِ روز و شعروں کا واحد ہے، مگر دونوں کے بیان کا عالم الگ الگ ہے۔ نظیری اس طرح بیان کرتا ہے کہ وفا سے حقیقی کے باغ سے مردِ اتفاقات کی خوشبوئیں آتی، مگر جس چین میں وہ پھول (یعنی معشوق حقیقی) کھلا ہوا ہے وہاں کی صبا پڑی سوتی ہے (یعنی اُسکو ہنر از مطلق نہیں ہے جس سے اُس چین کی خوشبو عالم میں پھیلے۔

مرزا یوں کہتے ہیں کہ آثار و افعال کے ذریعے سے اُسکو دور ہی سے دیکھ لو، اور قرب شاہ یعنی زیارت کی تلاش مت کرو، کیونکہ اگرچہ جھڑکے پٹ کھلے ہوئے ہیں (یعنی اُسکے آثار و افعال سب پر ظاہر ہیں) مگر اندر کوئی نہیں پاتا، کیونکہ عینِ دروازے پر اڑ دھاتیاں ہیں۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ مال دونو کا یہ ہے کہ معرفت ذات محالات سے ہے۔ مگر ہمارے  
تزدیک مرزا کا بیان نظیری کے بیان سے زیادہ بلند اور زیادہ دلکش واقع ہوا ہے۔

## نظیری غالب

طیبِ عشق پُر طمع ز بیک بصرِ حشرِ جنیں خستہ رو سیہ خیزد  
کہ شبِ احتیاز میں دے غفلت کہ در شکایت دردِ غم دو غفلت

نظیری لکھا ہے کہ مرضِ عشق کا طیب اُس بیمار کے علاج سے مایوس ہو جاتا ہے جو کسی  
رات کو اس دردِ بے دوا یعنی عشق کی بچینی سے آرام کے ساتھ سو گیا ہو؛ گویا مرضِ عشق  
کی علامت محسوس دی ہے کہ اُسکو کبھی راحت نصیب نہو۔ مگر شعراے متعوتین کے اصول  
کے موافق نظیری کے بیان میں یہ خلل تھا کہ وہ راحت کو ردی علامت بتاتا ہے؛  
حالانکہ عاشق صادق کی علامت یہی ہے کہ اُسکو دوست کی راہ میں درد اور تکلیف  
کبھی محسوس ہی نہو؛ بلکہ ہر ایک درد اور تکلیف عینِ راحت معلوم ہو۔ پس نظیری  
کے بیان سے گویا یہ لازم آتا تھا کہ عاشق صادق وہی ہے جو ہمیشہ بچینی اور بقراری میں  
بسر کرے؛ اور جب ایسا ہو گا تو کبھی نہ کبھی شکایت بھی اُسکی زبان سے نکلے گی۔  
مرزانے اسی لئے اس مضمون کو الٹ دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بیمار حشر کے دن مایوس  
اٹھے جو دردِ دل کی شکایت اور دوا کی تلاش کرتا ہوا سویا ہے۔

## نظیری غالب

کس از معانقہ روزِ وصل یا بدِ ذوق درازی شبِ بیداری من اینہ نیست





کام تھا تشبیہ نہایت بلیغ اور دل نشین واقع ہوئی ہے۔ یعنی مجھ جیسے اونکے درجے کے آدمی کو جو تیری جناب میں نیاز ہے اُس پر مجھ کو ایسا ہی ناز ہے جیسا اُس فقیر کو ہونا چاہئے جو بادشاہی محل کی دیوار کے سائے میں پڑا ہو۔

نظیری غالب  
فسانہ صرف نظیری کہن کہ خواب کند۔ بخواب چون خودم آسودہ دل غالب  
نکستہ کہ بصد دردمبتلا خفتست کہ خستہ غرقہ بخون خفتہ است تا خفتست

نظیری کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ نظیری کو فسانہ اس لئے سنانا مفعول ہے کہ ایک نکستہ کو فتنہ آدمی (نظیری) جو طبع طرح کی تکلیف میں مبتلا ہو کر پڑ رہا ہے۔ وہ سو رہے گا۔

مرزا کے شعر کا حاصل یہ ہے کہ اگر میں سو بھی جاؤں تو اسے غالب! مجھ کو اپنی طرح آسودہ اور خوشحال نہ سمجھنا، کیونکہ بیمار (یعنی میں) جب سویا ہوں تو خون میں ڈوبا ہوا سویا ہوں۔ پس ایسے شخص کو جاگتے یا سوتے کیا راحت نصیب ہو سکتی ہے۔

یہاں تک دونوں غزلوں میں سے صرف آٹھ آٹھ شعر ہم نے نقل کئے ہیں اور مرزا کے آٹھ شعر وہ لکھے ہیں جو کسی نہ کسی قدر نظیری کے اشعار سے لفظی یا معنوی مناسبت رکھتے تھے۔ اب مرزا کے باقی اشعار جو نظیری کی غزل سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ لکھتے ہیں۔

خروشِ حلقہ زندانِ نازین سپرست کہ سر زانوے زاہر بہر بوریا خفتست  
ہوا محاف و شب تار و بحر طواف خیز گشتہ لنگر کشتی و ناخدا خفتست

دل بسجود و بجاوہ و دروازہ  
کہ در و در حلقہ بیدار و پار صفت

براه حق بن ہر کہ بسنگ و داند  
کہ میر قافلہ در کارواں سر حقت

پہلا شعر محض مدائح ہے، اور زبان کی گرمی اور شغف کے سوا اور کوئی سنوئی لطافت نہیں کہتا۔  
اسکے بعد کے تینوں شعر مجسم تے کی روایت کے انتخابی اشار میں مع ہر ایک کی شرح کے لکھوائے  
ہیں۔ انیس سے پہلا شعر ہارس نزدیک مرزا کی تمام غزل میں بیت الغزل ہے۔ اور پچھلے  
دو تو شعری نظیری کے غزل کے عام اشعار سے کسی طرح رتبے میں کم نہیں ہیں۔ پس اگر  
نظیری کا بیت ادب کیا جائے تو ہم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے کہ دو نو غزلوں کو سادہی درجے  
میں کہیں۔ ورنہ انصاف یہ ہے کہ حیات مجموعی کے لحاظ سے مرزا کی غزل نظیری کی غزل سے  
یقیناً بڑھ گئی ہے۔ لیکن ایک آدھ غزل میں نظیری سے سبقت بچانے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرزا  
کی غزل کو مطلقاً نظیری کی غزل پر ترجیح دیا جائے۔ نظیری وہ شخص ہے جسکی نسبت  
مرزا صائب کہتے ہیں۔

”صائب چہ مجال است شوی مجھ نظیری عرفی بہ نظیری ز سائید سخن را“  
اور مرزا جلال اسیر کہتے ہیں۔

”پیشانی نظیری حد بشر نباشد“

اور شیخ ابو الفضل آئین الہری میں اسکی نسبت لکھتے ہیں ”دورے از تہنگاہ معنی بروی کتوہ انما“  
پس ہماری غرض مذکورہ بالا غزلوں کے مقابلہ کرنے سے صرف اس قدر تھی کہ مرزا نے غزل میں  
نظیری کے متبع کو جس درجے تک پہنچایا تھا اس سے لوگ اچھی طرح مطلع ہو جائیں۔ ورنہ اس غزل کو

اور جس قدر غزلیں مرزا نے تغیری کی غزلوں پر لکھی ہیں ان میں شاید ہی کوئی غزل ایسی ہو گئی جس  
تغیری کی غزل کا پیر مرزا کی غزل سے غالب نہ ہو۔ کیونکہ اکثر نچلے شعرا اگلوں کی انہیں غزلوں پر  
طبع آزمائی کرتے ہیں جو انکے سارے دیوان میں جدید و پرگزیدہ اور منتخب ہوتی ہیں۔ پس ایسی غزل  
میں اگلوں سے پچھلوں کا سبقت لیجانا کچھ منہسی کیل نہیں ہے۔

اب ہم مرزا کی ایک غزل کا موازنہ ظہوری کی غزل کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ دونوں غزلیں  
شیخ سعدی کی اس غزل پر لکھی گئی ہیں

”شب فراق چہ داند کتا بحر زہدست مگر کسیک بزدان عشق در بندست“

اگرچہ مرزا نے ظہوری کی غزلوں پر بہت کم غزلیں لکھی ہیں۔ مگر چونکہ وہ اپنے تئیں ظہوری کا  
تشیع ظاہر کرتے ہیں اس لئے اسکی ایک غزل کے ساتھ بھی مرزا کی غزل کا موازنہ کرنا ضرور تھا۔  
ظہوری کا دیوان جو ہمارے پاس موجود ہے اُس میں ”یا تو کاتبوں کی تصحیف سے“ اور ”یا خود ظہوری  
کی بچیدہ بیانی کے سبب۔ اکثر اشعار کے معنی سمجھ میں نہیں آتے بہت مشکل سے صرف ایک غزل  
ایسی نکلی ہے جسکے ہر ایک شعر کے کچھ نہ کچھ معنی اپنی سمجھ کے موافق لگائے گئے ہیں، اور اسکے تمام  
اشعار کا مقابلہ بعض اصحاب کی صورت دومرے صحیح نسخہ سے بھی کر لیا گیا ہے۔ اس لئے وہی غزل  
موازنے کے لئے انتخاب کی گئی ہے۔ اور چونکہ وہ شیخ کی غزل پر لکھی گئی ہے اس واسطے خیال  
کیا گیا ہے کہ ظہوری نے اُس اپنی پوری طاقت صرف کی ہوگی۔ ایک اور وجہ اس غزل کی تخصیص  
کی یہ ہے کہ مرزا نے اپنی تمام غزل میں ایک شعر کے سوا تمام اشعار میں وہی قافیہ باندھے ہیں جو  
ظہوری کے اس بندھے ہوئے تھے۔ اور نیز دونوں غزلیں ابیات کی تعداد کے لحاظ سے بھی برابر یعنی

یعنی دتل و دل بیت کی ہیں۔

غالب

ظہوری

چومچ من ز سیاہی بشام باندست

بشق قابل دیوانگی خردمندست

چلو نیم کو ز شب چند رت یا چند

ببر ز جملہ کہ آزاد مرد این بندست

ظہوری کہتا ہے کہ عشق میں جو شخص دیوانگی کی قابلیت رکھتا ہے اسی کو خردمند سمجھنا چاہئے پس چاہئے کہ تو سب سے قطع تعلق کر دے؛ کیونکہ جو شخص تعلقات سے آزاد ہے وہی بند عشق کا فرد نہیں کہلے لائق ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ جبکہ سیری صبح تاریکی کے سبب شام سے تو مجھے یہ کیا پوچھتے ہو کہ رات کتنی گزری یا کتنی باقی ہے؛ مطلب یہ کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک میرے دل پر رات پڑنا یہی تاریکی چھائی رہتی ہے؛ پس مجھے کیا خبر ہے کہ کتنی رات گزری اور کتنی باقی ہے؟ ظہوری کے شعر میں اس کے کچھ جدت نہیں ہے کرائے اپنی عادت کے موافق انہیں بھی صنعت قضا کا التزام کیا ہے یعنی دیوانگی پر خود مندی کا اطلاق کیا ہے اور آزاد پر قید کا (مرزا نے ایک معمولی خیال میں جدت پیدا کی ہے اور نہایت صفائی سے مطلب ادا کیا ہے۔

غالب

ظہوری

نگاہِ معر بہ دل سرزادہ چشمہ نوش

بشکر دیدہ تر تر زبانے دارم

ہنوز عیش با نوازہ بشکر خندست

کز ہر گریہ طراوت دہ بشکر خندست

ظہوری کہتا ہے کہ میں دیدہ تر کے شکر میں تر زبان اور طرب اللسان ہوں؛ کیونکہ گریہ کا زہر

مشتوق کے شکر خند کو طراوت دیتا ہے (یعنی ہمارے رونے پر اسکو بے اختیار ہنسی آتی ہے) گویا ہمارے آنسو خندہ مشتوق کی جڑ کو تروتازہ رکھتے ہیں۔ مرزا کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ مشتوق کو بظاہر مہنسی خوشی کے ساتھ ملتا ہے مگر کوئی دلی محبت کی بات اب تک ظہور میں نہیں آئی جس سے ہمارا دل باغ باغ ہو جائے۔ اس مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ابھی تک اسکی نگاہ مہر محبت نے لذت و علاوت کی سوت ہمارے دل میں جاری نہیں کی؛ بلکہ ہم مرثا کے ظاہری شکر خند پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

ظہوری کے ہاں وہی لفظی مناسبتیں جیسے دیدہ تراور تریزانی یا زہر گرہ اور شکر خند بہ نسبت مرزا کے زیادہ ہیں مگر مرزا کا شعراؤں سے زیادہ لطیف و نچرل اور عاشقانہ ہے۔

## غالب

## ظہوری

نہ گفتہ کہ بہ تلخی بزار و پند پذیر

مگر رخصت بے طاقتی شود مریم

برو کہ بادۂ طالع ترا زین پند

کہ گوش دل شد گاں زین گشتہ پند

ظہوری کہتا ہے کہ دل شد گاں (یعنی ہم عاشقوں) کے کان ناصح کی نصیحتوں سے زخمی ہو گئے ہیں؛ اُس کے اس زخم کا مرہم ہی ہو سکتا ہے کہ انکو بے طاقتی (یعنی بے حوصلگی اور عدم عمل) کی اجازت دی جائے تاکہ وہ ناصح سے گلچن ہو کر اپنے دل کی بھراس نکال لیں۔

مرزا ناصح سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے ناصح! تو نے یہی نہیں کہا کہ تلخی (یعنی جارحیت) سے موافقت کر لے؛ اور ہمارا کتنا مان لے۔ جا! اپنا رستہ لے؛ ہماری شہرہاں میں عیش سے زیادہ تلخ ہے؛ پس ہمکو تیری نصیحت کی تلخی سے مشتاقی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قافیہ بھی

جیسا کہ ظاہر ہے۔ مرزا کے ہاں بہ نسبت ظہوری کے زیادہ گرم بندہ تھا ہے۔

ظہوری	غالب
چرخِ علم کہ عہدِ گلِ دارِ دت کٹا کٹش ناز	دراز دوسری من چاکی از فلکند چہیب
کہ ہر گسختنی صد ہزار پیوندست	زنیش۔ دلقِ دوع با ہزار پیوندست

ظہوری کہتا ہے کہ اگر ناز و غمرے کی کٹا کٹش تجھے عہدِ شکنی کراتی رہتی ہے تو کچھ افسوس کی بات نہیں؛ کیونکہ ہر گسختنی (یعنی ہر عہد شکنی) لاکھ پیوند کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ جس قدر تو عہد توڑتا ہے اُسی قدر پیوندِ عشق زیادہ مستحکم ہوتا جاتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ اگر میری دراز دوسری اور بے باکی و رند مشربی نے دلقِ دوع و قتلے کو کسی قدر بچا ڈالا ہے تو میرا چند ان قصور نہیں ہے؛ کیونکہ ہمیں تو پہلے ہی سے ہزاروں پیوند لگے چلے آتے ہیں۔ یعنی خود اہل دوع و قتلے ہی اُسکی دُجینیاں اُڑا چکے ہیں، مگر بربکاری سے پیوند لگانا اگر اُسکا عیب ڈھانکتے رہتے ہیں۔ ظہوری کے شعر میں عشق و محبت کے ایک دقیق سوالے کی طرف اشارہ ہے۔ جو عشاق پر ہمیشہ گزرتا ہے۔ اور صنعتِ نقاد کا التزام بھی یہ چھوڑا کہ گسختن پر اُسکے ضدِ حقیقی یعنی پیوند کا اطلاق کیا ہے۔ باوجودیکہ ظہوری کے ہاں یہ قافیہ نہایت عمدگی سے بندھا تھا۔ مرزا نے بھی اس قافیے کے باندھنے میں کچھ کم داؤد لگایا نہیں دی؛ یہاں تک کہ ظہوری کے شعر کو شکل سے اُسپر ترجیح دیا جاسکتی ہے۔

ظہوری	غالب
-------	------

بگو حدیث و فاذ تو با درست بگو  
نہیم آنکہ مبادا بمیرم از شادی  
شوم فداے دروغی کہ راست نند  
نہ گوید ارچہ برگ من آرزو مند

مرزا نے مانند کا قافیہ مطلع کے سوا پھر کسی شعر میں نہیں باندھا۔ اور ظہوری کے ہاں  
آرزو مند کا قافیہ کیس نہیں بندھا۔ اس لئے یہ دونوں مختلف القوافی میں ایک جگہ لکھ گئی  
ہیں مثنوی دونوں کے ظاہر ہیں۔ ظہوری کا شعر بہت صاف اور لطیف اور مرزا کے شعر سے  
زیادہ نچرل ہے۔ مرزا نے مضمون میں جدت تو پیدا کی ہے مگر یہ سنکر کہ معشوق ہمارے مرنے  
کا آرزو مند ہے خوشی سے مرجانا۔ واقع کے بالکل عکس ہے۔

ظہوری غالب  
ز اہل مہر و محبت نشان ارم کس  
وجود ادھمست و ہستیم ہمہ عشق  
بہر خویش نہ بھیری تو سگندست  
بجنت و نمن و اقبال و سگندست

ظہوری کا شعر صاف ہے۔ اول دعویٰ کرتا ہے کہ مہر و محبت کا دنیا میں کیس وجود نہیں، اور اس  
دعویٰ پر اپنی محبت اور معشوق کی بے مہری کی قسم کھاتا ہے جسکی خوبی اور لطافت ظاہر ہے۔  
مرزا کا دعویٰ یہ ہے کہ معشوق کا وجود سراپا حسن و جمال ہے، اور میری ہستی سراسر عشق و محبت  
ہے۔ اور اس دعویٰ پر رقیب کے نصیب کی اور معشوق کے اقبال کی قسم کھاتا ہے جس  
ظہوری کی قسم سے زیادہ لطافت اور نزاکت پائی جاتی ہے۔ رقیب کے نصیب کی قسم اس لئے  
کھاتی ہے کہ جو وجود سراپا حسن و جمال ہے وہ بالکل اسی کے حصے میں آگیا ہے۔ اور معشوق کے  
اقبال کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ مجھ جیسا شخص اس کے سوا میں عشق و محبت کا پتلا ننگیا ہے۔



ایکے سوا غفلت مناسبتیں جیسے حسن و عشق، وجود و ہستی، دشمن و دوست، اور محبت و اقبال۔  
ایام شوق کا تناسب اجزائیں تقسیم ہونا۔ اسے شعر کو بہت بلند کر دیا ہے۔

## غالب

## ظہوری

زہرِ روان تو منزل شمار اگر شمار  
شمار کج روی دوست در نظر دارم  
غم ز کسے کہ نید از اندیش چہ دست  
دریں نورِ دند نام گراں آسمان چہ دست  
ظہوری کہتا ہے کہ تیری راہ میں جو شخص۔ منزلیں گنتا ہے، اور یہ خیال رکھتا ہے کہ گنتا رہتا  
ہے ہوا اور گنتا باقی ہے۔ اسکو تیرے رہروں میں کون شمار کرتا ہے؟ پھر کہتا ہے کہ دو غم از  
کسی ست، یعنی غمِ معشوق اس شخص کا حصہ ہے جسکو اپنے غم کی کمی یا زیادتی کا مطلق شوق نہیں۔  
مرزا کہتے ہیں کہ میرے خیال میں دوست کی کج روی کا تصور ایسا جما ہوا ہے کہ مجھے یہ خبر نہیں کہ  
اس نور (یعنی کج روی) میں آسمان کی کس قدر شرکت ہے۔ مرزا کا بیان کسی قدر ظہوری کے  
بیان سے صاف ہے مگر معنوں کے لحاظ سے دونوں شعروں میں کچھ لطافت یا خوبی معلوم نہیں ہوتی۔

## غالب

## ظہوری

شوگستہ با یام گرچہ زنجیر ست  
برنج از پے رحمت نگاہ شدہ اند  
اسیر آنکہ تبار نگاہ در بند ست  
ز حکمت است کہ پای شکستہ در بند ست  
ظہوری کہتا ہے کہ ایک مدت کے بعد لوہے کی بٹری بھی کٹ جاتی ہے اور قیدی رہا ہو جاتا ہے؛  
پس حقیقت قیدی وہی ہے جو تبار نگاہِ معشوق میں الجھا ہوا ہے۔ جسکو اس قید سے کبھی ہٹا نہیں  
مرزا کہتے ہیں کہ کیاں تکلیف میں اس لئے رکھا جاتا ہے کہ راحت حاصل ہو۔ اور اسکی مثال یہ ہے

کر پاشکستہ آدمی کو جو چلنے پرنے نہیں دیتے، اور جب تک ہڈی بھرنے جائے مقید رکھتے ہیں۔ اس مطلب یہی ہوتا ہے کہ آخر کار اسکو راحت حاصل ہو۔ ظہوری کے شعریں کسی قدر جدت ہے مگر شعری بندش سست اور مہجلی ہے مرزا کے ہاں مضمون میں کچھ ایسی جدت نہیں ہے مگر بیاں نہایت چست اور ٹھیک ٹھاک ہے۔

## ظہوری غالب

زبندگانِ فسر و آرزو - خدا نکلند  
اگر نہ بہرین - از بہر خود غزیم دار  
ہمیں بس ست کہما بندہ او خداوند  
کہ بندہ - خوبی او خوبی خداوند

ظہوری کے شعریں ”خدا نکلند“ یا تو محض مشوہ ہے، اور یا اس کے بعد کچھ عبارت متقدر ہے یعنی ”خدا نکلند کہما آرزو کہنیم“ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

مرزا کا شعر ان کی قزل میں بیت التزل ہے، اور یعنی اور لفظاً دو طرح سے ظہوری کے شعر ترجیح کھاتا ہے۔

## ظہوری غالب

ایسر عشق - ظہوری نشانہ دارد  
نہ آں بود کہ وفا خواہ از جمال غالب  
نشانہ اینکہ بیدا دوست خرسند  
بدیں کہ پرسد و گویند بہت خرسند

ظہوری کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ایسر عشق کی یہ بچان ہے کہ وہ دوست کے ظلم سے خوش ہنسا ہے۔ مرزا کے شعر کا مطلب ہے کہ میر تقی میر و وفا کی تلاش سے یہ نہیں ہے کہ میں اہل دنیا سے وفا کا طالب ہوں، بلکہ میں اسی میں خوش ہوں کہ میں پوچھوں کہ دنیا میں وفا ہے؟ اور لوگ اس کے جواب میں کہیں کہ ہاں ہے۔ دونوں قطع ہوا میں مگر باوجود اس کے مرزا کا بیان بانگ پس سے خالی نہیں۔

ہے دونو شاخوں کی غزلوں کی شرح بخوبی کردی ہے، مگر زیادہ نکتہ چینی کرنا غیر ضروری سمجھا گیا  
اور دونو غزلوں میں محاکہ کرنا بھی ناظرین کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود بشرطیکہ فارسی شعر کا صحیح مذاق  
رکھتے ہوئے اس بات کا اندازہ کر لینگے کہ دونو غزلوں میں کیا نسبت ہے۔

## رباعیات

مرزا کی رباعیاں تعداد میں قریب سو اُس کے ہیں جنہیں سے اکثر شوخی و بیباکی، بادہ غزالی، فقر و  
مہابت، اور شکایت و زاری کے مضامین پر مشتمل ہیں اور کسی قدر مصروفانہ، اور چند خاص خاص  
مضامین پر ہیں۔ مختصات میں ظاہر اعرضیام کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا کی رباعی میں نسبت عام  
تقریبات کے زیادہ صفائی و تفسیقی اور گرمی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی قدر رباعیاں  
بطور نمونے کے یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوگی رباعی کے ساتھ اسکی شرح بھی کوئی جاگزیں

۱ غالب پر گمزدودہ زاد ششم  
چوں رفت پسیدی ز دم چنگ شعر  
راں و بھائی دم تینست دم  
شیر شکستہ نیاگاں تسلیم

مگر دو گمزدودہ اصل۔ دودہ نسل و خاندان۔ زاد ششم چنگ کے باپ اور تو را بن فریدوں کے بیٹے کا  
نام ہے۔ جبکی نسل میں مرزا اپنے تئیں بتاتے ہیں۔ دم تیغ۔ تلوار کی دھار۔ دم یعنی میر کا نام  
پسبیدی۔ سلطنت دسپہ سالاری۔ نیا۔ واوا۔ نیاگاں جمع۔ کہتا ہے کہ جب پسبیدی ہماری  
قوم سے رخصت ہو گئی تو میں نے شکر کتنا اختیار کر لیا؛ گویا بزرگوں کا ٹوٹا ہوا تیر میر قلم بن گیا۔

۲ شمرست کہ بہر ضبط آداب و رسوم  
خیزد برب را ز بنی امام معصوم

منزل

زاجاع چہ گوئی بر علی باز گریے ہر جاے نشین مہر باشد نہ بخوم  
یہ رباعی مرزا کے تفضیل ہونے پر دلالت کرتی ہے: تشبیح پر، کیونکہ خلفائے شمس پر بخوم اطلاق  
حضرات شیعہ نہیں کر سکتے۔

۳ راہیت ز عبت را حضور باشد خواہی تو دراز گیر و خواہی کوتاہ  
ایں کوثر و طوبیٰ کہ نشانہ دارد سر چشمہ و سایہ لبست در نیمہ راہ

کتاب ہے کہ بندے سے خدا کی حضور تک ایک راہ ہے، خواہ اسکو دراز سمجھو، خواہ کوتاہ سمجھو۔ اور یہ  
جو کوثر و طوبیٰ ہیں جنیں اسکی راہ کے کچھ کچھ نشان پائے جاتے ہیں۔ یہ ایسے ہیں جیسے آثار  
راہ میں چشمہ اور سایہ آجاتا ہے۔

۴ اں مرد کو زن گرفت و انا بنود از غصہ فراغتش ہما نا بنود  
دار و بجاں خانہ دزن نیست درد نازم بخدا چہرا تو انا بنود

تیسرے مصرع میں دار و کا فاعل خدا ہے جبکہ نام چوتھے مصرع میں لیا ہے خانہ سے مراد  
خانہ کعبہ ہے باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

۵ بادست غم اں باد کو مال ببرد آب رخ ہو شمند و عسافل ببرد  
بگذاشته ام غمے ز صبا بہ سپر کیش اندر مرگ پدر از دل ببرد

کتاب ہے کہ غم ایک ہوا ہے۔ ایسی ہوا کہ تمام خرمن کو اڑا لیجائے؛ اور دانا اور ناداں کی آبر و کو  
بھائے جائے؛ اسی لئے میں بیٹے کے لئے ایک شراب کا مٹکا چھوڑ چلا ہوں؛ تاکہ باپ کے  
مرنے کا غم اس کے دل سے دھو دے۔

کونی

۶ اے آنکہ براہ کعبہ روئے داری      لازم کہ گزیدہ آرزوئے داری  
ایں گونہ کہ تندے خوامی - دایم      درخانہ زن ستیزہ خوئے داری

کعبہ جانے والے سے کہتا ہے کہ تیرا ارادہ تو بہت عمدہ ہے، مگر تو جو ایسا بھاگا جانا ہے میں  
بجھتا ہوں کہ تیرے گھر میں بد مزاج عورت ہے جسکے سبب سے کعبہ جانے میں اس قدر جلدی ہے۔

فریہ

۷ شاہرچند وایہ جو آمدہ ام      دانی کہ چہ پایہ نمنسز گو آمدہ ام

رنگم کہ بسار را بہ رو آمدہ ام      آبم کہ محیط را بجو آمدہ ام

۸ زانجا کہ دلم بوسہم در بندہ بود      باہیج علاوہ سخت پیوندہ بود

مقصود من از کعبہ و آہنگ سنہ      جز ترک دیار زن و فرزندہ بود

بیان تلمیح

یعنی چونکہ میں دہم میں جو نیت کو بہت کی صورت میں دکھاتا ہے۔ گرنہ ناز نہ تھا، اسی لئے  
کعبہ کے عزم سفر سے میرا مقصد زن و فرزند کا ملک چھوڑ دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

۹ اے جام شراب شاد کامی زوہ      درجور دم از بلب نامی زوہ

یاد آ رہی چو بیسی اندر ہے      تنہا روضہ حرامی زوہ

عاشق

حرامی - فراق - حرامی زوہ قراقوں کا ٹوٹا ہوا اس شعر میں مشوق کی طرف خطاب کیا  
ہے اور اپنی حالت کو اس مسافر کے شاہرچند بتایا ہے جو تنہا ہو، محروم ہو، اور قراقوں نے اسے  
ٹوٹ دیا ہو، گویا مشوق کو قراق ٹھیرایا ہے۔

شوقی

۱۰ اے آنکہ ترا سہی برمان بہت      منم کن از بادہ کہ نقصان بہت

حیف بہت کہ بعد من بیلش رود      ایں یک دوسہ خم کہ درستان بہت

طیب کی طرف خطاب ہے کہ مجھے بیماری میں شراب سے کیوں منع کرتا ہے؟ اگر میں کیا  
تو غضب ہو جائیگا، کہ یہ رکھنے دو تین ٹکے میرے کام تو نہ آئیں گے، میرے وارثوں کو بیچ جائیں گے۔

۱۱ آتم کہہ پیانہ من سانی دہر ریزد ہمہ دُرد و درد تلخ آبِ زہر

بگذر ز سعادت و نحوست۔ کہ مرا ناہید بہ غمِ غشت، و مریخِ بقہر

ناہید یعنی زہرہ کو سعد اور مریخ کو نحس قرار دیا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ سعادت و نحوست کے  
خیال کو جانے دو، میرے حق میں تو سعد و نحس دو نو قسم کے سارے نحس ہو گئے، کہ زہرہ  
نے مجھے غم سے قتل کیا اور مریخ نے قہر سے۔

۱۲ شریقت کہ دی دل خراشم ہمہ عمر خزانہ بہ یخِ زویدہ پاشم ہمہ عمر

کافر باشم اگر برگِ مومن چوں کعبہ سیہ پوشِ بناشم ہمہ عمر

۱۳ غالب روشِ مردم آزاد بست ز قمارِ اسیرانِ رہِ و زاد بست

ماترکِ مرادِ اِرم می داینم دالِ باغِ غنچہ ضعیفی شدِ اوجہا بست

یعنی آزاد لوگوں کی اور روش ہے، اور جو لوگ توشہ اور رسم و راہ کے گرفتار ہیں انکا اور  
ڈھنگ ہے۔ ہم کہ آزاد لوگ ہیں ہمارے نزدیک ترکِ مراد کا نام اِرم ہے، اور وہ اِرم جس  
شد آدمی مردم رکھا گیا وہ ہمارے اِرم سے الگ ہے۔

۱۴ ایں نامہ کہ راحتِ دلِ نیش آورد سرمایہٴ ابرو سے درویش آورد

دہر بھرنِ سودِ مبد جانے۔ یعنی سامانِ شاربِ خویش با خویش آورد

۱۵ منصورِ غمش ز نکتہٴ چینیانِ چو بود در دستِ خطر ز ہنشینانِ چو بود

جمعہ  
روزگار

نفسِ بیخ  
میں خان

سبک  
مے

جمعہ

بر

میں

چون عاقبت یگانہ بیناں در است      دریاب کر انجام دو بینیاں چہ بود  
کتاب ہے کہ اگر منصور کو لوگ کہیں کہ سولی پر چڑھایا گیا اور ذلت سے مارا گیا تو منصور کو اسکی  
انکھ پر دانیس مگر تم دیکھو کہ جب منصور جیسے یگانہ بین لوگوں کا انجام دار ہے تو دو بینوں کا انجام  
کیا ہونے والا ہے۔

۱۶ ہر کس نہ حقیقت خبرے داشت      بر خاک رہ عجز سرے داشت  
زادہ ز خدا رم بدعوے طلبد      شداد ہمانا پسرے داشت

کتاب ہے کہ جو شخص اپنی یا انسان کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے اسکو عاجزی کرنے کے  
سوا کچھ بن نہیں آتی، پس زادہ جو خدا سے ارم بدعوے کے ساتھ طلب کرتا ہے اس سے  
معلوم ہوا کہ شداد نے بیٹا اپنا وارث چھوڑا تھا، کیونکہ اقل تو ارم جو کہ شداد ہے اسکا  
دعوے کرنا، اور پھر خدا کے سامنے اسکے مانگنے میں ہیکڑی کرنی، یہ دونو باتیں اس بات کی  
دلیل ہیں کہ شداد نے اپنا وارث حقیقی چھوڑا تھا۔

۱۷ غالب بخن گرچہ کست ہمسرت      از نشہ بوشن بیت اندر مسرت  
مے خواہی و منت و نقر و انگہ بسیار!!      ایں بادہ فروش ساقی کوثر مسرت

کتاب ہے کہ اسے غالب اگرچہ شاعری میں کوئی تیرا ہمسر نہیں، مگر عقل کا نشہ تیرے دماغ میں لگ  
نہیں، شراب چاہتا ہے، وہ بھی منت، اور وہ بھی عمدہ، اور پھر کثرت سے!!! یہ بادہ فروش  
ہے، ساقی کوثر نہیں کہ تیری سب خواہشیں پوری کر دیگا۔

۱۸ گردین زہدان بخت گستاخ      دیں دست وازی بہ تر شاخ شاخ

چوں نیک نظر کنی ز روئے تشبیہ ماند بہ بہائم و غلفت زارِ فرخ  
یعنی زاہدوں کا بہشت میں بیباک پھرنا، اور جا بجا شنیوں پر پھلوں کے لئے ہاتھ مارنا،  
اگر غور کر کے دیکھو تو اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک وسیع چراگاہ ہے اور اس میں ڈھور  
ڈانگر چرتے پھرتے ہیں۔

اخلاق

۱۹ اُن را کہ بود درستی در فرجام ہم محرم خاص آید و ہم مرجع عام  
اساں بنود کشاکش پاس قبول ز نثار نہ گردی بہ نگوئی بدنام  
فرجام۔ انجام اور نگوئی انجام اور رنگ درون کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں رنگ درون یعنی شہرت  
و ناموری مراد ہے۔ کتاب ہے کہ جسکی شہرت صحیح اور سچی ہوتی ہے وہ ضرور ہے کہ خواص کا  
محرم اور عوام کا مرجع واقع ہو۔ مگر پاس قبول کی کشاکش یعنی ہر موقع پر اس بات کا خیال  
رکھنا کہ قبولیت میں فرق نہ آئے۔ نہایت سخت چیز ہے۔ پس ہرگز نیکی کے ساتھ بدنام یعنی  
مشہور نہ ہونا نہیں چاہئے۔ اس موقع پر بجائے مشہور کے بدنام کا لفظ نہایت لطیف واقع ہو رہا ہے  
جس سے ساری رباعی میں جان پڑ گئی ہے۔

مذہبی

۲۰ در عالم بے زری کہ تلخت حیات طاعت نتواں کرد بانید نجات  
اے کاش ز حق اشابت موم و صلوة بودے بوجود مالِ حوس حج ذرکوة  
کہتا ہے کہ بے قدوری کی حالت میں جبکہ زندگی تلخ ہوتی ہے نجات کی امید پر طاعت  
نہیں ہو سکتی کاش ایسا ہوتا کہ جس طرح حج اور زکوٰۃ میں استطاعت اور تمکول شرط ہے روزہ  
اور نماز میں بھی شرط ہوتی۔



۲۱ ہر چند زمانہ مجمع جبال است در جبل نہ حال شاں بکینہ است

کودن ہمہ۔ لیک از یکے تا دیگرے فرق خرمیسی و خرد قبال است

کتاب ہے کہ اگرچہ زمانے میں جبال جابل بھرے ہوئے ہیں، مگر جبل میں انکا حال تفاوت و مختلف ہے۔ کودن تو سب ہیں، مگر ایک دوسرے میں ایسا فرق ہے جیسا خرمیسی اور خرد قبال میں۔

۲۲ نامیکش و جوہر دو مخنور داریم شان دگر و شوکت دگر داریم

در میکہ پریم کہ تمیکش اداست در معرکہ تغیم کہ جوہر داریم

یہ رباعی منشی جو اسرنگہ جوہر اور میر احمد حسین تمیکش کے حق میں کہ دو نومرزا کے عزیز ناگوار ہیں سے تھے لکھی ہے۔ در میکہ پریم یعنی پرینانیم۔ باقی رباعی کے معنی ظاہر ہیں۔

۲۳ دستم بہ کلید خرنے سے باست و رہودستی۔ بدانے می باست

یا ہیچ کلمہ کس بقیادے کار یا خود بزمانہ چوں منے می باست

کتاب ہے کہ یا تو میرے ہاتھ میں کسی خوانے کی کنجی چاہئے تھی، اور اگر ہاتھ خالی ملا تھا تو میں کسی کا داسن ہونا چاہئے تھا۔ جبکہ قوسل سے زندگی بسر جوتی، یا بھلکو کہیں کسی سے کام نہ پڑتا، اور یا زمانے میں خود مجھ جیسا صاحب کمال ہوتا۔ جو میری قدر کرتا۔

۲۴ ہستم زبے امید سرست و دست دام سراں کلاہ درست۔ دست

گرا دیش لطف و کرے نیست۔ رہاں استحقاق تر خستہ دست و دست

سراں کلاہ۔ یعنی سراں شستہ۔ باقی معنی ظاہر ہیں۔

شکایت  
بنائی  
زمان

میکش  
جوہر

خرم

دست  
عفو

خجانب  
بر غنیمت

۲۵ گر گرد ز گنج گیسو بر خیزد پسند کہ دو دواز جلوس بر خیزد

بخت تنوں نہاد برگد یہ گراں بنشیں کہ بخدمت دگر بر خیزد

گنج گیسو سے گرد اٹھنے کے معنی اسکے خالی ہو جانے کے ہیں۔ کتا ہے کہ اگر جواہرات کا ترانہ خالی ہو جائے تو بلا سے، مگر یہ گواراست کہ کسی کے جلوس دھواں اٹھے۔ بھیک مانگنے والوں پر احسان نہیں رکھا جاسکتا؛ خدا نے انکی خدمت پر تھلو کھڑا کیا ہے؛ اگر تجھے یہ خدمت پوری نہیں ہو سکتی تو بیٹھ جا، تاکہ دوسرا اس خدمت کے لئے اٹھے۔

خجانب

۲۶ اے دوست بسوی این فرماندہ بیا از کوچہ غمیر راہ گردانده بیا

گفتی کہ مرا مخواں کہ من مرگ توام برگفتہ خویش باش فرمانده بیا

ادھر کے دو نومصرے صاف ہیں اسکے بعد کتا ہے کہ اے دوست تو نے مجھے کما تھا کہ مجھے مت بلانا میں تیری موت ہوں اچھا اب تو اپنے کہنے پر قائم رہ اور جس طرح کہ موت بن بلائے آتی ہے تو بھی بن بلائے چلا آ۔

خجانب

اے آنکہ ہما اسیر دست باشد صاف مے خسروی بیامت باشد

۲۷ تسبیح ہر اسم اتسی کہ بود آغاز از ابتدا اے نامت باشد

یہ رباعی سبحان علیہاں مرحوم کو جو مرزائے خطا لکھا تھا اسکے اول میں لکھی تھی معنی ظاہر ہیں

خجانب

۲۸ بازی خور روزگار بودم ہمہ عمر از بخت امید وار بودم ہمہ عمر

بے مایہ بفر سود ماندم ہمہ عمر بے وعدہ در انتظار بودم ہمہ عمر

خجانب  
بر غنیمت

۲۹ باید کہ دلت رغبت بر ہم نشود از رفتن زردست خوش غم نشود

ایں سیم دزست خواجہ! ایں سیم دزست  
غم نیست کہ ہر چند غم ہی کم نشود  
دست خوش مغلوب و زبردست۔ کتاب ہے کہ اسے دو تہند! چاہئے کہ روپے کے کم ہو جانے سے  
تیرا دل پریشان اور غم میں دبا ہوا نہ رہے۔ اسے حضرت یم دزبے، اور پھر کتابتوں میں کہ سیم دزست  
یہ غم نہیں ہے کہ جس قدر کھائے چائے کم نہیں ہوتا۔

۳۰۔ دارم دل شاد و دیدہ بیناے      وز کر ہی گو شمش بود پروانے  
خوب ست کہ نشدیم زہر خوردانے      گلبانک انا ز گم الا علانے  
کتاب ہے کہ عجیب کہ کسی پوشش یعنی نقاب سماعت کی کچھ پردا نہیں بلکہ اسکو بہتر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ غور  
اور خود پسندوں کی زبان سے، انارکم الا علی (جو کہ دعویٰ کا مقولہ ہے) نہیں سنتا۔

۳۱۔ اے کردہ بار! نش گفت از بسج      در زلف سخن کشودہ راہ غم و تیج  
عالم کہ تو چیز نہ گشت سیدانی      ذاتے ست بسیطہ منبسط دیگر تیج  
بسج۔ قصد۔ زلف سخن میں خم و پیچ کی راہ کھولنے سے مراد بیان میں پیچیدگی پیدا کرنا، کتاب ہے کہ عالم  
جسکو تو نے کچھ اور چیز سمجھ رکھا ہے۔ وہ صرف ذات واحد ہے جو بسیط ہے۔ یعنی مرکب نہیں۔ اور منبسط  
ہے یعنی تمام فضائیں پھیلی ہوئی ہے۔ پس اسے سوا کچھ نہیں۔

۳۲۔ اے تیرہ زمیں کہ بودہ بستر من      ہر خاک کہ با ست ہمہ بر سر من  
زہر ہر کسان دہر من دانہ و دام!!      اے مادر دیگران و مادر من  
مادر۔ سو کیلی ماں کو کہتے ہیں۔ زمین سے خطاب کرتا ہے کہ اوروں کے لئے تو تجھ پر سونا بچھا ہوا ہے۔  
اور میرے لئے دانہ و دام کے سوا کچھ نہیں! گویا تو اوروں کی ماں ہے اور میری میسر رہے۔ یہ مضمون

تھوٹے تھوٹے فرق سے رو دو کی اور فرخی نے بھی باندھنا ہے؛ مگر فرزا کے ہاں سب سے عمدہ طور پر بندھا ہے رو دو کی کتاب ہے۔ ”جہاں چہ بینی تو از بچکال چہ کہ مادر گئے گاہ ما ندری“ اور فرخی کتاب ہے۔ ”مہر نندی بر خواجہ گلندہ ست جہاں چہ ایں جہاں ما در اوست کہ ما ندراست“

تیس

۳۳ از آنکہ زدست بے زری پالست      رسوائی نیز لازم احوال ست  
ما خشک لبیم و خرقہ آلودہ بنے      ساقی گرش پیالہ از غزال ست

کتاب ہے۔ کہ نفلس آدمی کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ رسوا اور بدنام ہو۔ چنانچہ ہلکو دیکھو کہ ہمارے ہونٹ تو خشک ہیں، اور کپڑے شراب میں آلودہ ہیں، گویا ساقی کا جام چھلنی کا بنا ہوا ہے کُتھہ مک تے تے ساری شراب کپڑوں پر ٹپک جاتی ہے، قاعدہ ہے کہ نفلس آدمی جو شراب پیئے لگتا ہے وہ بہت حلہ بدنام اور رسوا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی کلال کی دوکان پر جا کر ماتہ پیارتا ہے، اور جو تھوڑی بہت مل جاتی ہے تو بہت ہو کر اسکی دوکان ہی پر پیارا ہیں گزرتا ہے، اور آنے جانے والے سب اسکو دیکھتے ہیں، کبھی کلال کے دام چڑھ جاتے ہیں تو اُس سے بازار میں تکرار ہوتی ہے اور سب لوگ نکھتے ہیں۔ حالانکہ کبھی اسکو اطمینان سے سیر ہو کر شراب پینی میسٹریں ہوتی۔ اس حالت کو اس تشلیس کے پیرائے میں بیان کیا ہے کہ گویا ساقی تقدیر ہلکو چھلنی کے پیالے میں شراب دیتا ہے کہ ہونٹ تک تو نہیں ہوتے اور کپڑے سارے شور ہو رہ جاتے ہیں۔ ایسی ملیغ تشلیس بہت کم دیکھی گئی ہیں۔

۳۴ اسے دادہ بیاد عمر درلود و فسوس      ز ناز شور ز رمت حق بایکوس  
ہشدار! کز آتش جہنم حق را      تندیب غرض بود نہ تعذیب نفوس

فسوس۔ نہرل و بہتر کتاب ہے کہ جہنم میں ڈالنے سے بندوں کو تکلیف دینی مقصود نہیں ہے؛

تین

بلکہ جس طرح سونے کو لگ میں تپانے سے اسکی کھوٹ نکالنی منظور ہوتی ہے اسی طرح آتشِ جہنم سے نفوسِ انسانی کو مذب کرنا مقصود ہے۔

۳۵ یارب تو کجائی کہ بہ ما زرنہ می بیدر و خدائی کہ ما زرنہ می

نے نے۔ تو ز غائبی، و نے بیرحمی، بے مایہ چو مائی کہ بما زرنہ می

اس رباعی میں مفران کی شوخی و گستاخی حد سے زیادہ گزر گئی ہے۔ دارالاقایم تو یقیناً اسپر کفر کا قوسے دیا جائیگا؛ لیکن ہمارے نزدیک ایسے کلام سے بجائے کفر کے زیادہ تر قائل کے ایمانِ اہل یقین پر استدلال ہوتا ہے۔ صاف پایا جاتا ہے کہ سائل معاش کی تنگی و فراخی و خوشحالی و بوجالی کو محض خدا کی طرف سے جانتا ہے؛ اور تدبیر و عقل و دانش کو اس میں بالکل عاجز و درماندہ سمجھتا ہے؛ یہاں تک کہ جب معاش سے بہت تنگ ہوتا ہے تو یہ نہیں خیال کرتا کہ مہنے تدبیر نہیں کی، یا تدبیریں مجھے غلطی ہو گئی، یا ہماری کابلی دوستی سے یہ تنگدستی ہو کہ نصیب ہوئی، بلکہ نہایت تعجب کے ساتھ خدا کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ کیا تیرا خزانہ خالی ہو گیا ہے۔ جو ہم کو کچھ نہیں ملتا؛ ہاں اس قسم کے خطابات آدابِ شریعت کے بالکل خلاف ہیں؛ اور ایسے ہی خطابات کی نسبت کہا گیا ہے۔

”نابرہوں را شدیم و سال را“ :ابرہوں را بن گریم و حال را“

قصائد مرزا کے قصائد جن میں قطعات، نوسے، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس و غیرہ بھی شامل ہیں کیا باعتبار کثرت اور کیا بلحاظ کیفیت کے انکے اصنافِ نظم میں سب زیادہ متاثر صنفِ نثر اگرچہ مرزا کی غزل کا ایک مستند بہ عقد متاخرین کے طبقے میں کسی بڑے سے بڑے نامور اور مسلم ثابت

آساد کی غزل سے گرا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اکثر کی غزل پر ہر ایک لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے؛ مگر اسی کے ساتھ غزلیات کا ایک دوسرا حصہ ایسا بھی ہے جس میں غزل کی شان یعنی عام فہم اور خاص پسند ہونا بہت کم پایا جاتا ہے۔ بخلاف قصیدے کے کہ اس میں قصیدے کی شان جیسی کہ ہونی چاہئے اول سے آخر تک یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔

قصائد میں مرزا نے کیس خاقانی کا متبع کیا ہے کیس سلمان و ظہیر کا اور کیس غنی و نظیری کا؛ اور ہر ایک منزل کا میابی کے ساتھ ملے کی ہے۔ مرزا کی تشبیب نسبت مع کے نہایت شاندار اور عالی رتبہ ہوتی ہے؛ اور اسی سے قصیدے کی پستی و بلندی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مشرقی شاعری میں عموماً اور ایران کی شاعری میں خصوصاً کوئی مضمون مع و سانس سے زیادہ پھیکا سیٹھا ٹھنڈا اور بے لطف نہیں ہوتا؛ اعلیٰ القیاس ستاخرین نے مبالغہ کی لئے بڑھاتے بڑھاتے مع کو جو کے درجہ تک پہنچا دیا ہے؛ اور اس کلیہ سے مرزا کی مع بھی مستثنیٰ نہیں۔ البتہ عربی نے مدحیہ مبالغوں میں ایک قسم کا بالکلین پیدا کیا ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس طرح قدما کے قصائد میں وہ ان نہیں پائی جاتی اسی طرح مرزا کے قصائد بھی اس سے متوا ہیں۔ لیکن مرزا کے اکثر قصیدوں کی تشبیہیں کچھ شک نہیں کہ عربی کی تشبیہوں سے سبقت لیتی ہیں۔

چونکہ مرزا کے تمام قصائد اور ان کے ملقات کے انتخاب کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم ایک آدم پر اقصیدہ اور باقی صرف چند تشبیہیں۔ اور ایک آدم مع اور کچھ قطعے اور نوے بطور نمونے کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور اخیر میں مرزا کا ایک ترکیب بند

نظیری کے ترکیب بند کے ساتھ اس غرض سے نقل کر گئے تاکہ اصحاب ذوق صحیح کو دونوں کے کلام میں موازنہ اور اس بات کا اندازہ کرنے کا موقع ملے کہ مرزا نے اکبری طبقہ کے چیدہ اور برگزیدہ شعرا کے تتبع کو کس حد اور کس درجے تک پہنچایا تھا۔

### توصیف

اے زوہم غیر غوغا در جہاں خست	گفتہ خود حرفے و خود را در گماں خست
دیدہ بیرون دروں از خوشترنجی - وانگے	پردہ رسم پرستش و سیاں انداخت
نقش بر خاتمِ حرفت بے صدا نگینتہ	شور در عالم ز حسن بے نشان خست
چرخ اور قالبِ بدیع و دیوارِ نغینتہ	خاک را بر طبع پیدائی سستیاں خست
عاشقانِ موقت دار و رسنِ وادستہ	قازیاں در معرض تیغ و سناں خست
رنگا و طبعِ اربابِ قیاسِ منجمستہ	نکتہ ہا در خاطر اہل بیاں خست
باخیں ہنگامہ روضت نمی گنجد وئی	مردہ را از خوشش و یار کراں خست

دلی کو مروے سے اور وحدت کو دریا سے تشبیہ دی ہے یعنی جسطرح دریا مروے کو باغچہ نکرتا ہے۔ اسی طرح باوجود ہنگامہ کثرت کے وحدت میں دوئی نہیں سما سکتی۔ بالکل نئی اور نہایت بلوغ تشبیہ دی ہے۔

زردبانے بستہ باد یار کاخے در نظر	انتباہی در نہادین و آلِ انداخت
رفتہ ہر کس تا قہر گاہے و زانما خوشا	پایہ پایہ از منہ را زرد بان خست
غم جو گیر و سخت - تنوں شکوہ از دلدار کرد	بہر سانی اساس آسمان خست

نظیری کے  
توصیف

گل چو پانہ دیر گرد و دوش بازار سرد  
بہر تجدید طرب طرح خواں انداختہ  
آتش ز روئے گھماکے بہار افروختہ  
شعلہ در جان مرغ صبح خواں انداختہ  
دجلہ در ساغر معنی طرازاں ریختہ  
رستمہ در کاسہ دریا و کال انداختہ  
جزیریں آب آتش ز رشت تلوں سرگرد  
کعبہ راجوے بہشت از ناوداں انداختہ  
جزیریں الماس تلوں انجمنیں دوانہ  
رخنہ از اسلاطین و کیش مغاں انداختہ  
یعنی آتش ز رشت ہر ایک پانی سے نہیں بجھ سکتی تھی اس لئے میراب کعبہ سے  
بہشت کی نہر جاری کردی اور کیش مغاں ایک ایسا موتی تھا کہ اسلاطین جیسے الماس کے  
سوا اسکا مینہ نہا یعنی انہیں رخنہ ڈالنا ناممکن تھا۔

چشم را بخشیدہ چو ناں گردشے کار با پیش  
برزیں داند طرح آسماں انداختہ  
دواہ آبرو را بد انسان جنبشے کاہل قیاس  
در تن شمشیر نپازند جاں انداختہ  
اے ز فرم خاکساران تو از سپہ ہما  
چوں گلیم کسند ظن را بکراں انداختہ  
ذوق تمکین گدایان تو گنج شاہ را  
از دل گنجور و چشم پاسبان انداختہ  
تا دین صورت چشم دشمنان بنیاں بود  
دوست را اندر طلسم امتحاں انداختہ  
تا علاج خستگی آسایش دیگر دہر  
خار ہا در گہزار میماں انداختہ

مرثیہ ذوق

کفرست کفر - ورپے روزی شافقین  
ننگ ست ننگ - در عنیم دنیا گرستین  
کلمہ ہے - دماغ شاہد و ساقی گد غنن  
کاہے برگ نامک و بابا گرستین

بہر تجدید طرب  
مرثیہ ذوق



باید بدرد دہر زہ گریستن - دگر گریست  
 رشک آیدم بایر کہ در حد و سب آویست  
 رفت آن چہ رفت - بایم اکنون ہدایت  
 بالان <sup>بیش بقدرت و شہادت</sup> جسے !! کہ باند از بنسبت و شو  
 خود را ندید زان لب نوشیں بکام خویش  
 فرو شفاعت و صلہ صبر و خوں بہا  
 چوں زرق غیب در و ترا عام کردہ اند

جب اگر بستیم - درینا گریستن  
 بر خاک کہ بلاے مقلی گریستن  
 از بہر فور و دیدہ زہرا گریستن  
 وار و بہر و سیاہی اعدا گریستن  
 ز سبب بشو بخش دریا گریستن  
 ایچ از کسے خواستہ الا گریستن  
 سر میزند ز موسیٰ در سا گریستن

اسے فلک شرم! از سرم بر فغان مصطفیٰ  
 اسے بہر دہادہ نازاں ہیچ میدانی چہ رفت  
 سایہ از سر و روان مصطفیٰ نفتد بجاک  
 گرے بازار اسکاں خود پیش مصطفیٰ است  
 کہنیہ خواہی ہیں !! کہ با اولاد مجاوش کنی  
 نیک بنود کہ تو بر فرزند ولید شش و دو  
 یا تو دانی مصطفیٰ را فارغ از رنج حسین؟  
 یا مگر گاہے نزدی مصطفیٰ را با حسین؟  
 آن حسین است ایں کہ گفتے مصطفیٰ را در حق کہ

داشتی زیر پیش سر آستان مصطفیٰ  
 از تو بر چشم و چرخ و دو دان مصطفیٰ  
 ہاں چہ بر خاک افگنی سر و روان مصطفیٰ  
 ہیں چہ آتش میزنی اندر دکان مصطفیٰ  
 انچہ با ہم کردہ اعجاز بنان مصطفیٰ  
 انچہ رفت از تفسے بر دشمنان مصطفیٰ  
 یا تو خواہی ہیں مصیبت لتخان مصطفیٰ؟  
 یا مگر ہرگز بنودی در زمان مصطفیٰ؟  
 چوں گذشتے نام پاشن زبان مصطفیٰ

ان حسین ست ایک سو بیس مصلیٰ چہ پیش برینج  
قدسیاں رانطق من اور وہ غالب در سماع  
بوسہ چوں باقی نمائندہ در دہان مصطفیٰ  
گشتہ ام در نوحہ خوانی مع خوان مصطفیٰ

میت

اسے کج اندیشہ فلک حرمت دیں بایستے  
تا چہ اتقا دکر بر نیزہ سرش گردانند  
علم شاہ نگوں شد نہ چنیں بایستے  
حیف باشد کہ فتنہ خستہ ز تو سن بر خاک  
غزت شاہ شہیدان با زین بایستے  
حیف باشد کہ زاعداد ام آسے طلبہ  
آنکہ جو لائکہ اور عرش بریں بایستے  
تازیاں را بہ جگر گوشہ احمد چہ نزع  
آنکہ سائل بدرش مع ایں بایستے  
ایتیا القوم اتنزل بود از خود گویم  
وطن اصلی اس قوم زمیں بایستے  
میں یہ تو ادنیٰ درجے کی بات ہے اگر یہ کہا جائے کہ اسے اہل شام کہلا کا یہ مہمان خنجر کیسے  
میں ماں بے خطر از خنجر کیسے بایستے  
محفوظ رہنا چاہئے تھا بلکہ جو سخن اس موقع پر کہنے کے لائق ہے وہ یہ ہے یعنی میاں گلے  
اشعار میں بیان ہوا ہے۔

حسن انست کہ در راہ حسین ابن علیؑ  
چشم بد دور بہنگام تماشا می بخش  
بویہ از روی عقیدت بہ جبیں بایستے  
داشت نا خواستہ در تکرار قدوش دادون  
اگرش ملک و گرتاج و گیس بایستے  
چوں بفرمان خود آرائی و خود بینی مغبض  
آن نکردید کہ از صدق یقین بایستے  
با اسیران ستمیرہ پس از قتل حسین  
دل نرم و منش مہر گزین بایستے

چہ ستیزم بقضا در نہ بگویم غالب علم شاہ نگول شد نہ چنیں بایستے

وقت است کہ در چرخ و خم نوحہ سرانی سوز و نفس نوحہ گراز تلخ نوانی  
وقت است کہ ایں پردگیان مکررہ قوٹیم بر در گہ شاں کردہ فلکنا صیہ سانی  
از خیمہ آتش زده عیاں بد آریند چون شعلہ و خاں بر بشراں کردہ رانی  
جاننا ہمہ زسودہ تشویش اسیری دلما ہمہ خوں گشتہ اندودہ سانی  
اے چرخ چو ایں شد گراز نہر چ گردی اے خاک چو ایں شد دگر آسودہ چرانی  
خوں گرد و زور زبانا اگر صاحب مہری بر خیز و بخوں غلط اگر ازاہل و فغانی  
تنہا ست حسین ابن علی دھعت اعدا اکبر تو کجا رفتی و عباس کجائی  
توقیع شفاعت کہ پیمبر خدا داشت از خون حسین ابن علی یافت روانی  
فریاد ازاں حامل منشور امانت فریاد ازاں منہر اسرار خدائی  
فریاد ازاں زاری و خونابہ نشانی فریاد ازاں خواری و بے برگ و توانی  
فریاد ز بیچارگی و خستہ درونی فریاد ز آوارگی و بے سرو پائی  
غالب طبری خوں کنی ز دیدہ فرو بار گروے شناس غم شاہ شہدائی

سرو چین سردی افتاد ز پا ہے شد غرقہ بخوں پیکر شاہ شہدا ہے  
بر خاک رہ افتادہ نہ بہت سستش کو اں روی فرو زندہ اُن شعلہ و خاں ہے

عجاس دلاور کہ دران اہر دی دست	شمشیر یکیت و یکیت لوا ہے
آں قائم گلگون کفن و حصہ محشر	واں اکبر خورش تن میدان فنا ہے
آں اصغر دل خستہ پیکان جگر دوز	واں عابد محمدیہ بے برگ نوا ہے
اسے قوت بازو سے جگر گوشہ زہرا	دست توششیر شد از شانہ جدا ہے
اسے شہرہ بامادی و سادی کنڈاری	کا فور و کفن بگڈم از عطر قبا ہے
اسے منظر انوار کہ بود اہل منتسرا	دیدار تو دیدار شیر ہر دوسرا ہے
اسے گلبن نورستہ کھوار سیاوت	نایافتہ در باغ جہاں نشو و نما ہے
اسے منج آں بہشت کا آتش خلد نہ	داغ کمر سن شد لکڑی تو واسلہ ہے
بالغ نظر ان روش دین نبی - حین	قدسی گہران حرم شیر خدا ہے
ما تم کہ وہ آں خیمہ عارت زوگاں - حین	غارت زدہ آں قافلہ مال عبا ہے
آں تابش خورشید در اں گرم رومی حین	واں طعنہ کفار در اں شور غرا ہے
غالب بلا ملک تنوں گشت ہم آواز	انرا زہ آں کو کہ شوم نوہ سہرا ہے

بیاد کر دلا تا آں ستمکش کاروان مینی	کہ دروے آدم آں عبا را سارا مینی
زہینی ہیچ بر سر خانان گنج عصمت را	گرور غارین ہمارو پوہ طلیساں مینی
ہمانا یس آتش زدہ بگاہ غمایل را	کہ ہر جا پارہ از رخ و چہ از رخاں مینی
بہینی خیمہ ملائک چوں جلی کنارش را	ز غول تشہ کاں خیمہ دیگر دیاں مینی

نور علی

چینی سرخوش خوابم عباس غازی  
 ہجوم خشکان و سوز و ساز و گزافاں  
 نہ بکشتنم رخم باز و نہ تیرش دکان مینی  
 نوائیں نرم طوطے قاسم نشا و اداں مینی  
 علی اکبر کا چوں بہت بدخواہن مینی  
 بخول غشہ نازک پیکر صغریاں مینی  
 حسین ابن علی را در شمار خشکان مینی  
 نہ بینی گر خود آن غریب کہ دینش چنان مینی  
 سرے راکش را در سر کار بود بر نشان مینی

### ستایش روزگار

بہت از تیز گریہ ہما اتخاں دہ  
 مردست مرد ہر چہ کند بے خطر کند  
 گلزار را اگر نہ ثمر گل بہ سہ  
 گنج سخن نہ بہ نہاں خانہ ضعیفہ  
 تار و ز خاک تیرہ نہ گرد ز رشک چرخ  
 تا آدمی ملال نکیر و زیک ہوا  
 ہم در بہار گل شگافاں چسپن مہین  
 ہم در تیز میوہ فشاں طبع طبع  
 آن را کہ بخت و سترس قبل بانست  
 آئین دہر نیست کہ کس از بیاں کردہ  
 را دست را دہر چہ دہ را بیاں دہ  
 در ویش را اگر نہ بحر شام ناں دہ  
 دانکہ کلیہ گنج بہت زباں دہ  
 رخشانے سارہ بر یک رفاں دہ  
 سرا و نو بہار و تو ز دھراں دہ  
 تا راحت شام و نشا و اداں دہ  
 تا آرزوے کام و مراد دہاں دہ  
 طبع سخن رس خرد خوردہ داں دہ

زنجیر  
 قید  
 بخت  
 نام و نام



یہ شعر گویا حاصل ہے اس قول کا کہ "نفس فی الامکان ابدان" "قماکان" یعنی جو نظام عالم کہ اب موجود ہے اس سے بہتر نظام ناممکن تھا۔

ہم دریں جا نگزند انچہ در آنجا ہمینند	دو بیجان ازل کوری چشم بد ہیں
نقطہ گرد نظر آند سوزد ہمینند	رازیں پیرہ درں جو کہ از پیرہ دوری
جادو چوں نبض تپان گم ہمینند	رازیں گرم رواں نرس کہ در گرم ہوی
زخمہ کردار تبارِ رگ خا ہمینند	شرسے را کہ بنا گاہ بد خواہد محبت
صورتِ ابلہ بر چہرہ دریا ہمینند	نظرہ را کہ ہر آئینہ گم خواہد محبت
روز در منظرِ خفاش ہوید ہمینند	شام در کو کتبہ صبح نمایاں نگرند
مجمع انس بنے بست زینجا ہمینند	و ششہ تفرقہ در کاخ مصور سنجند

کاخ مصورہ محل حبس زینما کے وصال یوسف کے لئے آراستہ کیا تھا اور جس میں تمام سامان عیش و کامرانی جمع تھا۔ نئے بست وہ جھوٹا جو یوسف کے قید ہو جانے پر انکی جدائی کے غم میں زینما کے اپنے لئے بنایا تھا اور اسیں رہتی تھی۔ کتاب ہے کہ یہ لوگ مینی اہل اللہ کاخ مصور جیسے آراستہ محل میں اس تفرقہ کی وحشت کو دیکھ لیتے ہیں جو یوسف اور زینما کے حق میں رہاں سے آخر کار پیدا ہوا اور انس اور بلاب کو اس نے بست میں دیکھ لیتے ہیں جو یوسف اور زینما کو اس کے بعد نصیب ہونے والا تھا۔

ہر چہ گویم عجم از خسرو شیریں شنوند  
ہر چہ آرد عباد و اوق و عذر ہمینند

یعنی خسرو شیریں کا قصہ جواہل عجم بیان کرتے ہیں یہ لوگ اسکو خود خسرو اور شیریں کی زبان سے

سن لیتے ہیں اور واسق وغدر راکی روئداد جو عربی اسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ اُسکو خود متن  
وغدر پر گزرتی دیکھ لیتے ہیں۔

نستوبند اگر ہمرہ مجسوں گردند      نخر و شند اگر محل لبیہ بنیند  
خون خورند و بگرانغصہ بدنال گیرند      خویش را چوں بسرمانہ تنہا بنیند  
یعنی جب انکے ساتھ کوئی دوسرا دسترخوان پر نہیں ہوتا تو دانت پیستے ہیں یعنی جو فیض ان کو  
پہنچتا ہے اس میں اوروں کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔

سروتن را اگر از درد ستوہ آگازند      جان و دل را اگر دوست نکینا بنیند  
قطرۂ آب بہ لب بوسہ نشتر شمرند      پارہ نال بہ گلو ریزہ مینا بنیند  
یہ دونو شعور دست و گریاں ہیں مطلب یہ ہے کہ دردِ طلب کے اکتا جانا اور دوست کے خیال  
سے فارغ ہونا کبھی نہیں چاہتے۔

فتقہ را رونق ہنگامہ ہند و خوانند      بادہ را شمع طربخاۃ ترسا بنیند  
یعنی ہر ایک شے کو اپنے اپنے محل پر مناسب و موزوں خیال کرتے ہیں اور کسی چیز سے  
ازراہ تعصب ناک نہیں چڑھاتے۔

برسم وز زمزمہ و فتقہ و زنا و صلیب      غرقہ و سبوح و مسواک و مصلیٰ بنیند  
برسم وز زمزمہ آتش پرستوں کے ساتھ ، فتقہ و زنا بہند ووں کے ساتھ اور صلیب عیاسیوں  
کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے مصرع میں شعائر اسلام کا بیان ہے کہتا ہے کہ وہ  
لوگ برسم وز زمزمہ وغیرہ اور غرقہ و مصلیٰ وغیرہ میں کچھ فرق نہیں سمجھتے۔



دل نہ بند نہ بنیزنگے دریں دوزگ  
ہرچہ بنیند بعنوان تاشا بنیند  
جام جویند و ز زندگی نہ گرانید نہ ہد  
سجہ انجسم اگر دیدہ بھیا بنیند  
ہرچہ در سو تو ان یافت بہر سو یابند  
ہرچہ در چا تو ان دید بہر چا بنیند  
ہمہ گردند در ال پایہ کہ اورا دانند  
ایس نظر ہاے گرانماہ فراموش کتند  
چوں بنیزنگ سخن شبدہ ما بنیند  
نظر را موجہ حشر تہ حیواں قہمند  
کہ بے لعل بصد گونہ تقاغا خوہند  
کہ بے فال بصد رنگ تما بنیند  
بزد از یاد کہ دنیا ست نمود بے بود  
ایں دل فرود نمود کیز دنیا بنیند

اس مقام پر اس شعر کی خوبی و جدائی ہے بیان میں نہیں شکتی کہ کتاب ہے کہ دنیا کی دل فرود  
نمود یعنی ہماری نظم و شرب اہل اللہ کی نظر سے گزرے گی تو وہ انکے دل سے اس  
عارفانہ خیال کو فراموش کر دیگی کہ دنیا محض ایک نمود بے بود ہے۔

### صفت موسم بہار

شکر کہ آشوب برف و باد سر آمد  
نامیہ از بند زمسیر بر آمد  
کسب ہوا نفع آب خضر رساند  
سبزہ جہان را بہر پیشہ را ہر آمد  
یعنی آج کل جنگ کی ہوا کھانے سے وہی فائدہ ہوتا ہے جو آب حیات کے پینے سے ہوتا ہے  
اور جس طرح خضر آب حیات کا رستہ بتاتا ہے اسی طرح سبزہ جنگ کا رستہ بتاتا ہے۔  
در چمنستان کشودہ بارِ فوارِ در  
باد کہ باز ابروگان کبہ و بر آمد

اشعار  
فرخندہ

نثر  
نظم

اشتہل انتظارِ گل بود۔ ایرینہ دیدہ نگس نہ صد چوں بدرآمد

نازچہ دانستہ قرب مقدم گل را سبزہ بہ باغ از شکوفہ پیشتر آمد

یعنی سبزہ جو شکوفے سے پہلے باغ میں آیا ہے اسنے گل کی آمد کد کہاں سے سن لی۔

بہیدہ بنود خروش مرغ سحر خوں کو کسبہ گل بگر باغ در آمد

قیس گجائتا کتہ شمارہ محمل از پس ہر غنچہ غنچہ دگر آمد

غنچے کو محمل سے اور گل کو لیلی سے تشبیہ دی ہے کہتا ہے کہ قیس جو ایک کے سوا دوسرا محمل نہیں جانتا وہ آئے اور محملوں کو شمار کرے کیونکہ ہر غنچہ کے بعد دوسرا غنچہ اور دوسرے کے بعد تیسرا دیکھ کر آسکتے چلے آتے ہیں۔

کثرت انواع گل نگر کہ ہیولے رنجہ ز بارِ سنہ و فی صور آمد

یعنی طرح طرح کے پھولوں کی اس قدر کثرت ہے کہ ہیولے بظاہر مختلف صورتوں کی بہتات سے عاجز آگیا ہے اور تھک گیا ہے۔

لالہ بسچہ ز تیغ کوہ گذشتن دامنش اینک وزیرِ سنگ بر آمد

بسچہ یعنی ارادہ کرتا ہے تیغ کوہ گذشتن دامن از زیرِ سنگ بر آمدن مصیبت سے نجات پانا۔

نکبت گل شد دباے عام جفل را ز بخورہ ہر شب نہ ہرزہ موہ گرا آمد

جفل ایک جانور ہے سیاہ رنگ جسکو خوشبو اس نہیں اسی لئے موسمِ بہار میں مرجاتا ہے اور چونکہ گوبر میں پیدا ہوتا ہے اس لئے اسکو ہندی میں گتہ یا کتے ہیں۔ ز بخورہ جھینگہ جرات کو اکثر بولتا ہے۔ موہ گر نالاں دگر یاں۔

میکدہ خسرو گل ست - رزستاں صورت مینا ز غورہ در نظر آمد  
کتاب ہے کہ رزستاں یعنی انگور کی ٹٹیاں گویا خسرو گل کا شربخانہ ہے کیونکہ اس میں نیم خام  
انگور لگے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے شراب کی بوتلیں۔

زونم تر دامن مخور - کہ جہاں را موج گل از ہر کرانہ مکر آمد  
فتویٰ مئے دادا برو باد و لیکن شیشہ نہاں بہ کثرالہ بگسر آمد

عند ششہء کے بعد ملک میں امن ہو جانا اور صفائی کا اشتہار جاری ہونا۔

درد روزگار نہ تو اند شمار یافت خود روزگار پیہ دریں روزگار یافت  
پر کار تیز گرد فلک دریاں میں حق داد و دحق کہ مگر کز قرار یافت  
در ہائے آسمان بزمیں باز کردہ اند ہر کس ہر پنجہ حبست بہر روزگار یافت  
آمد اگر بغرض زبالا بلا مسرود بر روی خاک بیج و خرم زلف یافت  
چوں حسن ماہ یک شب بینی - بدیاں کہ ماہ پاداش جاگدازی شہسای تار یافت  
چوں رنگ دی گل نری - شاد و شوگل اجر جگر خراشی پیکان خار یافت  
در خاک و باد و آتش و آب آشتی فرود ایں پرورش کہ خلق نہ پروردگار یافت  
ناچار جز بہ داد گر ایشش نمی کند درد ہر ہرچہ صورت ازین چہار یافت  
ہر کس بقدر عظمت خویش رجعت ہر شے بحسن جوہر خویش اشتہار یافت  
گر خواجہ بندہ را خطا کردگی نہشت ہم بردہ سرای خودش بندہ دار یافت

درد روزگار  
پر کار تیز گرد  
در ہائے آسمان  
آمد اگر بغرض  
چوں حسن ماہ  
چوں رنگ دی  
در خاک و باد  
ناچار جز بہ  
ہر کس بقدر  
گر خواجہ بندہ

دربنده خود ز شتم خط بندگی درید	توقع خوشدلی ز خداوند گاریفت
به دوشی - دهر فروزش ز سر گرفت	بیل و ناه صورت بیل و ناه یافت
بهرام دل بپستن تیغ و کمر نساو	نا امید ذوق و ذریع مغربا یافت
نظاره فتنه های عیاں از نظر سترو	اندیشه گنجهای نناں آشکار یافت
جام از شراب - روشنی آفتاب او	بزم از بباط تازگی نو بهار یافت
روی سخن صفای بنا گوش گل گزید	با بگِ ظلم نشاط نوای بهار یافت
بر هم زدند قاعده های کس بر دهر	هر کس نشاط تازه نه بر گزید یافت
فیض سحر به غالت پادش رسید	ذوق صبح عابد شب نده دار یافت
زهن متاع خویش را بن لبیل بخشیت	کودک ضایع آموزگار یافت
گزار دست نیز زن می بجام بُرد	در مجرم ست نیز ز شهر بهار یافت
باقی هم مضائقه دُختری زلفت	خود درخت خویش از رگ گل و دقار یافت
دولت سپید سوخت که شد ملک آه رو	ملک آفرین سرود که دولت دار یافت
از انتظام شاهی دایم سروری	سور و سرور و دوش و دانت یافت
بر خستگان هند به بخشود از کرم	و کُتور یا که رونق از درخ گار یافت

شکوہ تغافل و عدم توجه به نواب یوسف علیخان مرحوم رئیس رام پور در زمانه سختی دین باگی  
که بعد از فتح دہلی روز کے چند روسے دادہ بود

چون نیست مرا شربت آبے ز تو حاصل  
 در بادیه برگ زرغونیاں زچہ سوزد  
 زان خسرو خواباں چہ قدر چشم و قابو  
 افسانہ غم گر بسر لایم بنو عیب  
 میگویم و ہمدم زدم طعنہ کہ "تن زن  
 از طعنہ شد مخته دل و از ربه بیمار  
 تا کس زبیر وطن چہ شاہ بودم رومی  
 شاہ بود آن دست کہ اندر غزل اورا  
 من نام از آن دست کہ در عالم الهام  
 او خسرو خواباں بود و بندہ گدایش  
 خود ہر چہ سر و دم ہمہ با او ستا میں پیش  
 یارب چہ شد اینک کہ نگیرد خبر از من  
 ای یوسف ثانی کہ بود در ہمہ عالم  
 دانم کہ تو دریائی من سبزہ ساحل  
 آن شمع فروزاں کہ بود در نور محفل  
 صد حیف کہ شد نقش امیدم ہمہ بل  
 بادوست کہ پوستانہ می بود غم از دل  
 چوں می نہ ہر دوزخ فراہ چہ حاصل  
 دل گفت کہ ان شہود عشاق فرویل  
 مانتا کہ حکایت کنم از لیلی \* و محل  
 خوانندہ تمسکارہ و خوشوارہ و قاتل  
 شایاں بودش گویم اگر خسرو عادل  
 او فلزم و عقال بود و من خس ساحل  
 امید گم بود بہر وادی و منزل  
 بر بستہ برویم در ارسال رسائل  
 مشتاق جمال تو چہ پیوایم چہ عاقل

غلاب پرست نیکان مرحوم صاحب زول کے زمانے میں جب تحصیل علم کے لئے دلی میں آئے تھے اس وقت مرزا صاحب سے  
 بہت جلد اتفاقاً عبدالعزیز خاں مرحوم سے ملی پڑتے تھے اور مرزا صاحب سے فارسی مرزا نے اس قید سے میں اس  
 زمانے کو یاد دلایا ہے چنانچہ قیدی پر غلاب مرحوم نے سوز و گداز کیا اور مرزا کے لئے مقرر فرمایا تھا جو مرزا کی ہمہ پہلی  
 کتاب پرایہ جانی ۱۲۸۶

\* چونکہ تشبیب میں اکثر مشغول کی طرف غلاب ہوتا ہے اس لئے کتاب کے میں اس تشبیب میں بلی و محل کا ذکر نہیں  
 کرتا یعنی مشغول کی طرف میرزا سے سخن نہیں ہے ۱۱

تانزد تو چوں آیم و دور از تو چو یازم  
 اے کاش کہ بوی تو چنین روی نمود  
 چو نیست که گاہ بنی کنی روی میں سو  
 گرجاں و ہم از غصہ تو دانی کی گیتی  
 غماهی که مرا نگری؛ از دور بفرماے  
 از صفت آستان ازل دال که زهر سو  
 غالب سخن نام من آمد ازل آوید  
 در فن سخن دم مزن از غنی و طالب  
 من گنج در دود گل اندوده درم را  
 خود و غریب ویرانه بود گنج گران مند  
 هاروت - فسون نفس گرم چه دانند  
 اں را که صریح سلم بوش ریایید  
 توقع بر ملی تو فرخنده که من نیز  
 عاشاکر شام ز قستم قاضی مفتی  
 بفرست خود مند کساں را بحکومت  
 هر سال زان شهر بمن بیا و دال دار  
 امید که لب تشنگی من نه پندی

ماندن ز تو شوخار و رسیدن تو مشکل  
 زمیناں که فرو زده مرا پای میں گل  
 او چیت که هرگز نمی دایه به سائل  
 حرف غلط از صف تو هستی شده زائل  
 تانزد تو از اندیکه طائر بسمل  
 چوں قبله نما سوی تو ام ساخته مائل  
 دانی که دیں شیوه نیم عامی و جاہل  
 ایں آیه خاص است که برین شده نائل  
 مے میں در گنج ارجہ کشودن شبنم شکل  
 غم نیست گرانادی دہلی شده زائل  
 اعجاز ز دہلی بود و سحر ز باہل  
 دیگر خبر و ذوق را و از عنادل  
 بستم به فرہ مندی خویش از کمرشل  
 عاشاکر پذیرم عمل شمع و عامل  
 در حبیب گداز تیلے زدا غل  
 کز بہر میں گشته در اطلع تو شائل  
 زان رشحہ کہ بر صف تو شانی زانائل

ز آل رستم یعنی داد و مطلب پر که میرے ساتھ خط کتابت جاری رہے۔

امید کہ بپذیری و برسن نہ کنی قسم      نپذیرم اگر معذرت فرما شغل  
امید کہ آل شیوہ نوری کی کہ بگویم      کرد و دلم فارغ و ازین شدہ غافل

### کیفیت آغاز موسم سرما

عیدِ فطریٰ بسر آغازِ زمستان آمد      دقتِ آراستنِ حجروں و ایوان آمد  
زلزلہ آید روزِ تازہ ہوا      محلِ مہرِ جہاں تاب بہ میزں آمد  
موسمِ دیرِ غنودنِ بہشتاں آمد      موسمِ دیرِ غنودنِ بہشتاں آمد  
مہر بہ - میر و دایک ہر آباں آمد      مہر بہ - میر و دایک ہر آباں آمد  
ہند و فصلِ خزاں نیز بہارے دار      لوند گوں سبز و خلی بندِ خیاباں آمد  
وے و بہمن کہ درِ تعلیمِ دگر بخندد      اندر یں ملک گل و سنبل و فراواں آمد  
نیشکر بیکہ صفت آراست - کہ پورے رسم      گفت جانیت دگر سوزہ ترواں آمد  
نخلِ نابخِ زمینی کہ ہم از سوزہ و شاخ      لوی و چو گال کہفت آورد و میڈیاں آمد  
تابزد و داغِ غمِ چو شقائقِ زولش      گلِ صبرِ بگ بہ دلجوئی و دعاں آمد

گر نہ ایں گرمی ہنگامہ تماشا دارد

از چہ زنگس پئے نظارہ بہ بیتاں آمد

تشریف  
آورد  
میں  
انک

## صفت موسم بهار

سحر که باد سحر عرضِ بستان گیرد  
 دهر به محبت گل حکم تا جهاں گیرد  
 برات بر زر گل کرده اند پنداری  
 که غنچه را سپهر سبز دریاں گیرد  
 مگر بگرد گل از بهر باین طایفه زده است  
 که زالد را ز هوا سپهر بریناں گیرد  
 ستاده سرو دیاں اهتمام بر در باغ  
 که تا بهار دگر راه بر خزاں گیرد  
 ز تراله غنچه به سرست شاهده می ماند  
 که بعد باده شکریزه در دهاں گیرد  
 چمن به عکس شفق ساگین بل گردد  
 سمن ز جوش طرب ملک رخاں گیرد  
 و تند گرمه آتش به خار گل باله  
 که کشند گرمه پیکر زنگ - جاں گیرد  
 ز انبساط هوا بعد ازین عجب دارم  
 که مرغ قبله نما جادو آشیان گیرد  
 و گل بگفته توان داشت دل - بمیله عشق  
 این آتشماں بر دوازده ماه گرد  
 چنان بکج چمن یافت ذوق طاعت حق  
 اگر زمانه تواند زد و ستاں گیرد  
 حریف طوطی بگد در هجوم لاله و گل  
 که شیخ شهر جو ماترک خان ماں گیرد  
 در طبع جلوه بگد در هجوم لاله و گل  
 چو آن گدا که که دنبال کارواں گیرد  
 چنان که شاخ می سینه بر زمین باله  
 چرا که شتر از دست باغبان گیرد

## کیفیت صبح

صبح که در هوای پرستاری برپوشن  
 جنبه کلید تبکده در دست برهن  
 در رفت و روب دیر - دم گرم باهیاں  
 آرد بر دل گداخته شمع از گلشن

صفت موسم بهار  
 سحر که باد سحر عرض بستان گیرد  
 دهر به محبت گل حکم تا جهاں گیرد  
 برات بر زر گل کرده اند پنداری  
 که غنچه را سپهر سبز دریاں گیرد  
 مگر بگرد گل از بهر باین طایفه زده است  
 که زالد را ز هوا سپهر بریناں گیرد  
 ستاده سرو دیاں اهتمام بر در باغ  
 که تا بهار دگر راه بر خزاں گیرد  
 ز تراله غنچه به سرست شاهده می ماند  
 که بعد باده شکریزه در دهاں گیرد  
 چمن به عکس شفق ساگین بل گردد  
 سمن ز جوش طرب ملک رخاں گیرد  
 و تند گرمه آتش به خار گل باله  
 که کشند گرمه پیکر زنگ - جاں گیرد  
 ز انبساط هوا بعد ازین عجب دارم  
 که مرغ قبله نما جادو آشیان گیرد  
 این آتشماں بر دوازده ماه گرد  
 چنان بکج چمن یافت ذوق طاعت حق  
 اگر زمانه تواند زد و ستاں گیرد  
 حریف طوطی بگد در هجوم لاله و گل  
 که شیخ شهر جو ماترک خان ماں گیرد  
 در طبع جلوه بگد در هجوم لاله و گل  
 چو آن گدا که که دنبال کارواں گیرد  
 چنان که شاخ می سینه بر زمین باله  
 چرا که شتر از دست باغبان گیرد

کیفیت صبح  
 صبح که در هوای پرستاری برپوشن  
 جنبه کلید تبکده در دست برهن  
 در رفت و روب دیر - دم گرم باهیاں  
 آرد بر دل گداخته شمع از گلشن



خیزند دستہ دستہ منان نشسته روی  
 در آرزوی چیدن بر ستم زندون  
 از شور و یریاں گمان خروش سرور  
 اموات راز قصبتن بر در کفن  
 رخسار ستاره از رخ ناسته صنم  
 بالذنبش از قدم گشته شمن \*  
 بر روی خاک جلوه کند سایہ درخشاں  
 بر روی دوست حلقہ زند مرغ و چین  
 خواب چرخ گشته چو شخص بریدہ سر  
 خیزد گل شکفتہ چو بجز خستہ تن  
 بر جام مل ز دیدہ شبنم حلز گاہ  
 بر روی گل ز طرہ سنبل ذوق شکن  
 غوغای روز پرده کشاید ز خوب و شست  
 آواکوس خواب را یامردودن

### فخر و دستاوی با شکوہ محبت و گردون

اس مضمون کے کچھ متفرق اشعار ہم مرزا کے ایک ترکیب بند میں سے جو جناب امیر کی نقبت  
 میں لکھا گیا ہے نقل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ نظم ایک خاص انداز کی نقبت اور خاص طرز کی  
 شاعری پر مبنی ہے جس سے زمانہ حال کے عام مذاق نا آشنا ہیں مگر باوجود اسکے مرزا کے  
 کلام میں شاعری کی حیثیت سے نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہے اسلئے نہ اسکو اس موقع پر بالکل  
 علم انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ وہ اول سے آخر تک نقل کیا جاسکتی ہے۔ لہذا متعدد بندوں میں  
 سے جتنے جتنے اشعار مضمون مندرجہ عنوان انتخاب کر کے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں

ہم مجاہد یا ناز و غیور کی تیلی تیلی بالشت بھری ٹافیں جن کو آتش پرست عبادت یا غسل باطعام کے وقت ہاتھ  
 میں رکھتے ہیں \* شمن بت

اور جہاں جہاں ضرورت ہوگی شکل مقامات کی شرح بھی کجائیگی۔

بند اول

اُس سحر خیزم کہ ہر رات شبستان دیدہ ام      شب نشیناں را دیندہ ایوان دیدہ ام  
اِس تمام بند میں مزانے اپنی سحر خیزی اور جو کچھ اُس نور غمور کے وقت میں آسمان پر یا زمین پر  
نظر آیا ہے اُسکو نہایت بسیج و جزیل شعاریں بیان کیا ہے اور آخر کو اُس سے ایک لطیف نتیجہ  
نکال کر نکالت آئینہ خزر پر بند کو ختم کیا ہے۔ شعر مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ سحر خیز ہوں کہ  
میں نے چاند کو اُپلی خواجگاہ میں دیکھا ہے اور شب بیداروں یعنی کو اکب یا ملائک کو اِس  
گردنہ ایوان (یعنی آسمان) میں نشاہرہ کیا ہے۔

ایت خلوتخانہ روحانیاں بالانجاؤدو      زہرہ را اندر ردای نور عریان دیدہ ام  
ایت کلمہ تحسین و تعجب ہے یعنی زہرہ دیکھی۔ روحانیاں فرشتے۔ آسمان کو کتا ہے کہ کیا عمدہ  
خلوتخانہ روحانیوں کا ہے جہاں میں نے دُور سے یعنی زمین پر سے زہرہ کو چادرِ نور میں  
عریاں یعنی بغیر کسی حجاب کے دیکھا ہے۔

ہر یکے فانی غیر وہر یکے نازاں بچش      لوائے اردو و عشرتگمہ دو مہماں دیدہ ام  
ہرگز اسے ناداں بر سوائی نہیں دینی لکن      ماہ را در نور و کیواں را بہ نیزاں دیدہ ام  
اِن دونوں شعروں کا سمجھنا کسی قدر نجوم کی اصطلاحات جاننے پر موقوف ہے۔ نجومیوں نے دورِ فلک  
کو بارہ حصوں پر تقسیم کیا ہے جن میں سے ہر ایک حصے کو برج کہتے ہیں اور انکے نام یہ ہیں حمل،  
ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ انیس

ہر ایک برج کسی کسی سیارے کا خانہ کہلاتا ہے یا وبال مثلاً جدی و دلو زحل کے خانے  
اور شمس و مریخ کے وبال ہیں اور برعکس اسکے آسمان و سرطان شمس و مریخ کے خانے اور زحل  
کے وبال ہیں اسی طرح ہر برج ایک سیارے کا خانہ اور دوسرے کا وبال ہے ثور اور میزان  
جن کا دوسرے شعریں نام آیا ہے یہ دونوں زہرہ کے خانے ہیں اور ثور کے تین درجے چاند  
کے شرف اور میزان کے اکیس درجے زحل کے شرف کے مقام ہیں۔ شاعر کا مطلب یہ ہے  
کہ میں نے چاند کو اسکے شرف کے مقام (یعنی ثور) میں اور کیواں یعنی زحل کو اسکے شرف کے  
مقام (یعنی میزان) میں دیکھا اور چونکہ ثور اور میزان زہرہ کے خانے ہیں اس لئے اس  
مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ میں نے ایک لولی (زندی) یعنی زہرہ کی دو عشرت لگا ہوں یعنی ثور  
و میزان میں دو ایسے مہمان دیکھے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے حال سے بے خبر اور ہر ایک  
اپنے حال میں خوش ہے کہ میرے سوا کوئی دوسرا زہرہ کی عشرت گاہ میں نہیں ہے پھر دوسرے  
شعریں دفع و خل مقدر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس بیان کو کسی برسے معنی پر محمول نہ کرنا چاہئے  
بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ میں نے ماہ کو ثور میں اور زحل کو میزان دیکھا ہے۔

فتم ام زل پس سیرانغ و مرغانز ابانغ  
سر برسم خواب زیر بال پناہ امیرام  
برسم خواب یعنی جیسا کہ پرندوں کے سونے کا دستور ہے۔ سر زیر بال پناہ یعنی بازو سے  
سر گھسائے ہوئے۔

فلک مریخ بخت گل دم ز گردش نازدہ  
نارہ فیض بحر توشہ عنوان میرام  
مریخ بخت گل کو فلک یعنی قلم قرار دیا ہے اور فیض بحر کو نامہ یعنی خط ٹھیرایا ہے۔ کتاب ہے

کہ ایسا سویرا تھا کہ پھولوں کی خوشبو کا قلم ابھی گردش میں نہیں آیا تھا کہ میں نے فیضِ سحر کا  
مکتوب جبکہ اسکا سرنامہ نہیں لکھا گیا تھا دیکھا۔ مطلب یہ کہ فیضِ سحر ابھی عام نہوا تھا اور  
پھولوں کی خوشبو سے باغ ممکنے نہیں پایا تھا۔

خانہ بادِ سحر گاہی جنبشِ نامہ قرۃ سنبل بالیں پر پشیمانِ مہم  
اس بیت میں بادِ سحر گاہی کو کنگھی فرض کیا ہے جسکے ملائم جھوکوں سے گویا سنبل کی  
زلف تلخ جاتی ہے۔ کتا ہے کہ ابھی شانہ نسیم صبح کو جنبش نہیں ہوئی تھی اور طرہ سنبل  
بالیں راحت پر پریشان پڑا ہوا تھا۔

بادِ سرشاز می جنبید و نسیم می چکید غنچہ رادرخت خواب آلودہ ماںِ مہم  
یہ اس حالت کے بعد کا بیان ہے جو پہلے دو شعر دس میں بیاں ہوئی ہے کتا ہے کہ  
ہوا رسان رسان چل رہی تھی اور نسیم ٹپک رہی تھی جسکی وجہ سے میں نے غنچہ کو  
رختِ خواب میں آلودہ دامان دیکھا یعنی اگرچہ غنچہ ابھی دوشیزگی کی حالت میں معلوم  
ہوتا تھا مگر چونکہ وہ عنقریب کھلنے والا تھا اس لئے وہ گویا اپنے رخت میں آلودہ دامان  
ہو چکا تھا۔

صبحِ اول گو بردے کس نہادِ از حیا صبحِ ثانی را بریں ہنگامہ خندانِ مہم  
اب ان تمام عجائبات کی جو آخر شب اسکو نظر آئے انکی قلمی کھوتا ہے اور کتا ہے کہ صبحِ اول  
یعنی صبحِ کاذب جو گویا کہ شرم و حجاب سے ایک جھلکی دکھا کر غائب ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ جیسا  
اصل بھید منہ پر نہیں لائی مگر صبحِ ثانی یعنی صبحِ صادق کو میں نے اس تمام ہنگامے پر نظر

دیکھا۔ مطلب یہ کہ یہ تمام نظریہ بیسیائی جلوے تھے جنکو محض وہم نے اختراع کیا تھا اور  
اسی لئے صبح صادق اپنے خندہ زن تھی۔ اس کے بعد بند کو اس گرہ کے شر پر ختم کیا ہے اور  
کہتا ہے۔

محرم راز بنان روڈ گام کردہ اند تا بحر فم گوش مند خلق خوارم کردہ اند  
کہتا ہے کہ اگرچہ مجھ کو زمانے کے پوشیدہ اسرار کا محرم بنایا ہے، مگر اس لئے کہ کوئی میری بات  
نہ سنے اور پوشیدہ راز ظاہر نہ ہونے پائیں مجھ کو دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔

### از بند سوم

روشناس چرخ و جمیع ایرانش منم نور چشم روزن دیوار زندانش منم  
کہتا ہے کہ آسمان کے مظلوم اسیروں میں اسکا روشناس اور پچانے والا صرف میں ہوں؛  
گو یا میں اس زنداں کے روزن دیوار کی۔ جس میں آسمان کے مظلوم قیدی اسیر ہیں۔  
انکھ کا نور ہوں۔

ثابت و سیار گردون رصد بستم یہ علم رشتہ تبسیج گوہر ہای غلطانش منم  
جو کہ رصد باندھنے سے اکثر ستارے منظم ہو جاتے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ میں نے جو آسمان کے  
ثوابت و سیارات کی رصد باندھی ہے تو گو یا میں اس کے گوہر ہای غلط (یعنی کو اکب)  
کی تبسیج کا ڈورا ہوں جس کے سبب سے تمام ستارے مثل دانہاے تبسیج کے منظم ہو گئے ہیں۔

نے زندانش گامیاب کو منجی تنگدل شر سار گوش جوبین و کوانش منم  
ہر نجوم کے نزدیک بر جیس مینی شتری علم کا افاضہ کرنے والا ہے اور کیواں مینی زحل

سختی اور مصیبت کا بھجنے والا ہے کتاب ہے کہ میں علم سے کامیاب ہوں اور نہ سختی اور مصیبت سے  
گھبرانے والا ہوں تو گویا مشتری اور زحل دونوں کی کشش میرے باب میں راگماں جاتی ہیں  
اور اسلئے میں ان دونوں سے شرمندہ ہوں۔

دلہنی شہر و دہرا تہمتیست چرخ رفتہ مسکین از یاد گنج پناش نم  
کتاب ہے کہ آسمان جو لمبی اور بخل میں مشہور ہے یہ اسکی تہمتی کا نتیجہ ہے کیونکہ اسکے پاس  
دیئے کو کچھ باقی نہیں وجہ یہ کہ اسکا گنہگار پناہ میں تھا سو وہ اپنے خزانے کو مٹی بھلو بھول گیا  
ہے۔ مسکین سے مراد خود آسمان ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ غریب پناہ خراہ کیس رکھ کر بھول گیا۔  
در غریب خویش از غصہ دل می ظلم خوردہ ام از دست غم تیر کیہ پناش نم  
یعنی عالم غربت میں بسبب غم کے میں خود اپنے دل میں چھتا ہوں گویا غم کی چکی سے وہ تیر  
سیرے اگر لگا ہے کہ خود میں ہی اس تیر کی بھال ہوں۔

ماندہ ام تنہا بچ از دور باش من وضع خانہ دارم کہ پندارند در باش منم  
دور باش۔ ہٹو بڑھو کی آواز کو کہتے ہیں جو نقیب امرا و سلاطین کی سواری کے آگے آگے  
ایکارتے جاتے ہیں۔ مگر شہر اسکو اکثر مطلق روک ٹوک اور ممانعت و مزاحمت کے سمنوں میں  
استمال کرتے ہیں کتاب ہے کہ پاس وضع بھلو گھر کے کونے سے کیس باہر نہیں جانے دیتا  
پس میری اپنے گھر پر ایسی مثال ہے کہ گویا اسکا دریاں میں ہی ہوں۔

پایہ من جز بہشہم من بنیاد و رستہ از بلندی اخترم روشن بنیاد و رستہ

از بند چارم

چوں بنیر از مکران مفتوحیم یا نیست  
 بنو ذم ہم زیاں گرجن کج باز دہن  
 برنش دستے تواند بود۔ ز اس بالاترم  
 دل بنا نم۔ شیر گردن بجز گریز دہن  
 پہلے مصرع کی تقدیر عبارت یہ ہے ”من ازاں بالاترم کہ فلک را بر من دستے تواند بود“ شیر گردن  
 سے مراد خود گردن یا بروج اسد یا مریخ۔ پنجہ یازدین دست دراز کردن و حملہ نمودن۔ دل شکن  
 بدحواس شدن۔

ہر کرگردن بلند اواز ترخا بدہر  
 نوبت شامی دہد و نگاہ بنواز دہن  
 بنواز دہن۔ یعنی اسکو میرے ذریعے سے معزز کرتا ہے دوسرے شعریں اسکی تشریح ہے۔  
 پادشاہاں اچن گفتن ہمار کہہرست  
 دیدہ و رشتاہے کہ گاہ گفتن انداز دہن  
 در تو گوئی پادشہ را مایہ نبود۔ بنیم نیست  
 خود بشاہاں باخیم شہم گریہ دراز دہن  
 آنکہ چوں در ملک ہستی ملک شاہی زند  
 سکہ شامی بطغرائے یثا للہی زند  
 قولہ ”پادشہ را مایہ نبود“ اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ سلاطین عمداً اس قدر مایہ نہیں رکھتے کہ میرے  
 کمال کے موافق میری قدر کر سکیں؛ اور یا یہ مطلب ہے کہ بہادری شاہ مرحوم جو اس زمانے میں مرزا  
 کے مہربان اور پادشاہ کے لقب سے ملقب تھے وہ گردش روزگار سے بے مایہ ہیں۔ قولہ ”گر  
 بہر دراز دہن“ بہر دراز کا فاعل دوسری بیت میں واقع ہوا ہے یعنی ”وہ آنکہ چوں در ملک  
 ہستی“ آنخ مراد اس سے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ ہیں جنکی منقبت میں مرزا نے  
 یہ ترکیب بند لکھا ہے۔

# قطعات

ہزار معنی سرچش خاص نطق من است  
 کز اہل ذوق دل و گوی اذ غسل بردست  
 زرقاں بیکے گرتو اوردم زوداد  
 مراست تنگ دے فخر دست کان بہن  
 بسی فکر رسا جاہداں محس بردست  
 میرگمان تو اورد یقیں شناس کہ دزد  
 متاع من زہن نمانہ ازل بردست

فرست اگر دست دہد منتقم نگار  
 سانی و غنی و شرابے و سرودے  
 ز نمار اداں قوم نباشی کہ فریبند  
 حق را بسجودے - دینی را بدودے

اے کہ خواہی کہ بعد ازیں باشم  
 فخلص صادق الولاے تو من  
 گرترا شیوہ شاہدی بودے  
 کروے جان و دلف لے تو من  
 ورترا پیشہ شاعری بودے  
 سو دے چشم و سر پیاسے تو من  
 ورترا پایہ خسروی بودے  
 سفتے گوہر شناسے تو من  
 چوں ازینا ئہ - مرا چہ ضرور  
 راست گویم - بہانہ چہ ارم  
 کہ شوم ہرزہ مبتلاے تو من  
 بیکہ بر مال و جاہ مغروری  
 نامح شفقت ہم اے تو من  
 نیستم خوش ازیں اداے تو من

نورانی

نورانی

نورانی

نورانی



بکنی؟ کاین فسادیم و ز رست  
واسن با گزوم بجای تو من  
تو هرگز ندادی ز رویم  
خواجہ با گزوم خدا تو من

نظار  
بیر  
از قیام  
ویمی آل بر گز - و هر دو لایش بریزد  
ز آن که او خود بمهر این عمل تیغ زانده  
گفتم البته که شستیر بر این می اندو  
گفت زان رو که غریزان همه مسلم بودند  
که چشم آید - اگر زشت و پلیدش گویند  
خواجه از تنگ نخواهد که بریدش گویند  
که شمشیرش بنویسد و سیدش گویند  
نتوان کرد گوا. اگر شمشیرش گویند

کوده جمدی که در ویران کاشانه ام  
گریه بجزت رانده باشم نکته با جز و بیج  
بیت از آستان دودیم ذوق بکس بخشید - لیک  
مهر تو تا قابی در علب اوم دیده بود  
عاش بند بودت و علب اوم هست  
چرخ در آتش بنگار عالم کرد  
ز آنکه حرف - ز آنچه گفتم خاطر منم نکرد  
بیج و تکیس نیز در و زشت کم کرد  
زان سبب ایس ملون سجد و بر دم نکرد  
پیش هر کس گفتم این اندیشه با و نم کرد

ایازیاں زده غالب که از حدیقه بخت  
چرا زدم دست که پروردگار تا دم مرگ  
چراست اینکه نزاری ز راز سیه و غنیه  
غیر سه ز تو فار و خسته بیج سبیل  
بود بر رنق غروریه عباد و کفیل  
چراست اینکه نیابی بر از کثیر و فلیل

غلاب  
بیر  
خاندان  
نور

شغی

فتادہ در سیر این شتہ عقدہ - ورنہ  
 نہ مردہ تو - ورنہ رازق العباد بحیل  
 ز چند سال بزرگ تو و تباہی رزق  
 شدت حکم خود از نیگاہ رب علیل  
 فرشتہ کہ وکیل است بر ترانہ رزق  
 نکر هیچ توقفت بر رزق در تعطیل  
 دوم فرشتہ کہ یادش بحسب مقبول باد  
 روا داشت در اہلاک شیوہ بحیل  
 لطیفہ کہ تم از قول شاعر سے نصیب  
 کہ در لطیفہ مراد را کہ نبودہ عدیل  
 "اگر خدا سے برآمدہ زندہ تو ہنوز  
 ہزارشت نہ برد بان عزیز ایل"

با آدم زن - بشیطان طوق لمنست  
 سپردند از رہ کبریم و ذہن پس  
 و بسکن در اسیری طوق آدم  
 گراں تر آمد از طوق غرازیل

اب ہم مرزا کی ایک نظم کا مقابلہ دورہ اکبری کے ایک نہایت ممتاز اور نامور شاعر کے کلام  
 کے ساتھ کرتے ہیں۔ مرزا کے قصائد و قطعات و سمعات وغیرہ میں صرف ایک نظم ایسی ملی ہے  
 جس کا مولانا نظیری نیشاپوری کی نظم سے بخوبی مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ نظیری نے جلال الدین کبیر  
 کے بیٹے سلطان مراد کا جو عنوان شباب میں گذر گیا تھا ایک مرثیہ ترکیب بند میں لکھا ہے  
 جو اس کے کلیات میں موجود ہے اور چونکہ نظیری کو اس کے ساتھ نہایت خصوصیت تھی اور اس کی  
 شان میں نظیری نے متعدد قصیدے لکھے ہیں اور گراں بہا صلی ان کے جلد میں پائے ہیں اس لئے  
 معلوم ہوتا ہے کہ نظیری نے اس کا مرثیہ کمال صدق دل سے لکھا ہے۔

مرزا نے بھی مرحوم بہادر شاہ کے بیٹے فرخندہ شاہ کا۔ جو عین نشوونما کے زمانے میں فوت ہو گیا تھا۔ مرثیہ اسی بحر کے ترکیب بند میں لکھا ہے جو مرزا کے کلیات میں موجود ہے۔ چونکہ دونوں ترکیب بند تیموری شہزادوں کے مرثیہ میں لکھے گئے ہیں اور دونوں کا دندل متحد ہے اور ہر ایک میں سات سات بند اور دونوں کا ہر ایک بند آٹھ آٹھ بیت کا ہے اس لئے ہم یہ دونوں نظمیں مقابل یکدگر لکھے دیتے ہیں تاکہ ہر شخص جو فارسی شاعری کا مذاق صحیح رکھتا ہے دونوں میں باسانی موازنہ کر سکے۔ مگر افسوس ہے کہ کلیات نظیری کا کوئی صحیح نسخہ ہیکو دستیاب نہیں ہوا لہذا جیسا کہ لکھا ہوا پایا نقل کر دیا گیا ہے چنانچہ پہلے بند کے بعض شعر بالکل سمجھ میں نہیں آئے جنکی نسبت مقلن غالب یہ ہے کہ ان میں کتابت کی غلطی رہ گئی ہے۔

### غالب

### نظیری

ایدل بحیثیم زخیم حوادث نگار شو	لب خوش نگشتہ خندہ رہ چنگ میزند
اے چشم از تراوش دل انتکبار شو	در بزم مرگ خندہ بر آہنگ میزند
اے خوں بیدہ در دگرد از جگر فرست	ہرگز زمانہ جامتہ ماتم بروں نکر د
اے دم بسینہ دود چراغ مزار شو	نارفتہ شب بدامن شب چنگ میزند
اے لب بنود نالہ جانگاہ سازدہ	وقت گذشتہ را بتافت ز پے فرو
اے سر بقیعہ خاک سیر بگزار شو	کاینجا نشاد گام بفرشنگ میزند
اے خاک! چرخ گزرتوان زوز جادو آ	ایں دہر روز کو رکش آیام خیم باد
اے چرخ! خاک گزرتوان شد عبا شو	دست طمع بگیسوی شبرنگ میزند

## غالب

## نظیری

اے نو بہار چوں تن بسمل بخوں غلبے  
دست اجل تیغ سیاست بیدہ با  
اے روزگار چوں شب بے مائے مار شو  
از خاک عمر بر دہن تنگ میزند  
اے ماہتاب دی بسلی کیو دکن  
آرایش جوازہ دوستا میکند  
اے آفتاب داغ دل روزگار شو  
گوئی کہ گل برافسردا رنگ میزند  
اے فتنہ با صبح دزدیدہ ایں تقدیر پ  
ایں چرخ شوخ دیدہ عجب بے بصارت  
اے رستخیز وقت رسید آشکار شو  
برجام عشرت کہ؟ ہمیں سنگ میزند  
اے آہ ایں چیل بود کہ مار از سر گذشت  
فرزند شاہ اکبر والا نژاد مرد  
تنہا ز سر ملو کہ ز دیوار و در گذشت  
شیوں بر آوردید کہ سلطان مراد مرد

مرزا کے بند میں الفاظ بہت پر شوکت و شاندار واقع ہوئے ہیں اور کوئی شعر صنعت شاعری اور شاعرانہ نزاکت سے خالی نہیں ہے مگر واقعہ کی عظمت جس قدر کہ بیان ہونی چاہیے تھی اُس سے ہر ات زیادہ ظاہر کی گئی ہے بخلاف نظیری کے کہ اُسکا بیان اگرچہ دکھا چیکا معلوم ہوتا ہے مگر تنانت اور اعتدال کا سرشتہ اُس نے کیس باتم سے نہیں چھوڑا۔

بند دوم

## غالب

## نظیری

بگذر کہ بر من تو حفا کرد روزگار  
آفاق پر دینج و جہاں پر زماست  
با پادشاہِ عہد چہا کرد روزگار  
ایں روز مرگ نیست کہ روز قیامت

## غالب

## نظیری

شاہ سخن سراے مخمور نواز را  
 خلقے پر اضطراب چہ بجائی ممکنست  
 در بزم عیش فوجہ سرا کرد روزگار  
 دہرے پر انقلاب چہ بجائی قامتست  
 شاخے کہ بود موسم آتش کہ بردید  
 ایں ماتم کسے ست کہ از گریہ باہرست  
 از نخل عمر شاہ جدا کرد روزگار  
 بریب صبح و دامن شہا علامتست  
 مرگ اینچنین رخ و تن بازک ندیدہ بود  
 خوں میکند بجلوہ دل خلق گونیا  
 کام اجل بیدہ روا کرد روزگار  
 نخل جنازہ رستہ از نخل قامتست  
 شہزادہ خرد سال و بود روزگار پیر  
 ہر کس چنین حال در آرد بخت گاہ  
 شوخی بشا ہزادہ چسبہ کرد روزگار  
 رضواں گزین ہشت ہد و غیرتست  
 فرزند پادشہ نشناشد معانقہ  
 دل از نوید صحت او بزم سوز بود  
 اغوش گور بہرچہ واکر روزگار  
 اکنون سراے ماتم و کوی طاقتست  
 اے آں کساں کہ خاک رہ شہ پیرا  
 یا راں! عجیب کاری از دست دادہ ام  
 توجیہ آبروے شما کرد روزگار  
 بر سر زیند دست کہ وقت نہ دست  
 ہر چند بے اہل نتواں ہیج گاہ مرد  
 شہباز پاپریدہ رہ آساں گرفت  
 آتش بخور زیند کہ فرخندہ شاہ مرد  
 مرے ز قہرست کہ دیگر تواں گرفت  
 یہ دونو بند سادگی اور مرثیت میں تقریباً برابر سراب ہیں۔ البتہ نظیری کے بند کا چوتھا شعر

جس رتبے کا ہے ایسا کوئی شعر غالب کے بند میں نہیں ہے۔

بند سوم

غالب

نظیری

اے قوم! خوش راہنیکسبتماں کنید	اے بزم تیرہ! رخ چوں ارغواں کجاست
ایں کار را بشیوہ کار آگماں کنید	وے رزم دہمی! بشیوہ گیتی تاں کجاست
طفلست شاہزادہ و درہ خطر بسیست	شوق سجود و حرمت تعلیم کترست
منش ز غم رہروی آنجاں کنید	آن ناز صدر و سرکشی آتاں کجاست
از سبہ و گل انچه دلش خواہاں دہید	امر و زغم بہ سند شاہی نشسته است
از حیلہ انچه رای شما باشد آن کنید	پہلو نشین خسرو بہند و تاں کجاست
ہر حرف دل نشیں کہ گوئید و نشنود	آن حکم ہاکہ بود از و آب کار کو؟
آن گفتہ را بعریدہ خاطر نشاں کنید	واں کار ہاکہ آمد از دہوی جاں کجاست
و ر خود زرقنش نتوانید بازداشت	دلما! پراز غمست۔ غمزاں! اچہ واقعست
ببخود شوید و جامہ دید و تھاں کنید	یک دل تنگتہ نیت غمشی بہجاں کجاست
گیرید دشمنہ و کفن و ہم بر جگر زنید	ہر جابوگ مرگ گرد ہے نشسته اند
تاسینہ را ز دیدہ فردن خوچکاں کنید	زین غم کہ عام گشت ندامت امل کجاست
دنار پیش شاہ گوئید و مخبر	برگ و شکوفہ بخت۔ نمر از کجا خورم
تا بوت را بجانب مرقدر و اں کنید	بشکست شاخ و برگ۔ مرا آتیاں کجاست

## غالب

## نظیری

اے اہل شہرِ نرین! دودھ مال کی کجاست؟ کس راسرود و درخور میں تغزیت بنود  
 خاتمِ بفرقِ خواجہ خسرواں کی کجاست؟ پیدا کنید کا قول میں داستانِ کجاست  
 خلقِ بشیدین اندوگنویںد حالِ صیت خلقِ بشیدین اندوگنویںد حالِ صیت  
 صبرِ خنِ شیدینِ تابِ بیاں کی کجاست صبرِ خنِ شیدینِ تابِ بیاں کی کجاست  
 آفاق و مصیبتِ او متحنِ شدہ آفاق و مصیبتِ او متحنِ شدہ  
 ایں مرگِ باعثِ المِ مرد و زن شدہ ایں مرگِ باعثِ المِ مرد و زن شدہ

اس بند میں نظیری نے برخلاف پہلے بندوں کے دو شعر زیادہ کر دیے ہیں نظیری کا بند بلاغت میں شاید مرزا کے بند سے کسی قدر فائق ہو مگر مرزا کے بین نہایت دل خراش ہیں متوفی کی نسبت یہ کہنا کہ وہ کم عمر اور نا تجربہ کار لڑکا ہے اور راہ میں بہت خطرے ہیں اسکو جانے سے روکو وہ جو کچھ مانگے اسکو دو اور جو باند مناسب سمجھو وہ کر دو اور اگر سیدھی طرح وہ کہنا نہ مانے تو اسکو سختی سے سمجھاؤ اور اگر یوں بھی کام نہ نکلے تو رو دو اور پیٹو اور کپڑے پھاڑو اور چپاں کر دو اور چپیں کر دو اور بادشاہ کو اطلاع کئے بغیر تابوتِ مرقد کی طرف لیجاؤ؛ یہ تمام پیرائے بیان کے نہایت مؤثر اور دل خراش ہیں اور گرہ کا شعر سارے بند کا پتھر ہے۔

## بند چہارم

## غالب

## نظیری

زاں سبز خط کہ بر رخِ او نادیدہ ماند غمِ غمناست - در پایِ امی از ساغرِ نغمہ

## غالب

گردے بدل نشست و بخت بیدار ماند  
 بستانیاں با تم شہزادہ بخود اند  
 زیں سو بود کہ پیر میں گل درید ماند  
 خوش گشت و در دل و جگر دوستان قناد  
 آں بادہ ہائے ناب کز دنا کشید ماند  
 در میح شاہزادہ سخن ہائے دلپذیر  
 در داکہ ہم نگفتہ و ہم ناشنید ماند  
 در دادی عدم تو اں فت با شتم  
 ماند آنچه بود و صاحب عالم جبرید ماند  
 زان گلبنے کہ صرصر مرگش ز پانگند  
 خارے بیادگار بہ لہا خلید ماند  
 اخلاق شاہزادہ بود و نشین خلق  
 ہوئے ازان شگفتہ گل نورسید ماند  
 آں سر و سایہ دار کہ باش نبود کو؟  
 و اں نو گل شگفتہ کہ غارش نبود کو؟

## ظہری

شد بزم تیرہ پرده ازان رخ بر افکند  
 شمعے کہ در روشن بود و مردہ است  
 پروانہ را برید و بجاکستہ افکند  
 در خانہ اش ز حلقہ تمام خرام نیست  
 لاس حلقہ را ز صحن سرا بردار افکند  
 ریحان جلوہ یا سمن عشوہ ریختہ  
 چینید و ہم بر آں قد جاں و افکند  
 بالیں ز تاب کا کشت آتش گل کشید  
 کوتہ کنید و عسبہ در کشور افکند  
 رفت آں سرے کتاج با و سرفراز بود  
 بر سر کنید خاک و کلاہ از سر افکند  
 پوشید چند جامہ نیلی ز جوہر رخ  
 بر آفتاب جامہ نیلو فر افکند  
 خیز بہ تا باں ستر تابوت دم ز نیم  
 عرضے کنیم و کار و دامن ہم ز نیم

اِس بند میں مرزا کا بیان صفائی اور سادگی اور لطافت میں ظہری کے بیان سے سبقت



لے گیا ہے جیسا کہ اصحاب ذوق پر پوشیدہ نہیں ہے۔

### بندِ خیم

#### غالب

دستے ست ای سپہ ترادر ستمگری  
بارے بزم زجر تو پیش کہ داوری  
نیزنگ ساز چرخ کہ بید او خوی است  
با گل کند مموی و با شاخ مصری  
دا غم ز روزگار کہ شہزادہ بر غم خورد  
از خوبی و جوانی و فرخندہ گوہری  
حیف ست مروتش کہ در آیام کودکی  
بود او ستاد قاعدہ بندہ پردی  
شہ در دہ و دو سالگیش کردہ کہ خدا  
با قر خسر وانی و قراب قیصری  
ناگاہ روز نامہ عمرش دیدہ شد  
امضا پذیر نا شدہ توقع شوہری  
جز نو عود صاحب عالم نیا کنند  
دو تیرہ کہ بیوہ کنندش بدختری

#### نظیری

رفتی دکار با ہمہ دم گداشتی  
اشغلی بمر دم عالم گداشتی  
جانای غم رسیدہ و دلمای تبار  
در پیچ و تاب طرہ پر حسم گداشتی  
از تو عیار بر دل بیگانہ نہ بود  
بہر چه بر دل پرایں غم گداشتی  
روز و شب بت برسم خشیت سادہ بود  
در زین خویش شہب ادم گداشتی  
شمع فرار و خشت لحد ساختی قبول  
رخسار تخت و طرہ پر حسم گداشتی  
ہمت ترا بہ ملک نیاورد سرفرد  
عالم بہر کہ خواست مسلم گداشتی  
حرمت نگاہ <sup>ایں نگاہ</sup> داشتی و جامی خویش را  
بہر برادران مفتہ م گداشتی

زیربانی و جوانی فرخندہ شاہجیت      خون ست بے تو کمرہ دل میں است  
 اُن نو نالِ سرود کہ کجلاہ جمعیت      ہرل کہ بے تو خوں نشو سنگ است  
 اگرچہ وہ نو بند اپنی اپنی حکم نہایت ملیج ہیں مگر ثنات و جزات کے لحاظ سے نظیری کا  
 پتہ غالب معلوم ہوتا ہے ۔

### بند ششم

#### نظیری

#### غالب

اے شاہِ مصر و در زکھان چکوئے	اے رہ نورِ عالم بالا چکوئے
اے یوسف از بدائی انواں چکوئے	ما بے تو در ہمچیم تو بے ما چکوئے
ہر گاہ جلوہ کردہ تقاضا چہ میکنی	از سایہ در غم تو سپہ پوش شد ہما
با حسن شوخ در تہہ زندان چکوئے	اے خفتہ در تسمینِ عفت چکوئے
اسکندر از عزم تو بطلت نشست است	زنان پس کہ با تو آئے ہوا ہی جہاں نشا
در زیرِ گل تو خستہ حیراں چکوئے	در روضہ جہاں بہ تماشا چکوئے
اے پارہ ز جہان و بگر گشتہ پر	با مگر خانِ دہر و فاسے نہاشتی
گشتہ جدا از دیدہ و داماں چکوئے	با حوریاں آئنے سیماس چکوئے
ما بارے از فراق تو در خونِ دیدہ ایم	ما بخیر داں بجلتِ ماتم نشستیم
تو در میانِ روضہ رضواں چکوئے	از خوشیتن بگوسے کرتنا چکوئے
آوازِ نو طبع و دل آشتہ می کند	بے مطرب و ندیم و غلامانِ دہسال

## غالب

## نظیری

بے باغ و قلعہ و لب دریا چگونہ  
 بعد از تو شاہ خیل ترا برقرار داشت  
 اینجا عنبریز بودہ اینجا چگونہ  
 اے بعد مرگ راتہ خوار تو عالمے  
 پروانہ چسبہ رخ فرات تو عالمے  
 اے بخت خوش بخت پریشان چگونہ  
 اینجا کار دستر و دیوان حوالہ  
 اینجا گوز پرستش دیوان چگونہ  
 ظلم سبک ثبات ترا بجا زینہم است  
 در بحر گل تو قطرہ باران چگونہ  
 بشنو کہ بانگ بہر تو بر حشری زند  
 تا بگویم در صفت دوراں چگونہ  
 چون کار رفگان در گنیمت کار تو  
 معشر شتاب میکند از انتظار تو

اس بند میں بھی نظیری کے ہاں دو شعر معمولی تعداد سے زیادہ ہیں۔ نظیری کا یہ بند اس کے تمام  
 ترکیب بند کی جان ہے اگرچہ مرزا کے ہاں اس بند میں نظیری کے برابر بلند شعر نہیں ہیں مگر ترتیب  
 کا رنگ نظیری سے بڑھ کر پایا جاتا ہے۔

## بند ہفتم

## غالب

## نظیری

گفتار را بنوحہ گری چیدہ ام ساس  
 فردا کلاہ پادشہی بر سر تو باد

\* خانہ دان تیموریہ میں دستور تھا کہ غلام پادشاہ کی اولاد میں سے جب کوئی شاہزادہ مر جاتا تھا تو اس کی خواہ اور نوکر چاکر اور اس کی  
 سرکار پر دستور پڑی رہتی تھی۔

## غالب

در نوحه شاعری کمند از من لباس  
 در پرده سنجی از دم خولش هم رسد گزند  
 در هرودی ز سایه خولش هم بود هم اس  
 من میمان و چرخ سیه کاسه میزبان  
 درودی خورد هلاکم و تلخایه نوش یاس  
 باقی نمانده اشک چه گریم بهای های  
 از کار رفته دست چه بر تنم لباس  
 سر حلقه پلاس نشینان ما تم  
 اندوه همدان شه از خود کم قیاس  
 چون بودم ز من مانم شهزاده بے خروش  
 من دم زدم تلخ نوائی بریں پلاس  
 از نوحه عرض لطف سخن می توان گرفت  
 غالب سخن سرای شهنشه سخن شناس  
 یارب جهان نفیس تو بارگ و ساز باد  
 عمر ابو ظفر شه غازی دراز باد

## نظیری

رسم العسل بر دوزخ زاده قهر تو باد  
 فردا که روز محشر بر انگیزی از زمین  
 دوش و کنار حور و پری محشر تو باد  
 روزی که کار با همه متوقف حق شود  
 جبریل کار ساز و خدا یاد تو باد  
 وقت سوال گوش و لب منکر و نیکر  
 پیر از قبول نکست جان پر تو باد  
 آن حله که آدم از دوزل قدرا یافت  
 اگر رحمت دوگون بود در تو باد  
 مجموعه عمل چو به محشر در آورے  
 کار تو راست همچو خط مسطر تو باد  
 متو از بخور روی فرات مسطر است  
 بوسه بهشت هم نفس محشر تو باد  
 آدم بهاسه تو تشنه سد درین جهان  
 تسبیح قدس رسول کال گوهر تو باد  
 نخل ریاض ملک کباب عزیزت  
 بے محشر است

## نظیری

سر سبز از دماغے تننا گستر تو باد  
کارش بہ حسن شاہد فرخندگی بود  
ہر چند بر تو مرگ - برو زندگی بود

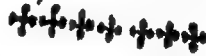
اس بند میں بھی نظیری کے ہاں دو شعر معمولی تعداد سے زیادہ ہیں انہوں میں ہے کہ اس وقت کتاب کے چھپنے کی جلدی میں ہو کہ اس قدر جملت نہیں ملی کہ کلیات نظیری کے صحیح نسخہ کے ملنے کا انتظار کیا جاتا اور بعد کامل اطمینان کے اس کے ترکیب بندیں جو اشعار حل طلب تھے انکی شرح کیجاتی جس سے ناظرین کو دو نو ترکیب بندوں میں موازنہ کرنے کا زیادہ موقع ملتا لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ اگر اس کتاب کے دوبارہ چھپنے کی نوبت آئی تو بشرط زندگی اس نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

اب ہلکو مرزا کی کلیات نظم فارسی میں سے صرف شثنوی کا نمونہ دکھانا باقی رہ گیا ہے۔ اگرچہ پہلے حصے میں کہیں کہیں مختلف شثنویوں کے کچھ کچھ اشعار مقتضائے مقام کے موافق نقل ہو چکے ہیں مگر نمونے کے طور پر یہاں بھی ایک دو مقام کسی شثنوی کا دکھانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مرزا نے کوئی بسو شثنوی نہیں لکھی ان کے کلیات میں گیارہ شثنویاں ہیں جن میں سے بڑی شثنوی ۹۲۸ بیت کی ہے اس شثنوی میں - جبکہ نام مرزا نے ابرگہر بار رکھا تھا۔ اُن کا ارادہ آنحضرت صلعم کے غزوات بیان کرنے کا تھا مگر چونکہ یہ انکی آخری تصنیف تھی اور اخیر عمر میں طرح طرح کے عوائق اور موانع پیش آئے اس وجہ سے غزوات کے شروع کرنے کی نوبت

نہیں پہنچی، صرف دیا چپ کے چند عنوان لکھنے پائے تھے کہ کروات رو گارے گھیر لیا مگر یہ  
 مثنوی آگلی تمام مثنویوں میں ممتاز ہے اور ہم اسی مثنوی کے کچھ اشعار توحید میں سے اور کچھ  
 اشعار مناجات میں سے جو نہایت آزمادہ اور نہایت طور پر لکھی ہے اور کچھ نعت میں سے اس  
 مقام پر نقل کرتے ہیں۔

### از توحید

سپاسے کرد نامہ نامی شود	سخن در گزارش گرامی شود
سپاسے کہ شوریدگان گشت	دہندش بیگم قلم دل نہ دست
سپاسے پرورش در تہمتہ	ز دل جہتہ و بادل کو بختہ
سپاسے دینی سوز کثرت رباعے	سپاسے دل غرور پیش قراے
خدا را سزد کرد دروں پروری	بدریں شیوہ بختہ شناسا دری
خدا کے کز اس گو نہ روزی دہ	کہ ہم روزی دہم دوروزی دہ



رضا چہ ہر دل کو دریش ہست	ہوا خواہ ہر رخ کہ گردیش ہست
در عجب زانہوم خواہند گاہ	نیاید ستوہ از پناہند گاہ
غرور جنس ہستی فروشنده گاہ	دہ غرور بیودہ کوشند گاہ
ربا یہ دل آواز دل داد گاہ	کشد ناز لیکن ز اقا داد گاہ
ز باد کے کہ بر دل وزد ز غمت	ز باں باد پیدا و زرد غمت

نگه را که بیرون نباشد ز چشم      و در بال پیدائی مهر و خشم  
 دل و دست با هم گردوخته      دریں کیسه کردار اندوخته  
 یعنی در کیسه که از هم دوختن دل دوست بهم رسیده - کردار مردم اندوخته است .  
 روان و غم را هم آیمخته      ازین پرده گفتار بگنجینه  
 نه زین سوگرم با شمر دن توان      نه راه اندرین پرده بردن توان

+++++

به نیرودی نه چرخ بر هم زدن      نشاید ز دست او دم زدن  
 یعنی بقوتی که انراں نه چرخ را بر هم میتوان زد از معرفت الهی دم نمیتوان زد .  
 گردیده به بند گریافتن      فرو بسته دل در زین کافتن  
 یکے را دم تیشه بر کاں نخورد      یکے ره به نایاب گوهر نبرد  
 خرد که جانے ست پیش خبر      نباشد ز عنوان خوشیش خبیه  
 نه بیند جز این هیچ بیننده      که مار بود آفسه بیننده  
 نگارنده پیکر آب و گل      شمارنده گوهر جان و دل  
 به گردش در آرنده نه سپهر      به گردوں بر آرنده ماه و مهر  
 رواں را بدانت سرای ساز      زباں را بگفتار پیرای ساز  
 بشاهی نشاندۀ خسرواں      ز رهن رها نندۀ رهرواں  
 بدانش بر اندیش فرزنگاں      بهستی بگم دار دیوانگاں

جگر را ز خونا بہ آشام دہ	نفس را بہ میتابی آرام دہ
شنا سندگان را بخود رہنما	ہر اسندگان را غم از دل تہا
نفسا بسودای اونا نہ خینہ	جگر با بہ صحراے اوریز ریز
رگ ابر را شکباری از دوست	دم برق را بقراری از دوست
زبانہای خاموش گویاے او	نہانہاے اندیشہ پیدای او
خرد را کہ جوید شناسائیش	نگہ خیرہ در برق پیدائیش
دوئی بے کفن مردہ در رہش	خودی داد گر شمع نہ دگرش



زہے ہستی محض وعین وجود	کہ نازد بہ کیتائیش ہست و بود
ز شاخا بہ کز قلزمے سردہد	بہر تشنہ آشام دیگر دہد
بیک بادہ بخشہ ز سپیمانہ	بہر ذرہ رقصے جدا گانہ
جہانے ز طوقاں بغرقاب در	ہنوزش ہماں میں بگرداب در
گردہے رستی بغوغادروں	ہنوزش ہماں مئی بہ مینادروں
اسیرش ز بندے کہ بر پای دوست	شناسد کہ بر تخت چیں جای دوست
شیدش بخوش از طب بہرہ مند	بجز چشم ز خمش نباشد گزند



بہرب کہ جوئی نوائے از دوست	بہر سر کہ بینی ہوا کے از دوست
----------------------------	-------------------------------



که همواره پیکر ترا شد ز سنگ	اگر پوسد سارست بهوش و هنگ
که بت را خداوند پنداشته	ببت سجد ذوالرود و داداشته
به در دمی از جام اندیشه مست	و گر خیره چشمت تیر پرست
کزین روز نشود دست بنموده چهر	بهرش اناں راه جنبیده مهر
گر دهم بود کز خرد و دشمنی	دشمنی در وفان اهریمنی
به آتش نشان خدائی دهند	ز بس داد و نمانش نائی دهند
بدلما خدا را نیایش کنان	به تن با به آذر گرایش کنان
خداوند چو می و خداوند گوسه	گر دهم سر اسیمه در دشت و کوی
بیزال پرستی یاں بسته اند	ز سکه که خود را براں بسته اند
پرستند حق گریه باطل بود	ز مهری که بغیر است در دل بود
پرستند و انبوه ویزداں کیست	نظرگاه و جمع پریشان کیست
بدونیک راجز پوی روی نیست	که امی کشش کاں از آن سوی نیست
فغاب نظرگاه و جبهه الهی	جاں چیست ؟ آئینه نگامی
خوداں رو که آورد روی اوست	بهر سر که رو آوی سوی اوست ؟

## از مناجات

شود تازه پیوند جانها بر تن	بر دوزخ که مردم شوند با بختن
به سر پای خورشید نازندگان	رواں را به نیشکی نوازندگان

گہرے ستوار پیش آورند  
 ز نور یکہ ریزند و خرمن کنند  
 ہنگامہ بایں جگر گوشگاں  
 یعنی غریباں  
 ز حسرت بدل بڑودہ دندان خود  
 در آن حلقہ من باشم و سینہ  
 در آب و در آتش بسر بڑودہ  
 تن از سایہ خود بہ بیم اندر دہ  
 ز ناسازی و ناتوانی ہم  
 ز بس تیر گیاے روز سیاہ  
 بجشائے بڑا کسی باے من  
 بدوش تیر از دستہ بارین  
 بگردار سخی میفرائے <sup>یعنی مال</sup> بخی  
 کہ من با خود از ہر چہ سنجہ خیال  
 اگر دیگران را بود گفت و کرد  
 چہ پرسی چو آن بخی و درواز تو بود  
 فروہل کہ حسرت ہمہ من است  
 مبادا بگیتی چو من ہیچ پس  
 فروہیدہ کردار پیش آورند  
 جہاں را بخود چشم روشن کنند  
 در آیند شستہ جگر گوشگاں  
 یعنی گری از جگر خواراں  
 ز جملت سر اندر گریاں فرو  
 ز غم باے آیام گنجینہ  
 ز دشتوارے زیستن مردہ  
 دل از غم بہ پسلود و نیم اندر دہ  
 دم اندر کشاکش ز پونہ دم  
 نگہ خورده آسیب دوش از نگاہ  
 تہید ست و در ماندہ ام - واسے من  
 فسجیدہ بگزار کردار من  
 گراں باری درد عمرم بسج  
 ندارم بغیر از نشان جلال  
 مرا ایہ عمر بخیست و درد  
 محمے تازہ در ہر روز از تو بود  
 دم سرد من ز مہر بر من است  
 جمعی دل ز مہر بر ہیست

پرسش مرا دہم افشردہ گیر      پرکاہ را صرصے بردہ گیر  
پس انگہ بد فزخ و ستادہ واں      در آتش خس از باد افتادہ واں  
پرسش سے مراد باز پرس قیامت ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے باز پرس سے مستثنیٰ رکھ اور یہ سمجھ لے  
کہ مجھ سے باز پرس ہو چکی اور ایک پرکاہ کو باد صرصہ اڑائے گئی اور یہ فرض کر لے کہ آتش  
دفع میں بھیجا جا چکا اور ہوا سے ایک تھکا دہکتی آگ میں گر چکا۔

و گر بچیں ست و سر جام کار      کہے باید از کردہ راندن شمار  
یعنی اگر انجام کاری ہے کہ اعمال کی باز پرس ہونی ضرور ہے تو۔  
مرا نیز یاد اسے گفت اردہ      چو گویم براں گفت ز نہار دہ  
دیں خستگی پوزش از من مجوسے      بود بندہ خستہ گشتی گوے  
یعنی اس خستگی اور مصیبت کی حالت میں جو کچھ میری زبان سے نکل جائے اس پر مجھے عذر  
مت چاہنا کیونکہ خستہ و مصیبت زدہ غلام گشتی گوار اور بیباک ہوتا ہے۔

دل از غصہ غول شدہ نفقش چہ سود      چو ناگفتہ دانی نفقش چہ سود  
زباں گرچہ من دارم آواز تست      بہت ارچہ گفتارم۔ آواز تست  
ہمانا تو دانی کہ کا منہ نیم      پرستنا و غور شید و آذر نیم  
نہ شتم کسے را بہا ہر یمنی      نبرد م ز کس مایہ در رہزنی  
مگر خفہ کہ آتش بگورم از دوست      ہنگامہ پرواز نورم از دوست

یعنی صرف مجھ میں ایک عیب ہے کہ میں شراب پیتا ہوں اور اسی سے میری زندگی ہے

اس مطلب کو اس طرح ادا کرنا کہ در آتش مگورم از دوست، اور پرواز مگورم از دوست،  
 منتہائے بلاغت ہے نشہ شراب سے جو عارضی نشاط اور مانگ پیدا ہو جاتی ہے اسکو  
 پرواز مگور سے بہتر کسی استعارے میں ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جس طرح چوٹی کی پرواز  
 اسکی موت کی علامت ہے اسی طرح نشہ شراب کا عارضی نشاط آخر کار مرثیہ ہلاکت  
 ہوتا ہے۔

من اندوگین و نئے اندہ رہا ہے	چہ می کردم اے بندہ پرورد خدا ہے
حساب نئے درائش و رنگ و بو	ز جمشید و بہرام و پرویز جو ہے
کہ از بادہ تا چہرہ آفرینند	دل دشمن و چشم پر سوختند
نہ از من کہ از تاب نئے گاہ گاہ	بہ در یوزہ پنج کردہ باختم سیاہ
نہ بتاں سرانئے زمینانہ	نہ دستان سرانئے نہ جانانہ
نہ رقص پری سیکراں بر بساط	نہ غوغائے رامشگراں در بساط
بسا روز گاراں بہ دلدادگی	بسا فوہاراں بہ بے باوگی
بسا روز باران و شہاے ماہ	کہ بودہ است بے مے بچشم سیاہ
افق ہا پر از ابر بسمن صبی	سفالینہ جام من از سنے صبی
بہاران ما من در غم برگ و ساز	دیر خانہ از بیسنوائی بندہ ساز
جہاں از گل و لالہ پربوی و رنگ	من و حیرہ و دامن زری رنگ
و دم عیش جز رقص بسبیل نبود	بہ اندازہ خواہش دل نبود

اگر تافتم رشتہ گو ہر شکست	و گریافتم بادہ ساغر شکست
چہ خواہی ز دلق مے آلودن	بہیں جسم خمیازہ نشہ سودن
بنا ساز گاری ز ہمایگاں	بہ سرمایہ جونی ز بے مایگاں
سرا منت ناکساں زیر خاک	لب ز خاکسوس خاں چاک چاک
گیستی دزم بنواد اشتی	دل را اسیر ہوا د اشتی
نہ بخشندہ شاہے کہ بام دہ	بہر بازو رسیل بام دہ
کہ چوں پیل زان جابر انگیزے	ز زش برگدایاں فروریزے
نہ نازک نگارے کہ نازش کشم	بہر سو زلف درازش کشم
بدیں عمر ناخوش کہ من د شتم	ز جاں حار و پرہیز د شتم
چو دل زین ہو ساجوش آیدے	ز دل بانگِ خونم بگوش آیدے
ہنوزم ہمان دل بوش اندرست	ز دل بانگِ خونم بگوش اندرست
چو آن نامرادی بیا د آیدم	بغیر دوس ہم دل نیا سایدم
وے را کہ کتر شکیبہ پیلغ	در آتش چہ سوزی بسوزندہ دغ
صبوحی خورم گر شراب طہور	کجا نہ ہو صبح و جام بلور
دم شب رویاے مستانہ کو	بہنگامہ غوغاے مستانہ کو
دراں پاک میخانہ بے خروش	چہ گنجائی شورش نای دوش
سیہ مستی ابر و باراں کجسا	خزاں چوں نباشد باراں کجا

اگر حور در دل خیالش کہ چہ	غم ہجر و ذوق وصالش کہ چہ
چہ منت نہ ناشناسا نگار	چہ لذت دہر وصل بے انتظار
گر ز دہم بوسہ - انیش کجا	فریبہ بہ سو گند - دیش کجا
بزو حکم و نبود لبش تلخ گوے	دہد کام و نبود دلش کا مجوے
نظر بازی و ذوق دیدار کو	بہ فردوس روزن بدویار کو
نہ چشم آزر و مسند دلالت	نہ دل تشنہ ماہ پر کالت
ازینہا کہ پیوستہ میخواست دل	ہنوزم ہماں حسرت آلاشل
چو پیش رگے را بکا و دزدل	دو صد و جلہ خوں ترا و دزدل
بہر جرم کز روے دفر رسد	ز من حسرتے در برابر رسد
بفرماے کایں داوری چوں بود	کہ از جرم من حسرت افروں بود
ہر آئینہ بچوں منے را بہ بند	تلافی فراخو رہو دے نئے گزند
بریں سویہ در روز اسید و سیم	بگریم بد انسان کہ عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چارہ جوی	تو بخشی بد اں گریہ ام آبروی
و گر خون حسرت ہذر کردہ	زیادہ اش قطع نظر کردہ
گذشتہ ز حسرت - امیدیم ہست	پسید اب رومی پسیدیم ہست
کہ البتہ ایں رہ نہ نا پار سا	کج اندیشہ گبر سلاں منا
پستار فرخندہ منشور تست	ہو اداری فرزانہ و خورشور تست

بر بند امید استواری فرست      بر غالب خطرتنگاری فرست

الغرض  
بر بند امید استواری

محمد کز آئینه روی دوست	جز آئینش ندانست دانا که اوست
ز به روشن آئینه ایزدی	آینه میزد گنجینه راز نگار
ز راز نهان پرده بر زده	ز ذات خدا معجز سر زده
تناسی دیرینه کردگار	بوسه ایزد از خویش امیدوار
تن از نور پاوده سر چشمه	دلے محو کتاب در چشمه
بهر جام از دوشنه بحر نه خواه	بهر گام از دوشنه بحر نه خواه
کلاش بدل - در فرد آمدن	ز دم بسته پیشی بزد آمدن
خرامش بنگ از قدم نقش بند	برنگے که نا دیده پایش گزند
بهر دستش کتبا و قلم نارسا	بگلش سواد و رستم نارسا
دل امید جایی زیان نیدگان	نظر قبله گاه جهان نیدگان
بر قمار صحرا گلستان کنه	بگفتار کافر مسلمان کنه
بر نیاز دیں روشنائی دہے	ببقی ز آتش ربانی دہے
بخوب خوش - اندوه کا وہمہ	بآمر دشمن امید کا وہمہ
ز بس محسوس پرده راز بود	بتردکی حق سرفراز بود
ز راز سے کیا دے سر دے سر	صدائیش بود سے راز دل گویش

نظر گاہ پیش فرستادگان	خجے قبلہ آدمی زادگان
روائی دہ نقد عالم بخش	کسائی دہ نسل آدم بخش
گرامی گن سجدہ میاے او	بلندی دہ کعبہ بالاسے او
خفق بستہ چین گیسوے او	مین روشن از پر توروسے او
جہانے بیک خانہ آباد کن	زبت بندگی - مردم آزاد کن
بہ اندیش خویش دہ عاگوے غیر	بحراب مسجد رخ آراے دیر
کہ سنگ درش سنگ آہن رست	توگوئی - زبس دل زدشمن رباست

**نثر فارسی** مرزا کی فارسی نثر کو جو مقدمات میں فارسی نظم سے بہت زیادہ ہے اس بنا پر کہ وہ وزن سے مترا ہے صرف ایشیائی اصطلاح کے موافق نثر کہا جاسکتا ہے ورنہ اگر وزن سے قطع نظر کی جائے تو مرزا کی نثر میں شاعری کا عنصر نظم سے بھی غالب تر معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً کلیات نظم کا دیباچہ اور خانہ، مہر نیمہ وز کے ابتدائی عنوان، تمام تقریظیں اور دیباچے جو لوگوں کی کتابوں پر مرزا نے لکھے ہیں، اور کاتبات کا ایک مستند بہ حصہ سراسر شاعرانہ خیالات اور پوٹیکل نظم و نسق پر مبنی ہے۔

متاخرین میں ابو الفضل، طورری، طاہر وحید، اور جلالاسے طباطبائی بڑے شاعر بنے جاتے ہیں۔ مرزا بیدل کی نثر اگرچہ انکی نظم کی طرح ایک دوسرا عالم رکھتی ہے مگر وہ بھی اپنی شان اور آن بان میں بینظیر ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے (اور ضرور)



تسلیم کرنی چاہئے) کہ مرزائے متاخرین کی طرز انشا پردازی سے استفادہ حاصل کیلئے  
تو بھی متاخرین کی نثروں میں مرزائی طرز کا سراغ لگانا ایسا ہی ہے جیسا تہمی آم میں  
پیوندی آم کا مرڑو ہونڈھنا۔ تقریباً ساٹھ برس گزرے کہ لکھنؤ کے ایک نہایت لائق  
ادبی نے مرزائی نثر کی نسبت یہ بات کہی تھی کہ شیخ ابو الفضل اور مرزا بیدل دونوں کے  
مختلف اسٹائلوں سے کچھ کچھ مختلف باتیں اخذ کر کے ایک جدا اسٹائل پیدا کیا گیا ہے،  
لیکن جب مرزائی نثر کا اُن دونوں کی نثروں سے مقابل کیا جاتا ہے تو مرزائی کوئی ادا اُن کی  
طرز ادا سے میل نہیں کھاتی۔

اگرچہ مقصدی مقام یہ تھا کہ مرزائی نثر میں جو خصوصیتیں ہلکو معلوم ہوتی ہیں اُن کو  
یہاں مفصل طور پر بیان کیا جاتا اور ہر ایک خصوصیت مثالوں کے ذریعے سے ناظرین  
کے ذہن نشین کی جاتی لیکن چونکہ لوگوں کو اس قسم کی تحقیقات سے کچھ دلچسپی نہیں ہے  
اس لئے ہم اس بحث سے قطع نظر کر کے حسب وعدہ اُن اصحاب کی ضیافت طبع کیلئے  
جنگو فارسی زبان کے ساتھ باوجود اسکی کساد بازاری کے اب تک کچھ نہ کچھ لگاؤ چلا جاتا ہے  
مرزائی نثروں میں سے بطور نمونے کے کچھ کچھ اقتعا کرتے ہیں اور ہلکو امید ہے کہ یہ نمونہ اس  
بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی و دافی ہوگا کہ مرزائے نثر فارسی میں بھی اُسی قدر بلند پایہ  
ہم پہنچا یا تھا جیسا کہ نظم فارسی میں اُنکو حاصل تھا۔

اگرچہ مرزائی نثر کو اگلے نامور انشا پردازوں کی نثر پر ترجیح دینا تاوقتیکہ اُسکو طبعی زبان  
سے ثابت نہ کیا جائے ایک بے معنی بات ہے لیکن ہلکو اُن لوگوں سے جو وجدانِ صحیح اور

ذوقِ سلیم رکھتے ہیں امید ہے کہ وہ مرزا کی شہر میں ایک عجیب طرح کی لذت اور شوخی اور ایک  
 نئی طرح کا بانگین دیکھیں گے جس سے تمام متاخرین کی شہر میں بالکل مترا ہیں۔  
 چونکہ مرزا کی طرزِ انشاء پر دازی سے اکثر لوگ نا آشنا ہیں اس لئے جہاں تک ممکن ہوگا  
 ہم انکی شہر میں سے ایسے مقامات اخذ کریں گے جو صاف اور سلیس ہوں اور با انیمہ جہاں  
 ضرورت ہوگی کہیں بین السطریح کہیں برکیٹ میں اور کہیں فٹ نوٹ میں حل طلب  
 مقامات کی شرح بھی کرتے جائیں گے۔

مرزا کے تمام فارسی کلام کی املا میں ایک خصوصیت ہے جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں  
 یعنی وہ بعض الفاظ کو تمام اہل زبان اور زبانداروں کے برخلاف دوسری صورت سے  
 لکھتے ہیں مثلاً صد کو صد، شفقت کو شست، غلطیدن اور طپیدن کو غلطیدن اور پیدن  
 گزشتن اور گزشتن کو گزشتن اور گزشتن، آذر اور تذر و کو آذر اور تذر و وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ  
 یہ املا ناظرین کے تردد کا باعث تھی اور نیز ہم اس املا کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے اس کتاب  
 میں جہاں کہیں مرزا کا کلام نقل کیا گیا ہے وہاں الفاظ مذکورہ قدیم معمولی طریقے کے  
 موافق لکھے گئے ہیں۔

### نثر فارسی کا انتخاب

از مہر نیروز

خطاب میں بوس مہر نیروز کے دیباچے میں حمد اور نعت اور مہر پادشاہ کے بعد ابو ظفر  
 سراج الدین بہادر شاہ مرحوم کی طرف خطاب کر کے اپنا درود بیان کیا ہے اور اس

خطاب کا نام خطاب زمیں بوس رکھا ہے۔ اسکو کسی قدر عذف و اسقاط کے بعد ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

”قاآن شیوہ خاقانا! دخواقین خدا یگانا! رُوی آوردن سن از عدم بوجود بسو دای  
گہر سنجی و گہر فزوشی بود، کلا سے بیش بہا سے من درین چار سو روی رو دای نمدید؛ و متاع  
گر انما یہ مرادیں بازار ارزیش ارزانی نہ شد؛ ناچار ہرچہ با خویش آوردہ ام۔ چوں گویم کہ با  
خویش می برم۔ لختی در سینہ ہا، و پارہ در سینہ ہا میگذازم و میگذازم۔ پس از من آن گنج شاہیں  
را اگر ہم باد بجز گو بجز، و اگر ہم خاک بخور و گو بخور۔ سینہ آرزو ہا سے جو ایں میرا مدفن است،  
لغہ نگاہ کرم چراغ گورِ غریباں باد۔

نیاگان نامہ نگار از تخمِ افراسیاب و تشنگ بودہ اند، و فرماندہان باقر و فرنگ  
فروردین چراغ، مستی نور دیدہ تور بہ باد استین کینہ کینہ و تشنگیاں را روز سیاہ پیش آوردہ  
خدا و ندان اورنگ و دہیم را ازاں برگ و ساز با جزئیات گند ناگوں کف نہماند۔ بہ مرز و بوم  
بیگانہ روی آوردند، و بہ دہشتِ فرود تیغ زدن ناں خوردند۔ ہم ازین نیستاں ایوانان کسار  
نیشیں۔ سلجوقیاں و گربارہ سر بافسر و افسر گویہار استند۔ چرخ گردنہ چنانکہ خوی دوست  
ایں نامداران کا دس کوس را نیز از پای افکند۔

در مشرب با خواہش فردوس نجوی در محبص ماطلح مسعود نیابی

ہم مرزا اکثر بلکہ تقریباً ہمیشہ ان غفلوں کے بعد خلیکے آخر میں داویا اے ہوتا ہے بغیر اضافت کے یہی تھا کہ طرز پر یا سے زائد لاتے  
ہیں مثلاً نہ یا ستر یا یا اور جاکے کلمہ رو سے سو سے پاسے اور جاسے لکھتے ہیں۔

در بادہ اندیشہ مادر و نہینی در آتش ہنگامہ ماد و دنیا بی

از واپسایانِ ایں قافلہ نیایے من کہ در قلم و ماوراء النہر، سمرقند شہر، مسقط الراس دے  
بود چوں سیل کہ از بالاییستی آید۔ از سمرقند منہد آمد۔ در دفتر سپہبد شاہ نشان ذوالفقار اللہ  
میرزا بخت خاں ترقیع نوکری شاہش نوشتند، و بر پرگنہ پچاسو برات روزی دے  
و سپاہش نوشتند۔ پدرم پیشہ پدر خویش داشت، و ہم در کار زار جاہیہ گذشت۔ ہمانا  
گلبن شناسے ترانوائیں نوا طیلے ہی باہست کہ مرا ز فرہ سنج دوتا سراسے آفریند۔

رباعی

غالب ہ گم زندودہ زاد ششم زان رو بصفایہ دم معیت دم  
چوں رفت سپہبدی ز دم چنگ شعر شد تیر شکستہ نیا گاہ تسلیم

خاکم بسر کہ بفریب پندار آزادہ روی سخن لا ابا لیانہ پرداختم، و اندازہ از رش سخن و پایہ طلالی  
گوہر خویش نشناختم۔ سینہ من نفیس داشت برواں آسانی نسیم کہ از نستر ناز و زود زیاں  
زودہ۔ من کہ دم تجزیہ نا باہست تزدوم۔ و بتان مرا قلعے بود بہ و جلہ باری ابرے کہ اقبلہ  
خیزد بیدہ کوش۔ من کہ باران بشورہ زار فرو ریختم۔

بایں فروغ گوہر و رخسانی نہاد زیں ساں سیاہ روز کر اگر درو گاہ

با فرد فرہنگ بیگانہ، و با نام و رنگ دشمن، با فرد مایگان ہمنشیں، و با او باش ہم رنگ، پای  
بیراہہ پوسے، و زباں بے میر و گوے، در شکست خویش گردوں را دستیار، و در آزار خویش  
دشمن را آموزگار، دل پر از خار خار، و دیدہ نشتر زار نہ دستگاہ خود نمایانہ آرایشے، و نہ

سرور برگ آزادانہ آسائیشے۔ سرگزشت ہر کس ہماں فرماناے انصاف پذیرفتہ سرنوشت  
اوست؛ در آنچه بر من رفت دوستاں را با من چه جای سرزنش، و مرا بادشماں چہ  
گنجائی بر غاش۔

ننگ گشت <sup>نہایت</sup> سرور کشتی شکست موج دانا خور و دریغ کہ نادان چہ کار کرد  
پس از پنجاہ سالہ آوارگی کہ تیری رقتا بر من از مسجد و تجانہ گردانگیت، و خانقاہ و  
یسکدہ را یکد گرد؛ بفرود آں فرخہ ایزدی کہ فریدوں را بہ قراب دادگری دل افروخت  
و مرا فرہنگ سخن گسری آموخت؛ بدان دُر فرو دم آوردند کہ تو نیز چوں حلقہ چشنے بدان دُر  
دارمی، و نتوانی کہ دیدہ برداری۔ + + + + +

تا ہمسایہ ادیم سپہاں دریائے من اند۔ و تا خاک نشین آں دُر م فرشتگاں در رشک پایہ  
من اند۔ و در دل و دیدہ <sup>روشنایاں</sup> جاے من ست، و بر سرامہ و ستارہ پاسے من۔ درین  
گوشہ گزینی و خوشہ چینی نخست آیہ رحمتے کہ بر من از بالا فرو آمد۔ و دادن خشتگی زین بوس  
ایکساں خدا یو خدا داں بود۔ و دولت روے آورد، بخت از خواب حبست، حور چشم روشنی  
گفت، رضواں رضا جوے آمد، چرخ از رفتہ عذر خواست، روزگار از گذشتہ بجلی طلبد۔  
نومیدی از تو کفر و توراضی نہ بہ کفر نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

کا بید خاکی مرا چوں پیکر گرد باد جانے در میاں نیست؛ ہمیں یک دو دہ سرگشتگی تماشادارو  
مگر عندی بگلشن تصویرم کہ میوے گل ز فرمہ از دے نتواند دمید، یا سبزہ جو ہر شرم کہ بزدلی کا

مستانہ نیار و حمید بگستگی بیوزن شام کس شد، و خوں از دل چچاں دیکیدین ست؟ بایونند  
چه قدر استوار بود؟ و چه مایه پزند و گسته اند.

شعبے بادل دیوانہ کھنچے از من ہوشمند ترست گفتم کہ اگر گفتار نیرود ہی بشاوارم کارگاه  
بارگاہ - عرصہ دارم کہ آیتہ رازم - مرا می توان ندود، و بندہ سخن طرازم - مرا می توان پورہ  
گفت اسے ناداں این سخن از جاے دگر بود و ہنگام آن گذشت؛ اکنون اگر ہی توانی گفت  
بگوے با کشتہ ام - مرہم می توان نناد، و مرده ام - جاں می توان بخشید.

### رباعی

شام ہر چند دایہ جوے آمدہ ام      دلی کہ چہ مایہ نقر گوے آمدہ ام  
آہم کہ محیط را بجوے آمدہ ام      رنگم کہ بہار را بہ روے آمدہ ام  
اگر چنانکہ بہ دوران تو ام - بر دزگا رفزانہ جمشید بودے - جمشید روزگار آفرین گفتمے؛ و اگر  
بر انسان کہ تناخوان شہرایم - قرخ فریدوں را ستودے - فریدوں چرخ و ستارہ را گرد  
گفتمے. در اں انہن کہ زردشت آتش افروخت، و زند آورده، اگر من بدین ہم آفریناں  
جاداشتے - آذر از ہم من زبانیہ تروے؛ و از دلفری بیان من کس بشنیدن تر نہ پیرا نختے.  
من بدین قرخی بخت کہ چوں تو خداوند کار فرماے دارم - ہر قدر بر خوشنیت بنام جادارد؛  
سرت گردم تا تو تیر بدیں گرمی ہنگامہ بناز - کہ بچہ غالب بندہ آتشیں نواسے داری. اگوا بناز  
ہند و اوائفات می دہی - جاے مردک دیدہ بمن باز گزار، و در دل بروی من بکشاے.  
گویند در علم جانانانی حضرت مباحقران ثانی بفرمان آن خسرو در یادل - کلیم را صد

بسمِ دزد و لعل و گھر سنجیدہ اندیشہ من آں خواہم کہ دیدہ و رال را دستوری دہی تا دوشش و  
 گوشش نہ بچند، و یکبار گفتار مرا با کلام کلیم بچند۔ ++++++  
 پریشان نوائی من در ستائش گفتار خویش اگر خود گزان نباشد، گفتار راست بگستاخی  
 گواردن ہم از انصاف نباشد۔ آخر نہ ہانم؟ کہ ہمہ وقت خود را بیچ شمر دے، و بیچکارہ بر خود گزان  
 کمالے نہ رے۔ سرمستی ذوق برگزیدن ایں دالانظر کہ برگزیدہ تست مرا از من برد، و  
 خاتمہ بے پردا پوسے را بیں روش و آہنگ بخرائش و راستش آورد۔ ++++++  
 ہما نا بلند نامی سلطان دہر در آفاق چشم داشت، کہ چوں منے را کہ بیا دو بیانی شہرہ افاتم  
 بگردار گزاری گماشت۔ من خود از اں رو۔ کہ دل و زبان ایں بیدار مترا آئینہ دار دل و زبان  
 شاہ است۔ داتم کہ انچہ عمدہ الحکما دریں باب میں فرمودہ۔ فرمان شاہ است۔

پادشاہاں را ثنا گفتن نہ کا بہر کسست دیدہ و رشاہے کہ کار گفتن اندازدین

نامہ نگار کردار گزار را بہ تونمندی توفیق سرانجام خدمت۔ سعادت جادوانی، و عاقال را  
 بہ سایہ سواد ایں نگارش کہ طلبات آبیجان ست حیات ابد از زانی باد۔

نخترہ فقرے مرزا نے مہر خیر دین جہاں سببہ تالیف کتاب لکھا ہے اسکے آخر میں ہے  
 ظاہر کیا ہے کہ کس نفسی کی معمولی رسم کے برخلاف اگر تین اپنی طرزیان کی داد لوگوں سے  
 چاہوں تو یہ کوئی بیجا بات نہوگی بلکہ عین تنقید و تمیز کی بات سمجھی جائیگی اسکے بعد کہتے ہیں۔  
 "کالا شناسی را نہ آں آئین ست کہ کوئی کالا سے خویش از نظر انما زند، و پرکار کشانی را"

عناطہ بیدہ کی تاریخ نہیں کیلئے مہا کلیم حسن، اشعار میں روح نے جو بڑیا عا بیان اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

نہ اُن دستورست کہ بہر پیکرے کہ خود کشد عشق نہ بازند۔ مگر بانی اِس نقش را کہ خود میزد  
 از اعجاز نمی شمارد؛ و از ران بُت را کہ خود می تراشید ناز نمی برد؛ و یزداں را بندہ سپاس مگر از  
 باشم اگر فلک را بہر جنبش آفریں نگویم، و از سخن بہ ہر اندیشہ سپاس نہ پذیرم۔ رنقا رکیک و  
 تندرودل از دست بزد، و خرام این رعنا لبت رقا ص سرست نکند؛ و حاشا کہ خراش  
 کلک بر ورق اِس مایہ ذوق انگیز تواند بود؛ تیرست کہ بسنبیلہ در حالت سرستی تعظیم بخایہ  
 بنامی خرامد۔ اِس پارسی آیمختہ تازی۔ کہ از زمان حیرہ دوستی عرب بر عجم در گیتی پدید آمد۔  
 خسروی گنجینہ در بستہ بود کہ خانہ من قفل درش را کلید آمد نہ پیر و نیز کجاست تا بنگرد و دریا  
 رہروی کہ ام رہ سپردہ ام، و بہرام کجاست تا فراسد کہ سخن را از کجا بجا بردہ ام۔  
 خسروی بادہ دین دُور اگر نمیخوای پیش ماے کہ تہ جرعہ از جامی ہست

خود ستائی فروشم، و بند پندار گسلم۔ آو خ از اں روزگار کہ از خوئی بناسازی و از کار بازی ہستی  
 شد، و داد از اں بیدار کہ در دریش از فونی ختم و کام بر خوان و ہوش رفت۔ از کار بازی  
 اِس بگارش سپاس پذیرم کہ بہر اختر اِس نقطہ کہ خود را چون سایہ بازیں ہموار ساختہ ام،  
 تا پرداختہ ام۔ و با گینتن اِس نقش کہ چشم دول و نگاہ و نفس با ہم آیمختہ ام، تا آیمختہ ام۔ دست  
 از کار ہای دگر کوتاہ ست، و دل از اندیشہ ہاسے دگر پر کنار۔ نامہ نگار۔ کہ از کردار گزاری گینتن  
 در دول ردے آورده بود۔ بازیہ پاسے سخن می آید، و جادہ کہ نشان دادہ اندے بے یاید۔

۱۰ تقسیم اور اخراق بعین کی اصطلاح میں دو متقابل الفاظ ہیں۔ جب کسی شاعرے کا فاضلہ مرزا آفتاب سے ۶ درج  
 پر تو کھتے ہیں کہ یہ شاعرہ اخراق میں ہے اور جب یہ فاضلہ ۱۰ درج پر تھی بہت اخراق کے ۲۴ درج پر تو کہتے ہیں کہ  
 ست تقسیم میں ہے اخراق شاعرے کا خیر میں ہونا اُسکی عمد ترین حالت ہے۔



گزرندگان ہمتن چشم باشند و شنوندگان سراپا گوش .

مرزد آفندگاری مرزائے مہر نیروز نیں جس طریقے سے واقعات تحریر کئے ہیں یہاں دو ایک مثالیں اسکی بھی لکھی جاتی ہیں۔

خانِ خطا باغ نشین سجید کہ با قہرمان قوم نخل مہرورد مہر انگیز نامہ رواں داشت  
و گزیدہ رود شے را بہ نامہ بری و یماچی گری گماشت . فرستادہ آمد ، و جہاں پہلوان قبل خاں  
را ز نیں بوسید ، و نامہ سپرد ، و پیام گزارد . صرفہ در آشتی بود نہ در فرو گذاشت .  
قاچولی بہادر را بجایے خود نشانند ، و بہمنانی نامہ آوردن تیر گام سوے خطا راند .  
فرماندہ آں کشور سران لشکر را پذیرہ فرستاد ، و همان را بخوشترین نشین فرود آورد . دو  
پادشاہ سپہر بارگاہ بر یک خواں نشستند ، و ناں خوردند ، و راوق آشامیدند ، و دیگر خوردیشہ  
قبل خاں را در اندیشہ گزشتہ باشد کہ مبادا خطائیاں نہ رہو بہادہ آمیزند ، و بدیں رنگ  
خون مہماں ریزند ، و در ہرزم پس از اندک مایہ درنگ بہ بیانہ آب تاباختن بروں آمد  
و بہ چشم شگوفہ کردے ، و خوردہ و آشامیدہ از دہن فرو ریختے . چوں بہرزم اندر آمد سے  
و گر بارہ ساغر گرفتے ، و خوردنی از سر گرفتے . خطائیاں بہ شگفت فروماندہ کہ یارب ایں چہ  
نیرومند و زور آور کسے ست کہ از ما بشیر می خورد و خورش را بردے گزانی نیست ، و مئے اندام  
تقوٰں ترمی کشد و ہشیار تر از ما ست . میکشاں دانند کہ چوں بادہ پُر زور و دام خوردہ چو  
ہر بار بشگوفہ اندازند نہ آنست کہ مستی رو سے نہ ہد ، و تا پئے و نہ یونی تے منقش را ہم تہرورد  
شے بادہ بر خورد زور آورد . قبل خاں ریش دارا سے خطا کہ اتاں خاں نام داشت ۔

اندر دینار  
قبل خاں  
و جاکان  
را بہرورد

گرفت دیوے خود کشید، و تا سرگشت. میزبان خشم فرو خورد، و تزدیکان خود را که هم از کشتن او گستاخی باز داشت. بامدادان میهمان آهنگ بازگشت سپرد. میزبان که از بدستی دشمن سرگراں بود چنانکه میزبانان دامن میهمان زود از دست ندهند، و آرزوے دیرباز کنند. نکرد. کلاه هاسه گوهر آگین، و کمر هاسه زریں، و توشه نگین هاسه بیش بها، و دست پیرنیاں و دیبا پیش کشید، و بدرود کرد. هنوز هر دو در زلفیه بود که بدآموزان اقبال خاں را از جاسه پرورد، و برآں آوردند که قبل خاں را از راه برگردانند، و بدرگاه آورند، و کاسبی را بدشته و خراج از هم فروکشایند. سخن بزمی گزارنده ستاره از سپهر فردا آورده. بدین کار کمربست و قبل خاں را براه دریافت؛ و بیاز آمدن فریفت. رمیده رام نه شد، و از راه برگشت. فرستاده تنها باز آمد و بفرستنده خبر داد. بگرد هاسه از گرداں و کیلاں قواں رفت که جلوس میشتابند، و هر کجا یابند اگر شادی و زادی نیاید بخجاری و زاری آورند. مگر قبل خاں را برادر دوستی بود از دود ستوده سلجوق بکاشانه دسے فرو آمد. و انم از بکاشایش آهنگ دوسه روزه آنچو بد داشته باشد خطایان شوریده مغروران ده رسیدند، و قال درآں خانه دیدند سخن بدان لای ساز کردند که خاقان فریب خورد، و خواست که سوسه خطا برگردد. خانه خدا که خرد از مهر قروں داشت. منفته باد پائے پیش کشید و گفت کارا دیگر گونست؛ رفتن بخدا و هیچ روه رو نیست؛ تنها بدین گروه میا ویز، و بریں بادوسن نام بر نشیں، و سوسه ایل و اولوس بگزیند ناگزیر نمجواں کرد، و جان گرامی تنگی

برد۔ خطائیاں روئے باز گشتن نہ آتند، پئے امید گاہ بچا پوسے خویش برد آتند۔ خان  
 سپہر آستان تخت بارامش جارسید و خطائیاں سپس۔ باقا جولی بہادر و فرزا کاں شکر  
 سیکاریش رفت کہ چہ می باید کرد۔ انجام کار بہ ہمدید یکدگر بخواہاں راکشتند تا از تخمینکہ

کشتند چہ در روند  
 بجا بہ دیکھہ ایش حرکت کا نام کیا ہو

شہر یار قبل خاں از یک بانوئے نکو دیدار کہ از قوم فقرات بودشش سپداشت۔  
 نخستیں و دودیس بہ او گیند رفاق و قولیہ خاں نام اور، دو گراں بنامہاے دگر  
 روشناس۔ روزے نخستیں ایں دو برادر نام اور۔ ناگاہ بشکار گاہ از ہماں جدا ہی مانڈ  
 و راہ گم کردہ ہرزہ ہی گردو۔ تا مار خانیاں کہ غارتگری پیشہ داشتند، دپیر امن قلم و منول  
 ہموارہ راہ می زدند۔ با ایں شہسوار پریشاں رقرار بری خوردند، دچوں مے دانتہ کہ کیست  
 با سیری می بزند، دباتاں خاں خطائی می سپزند۔ خاں کہ دے پڑداشت فرماں می دہر  
 کہ شاہزادہ را بر خر چوبیس بہ پنج ہاے آہنیں بردوزند، و تن نازنینش از رواں پروازند۔  
 خداوند منولتاں را کہ از پیش رنجور بود بہ بگرتابی ایں داغ درد افرود۔ چوں دانست  
 کہ ناکام ہی باید فردو میں سپر خویش قولیہ خاں را بہ جانشینی گزیہ، دہ کشیدن انتقام  
 خون برادر و میت کردہ چشم از تاشاے جہاں پوشید۔ قولیہ خاں تا گیند سلیمان  
 بکت آورد بفرام آمدن سپاہ فرماں نبشت۔ فرماں براں دیکندہ خواہاں از ہر سوے  
 بہ تخت گاہ روئے آوردند۔

چہ پڑداشت تعاقب نمودن۔ امید گاہ بچا پوسے خویش یعنی کی کرد طلبہ اور چاہیے روند

شہنشاہِ دانا دل دیدہ و در  
کہ چوں لعل بودے سراپا جگر  
براں شد کہ لشکر فرازا آورد  
بسوی خطا ترک از آورد  
ز مردان و گروان و گند آواں  
بہ جنبش در آورد کوہے گراں  
ازاں رُو کہ با یست خونریز شد  
منش با بخوں رنخین تیز شد  
دلیراں ز دشمن کشی دم زدند  
ز دم باد پر روے پرچم زدند  
ز تار تا رتا گردانگیختند  
بہ بگا و خانِ خطا رنجیتند

اتناں خاں دل و دست و سناں و سناں بکار در آورد، و خود را با سپاہی از  
تارہ بشمار افزوں تر بہ بکار در آورد. کوشید و کوشیدن سودنداشت؛ رقم فیروزی بنام  
تولید خاں کشیدہ بودند. شکلیابی گیل شکستے پر خطائیاں آقا د؛ علم با دازگوں شد، و اندیشہ  
بگزریر بہنوں. جہانباں اتناں خاں بہ گنجین جاں برد، دین ہاے خستہ و دہائے شکستہ  
از سیاں برد. بشمار اند آمد، و در بروے سپاہ کینہ خواہ بست. تولیہ خاں و لشکرانش ز انامیہ  
برگ و ساز بہ بیمار بودند کہ در اندیشہ گنجد. سپاس گزار چرخ و اختر گشتند، و گرانبار و سبکناں  
پر گشتند. پادشاہ بچشم روشنی پیروزی سپاہ و رعیت را صلاے عشرت اندوزی داد. ہنگامہ  
جشن گرمی پذیرفت، و بزم سوراایش یافت. خواہی ہنگامہ گرم کن و خواہی بزم آراے،  
مرگ را نہ آں مذنگ بہ کہاں ست کہ خطا کند؛ تولیہ خاں را نیز ہنگامہ خویش ناوک نشان  
خورد. چوں سپہر نہشت پیرمان بہادر جاے پد را ز بردار گرفت. بسکہ دلیر و مردانہ بود  
نامش از خانی بہ ہادی در جہاں رفت. بروز گا رہانہ از ایں شہر یارہ دلاور بہ قہقہ

خمرن ہستی قاجولی بہادر سوخت، و سپرش اگر دچی برلاس سپہ شکاری پنج افزود۔  
 روزے میاں امیر قمر بن و امیر طراغاسے دربارہ او یوس و قشون سخن میرفت،  
 و فرزند فیروزی فرامیر تیمور دلاور باد پر ہر جاں بود۔ پیر را از گفتار باز داشتہ خود بشکلی سخن سرا  
 شد، و دباں ہنجا ز فرغہ چند بہار گفتار زد کہ امیر قمر بن دران شیواییانی و گمر افغانی ہمسر  
 دل بست، و با فرس زبان بر کشاد سخن گوے فرو ہیدہ ادا پس فرغانہ و ہمدراں بزم اولجا تو  
 ترکاں خواہر امیر حسین بنیر خوشنشین را بائین دیں و قانون شرع بوسے سیرد تا خوشی بہ  
 خوشی بفریدی افزید، و آمیزشے چون شیر و شکر در میاں آید۔ امیر جابجوسے پس ازاں  
 پیوستہ با امیر قمر بن در بزم ہمنشیں و ہمدوم و در بزم پیش تاز و پیش آہنگ بودے۔ از  
 نہر ازانایان برلاس و دلاوران چتا کہ آں دست بزد گرتے شگفتی فرو ماندے، دوست  
 مرزا دہ گویاں بران دست دباؤ و آفرس خواندے۔ پس از امیر قمر بن کہ دلاور و شکیں تیمور  
 ناگاہ در شکار گاہش گشت۔ جہاں پیلوان تہمتن توای بہ تنہا دامن بہت والا گرفت، و  
 دستخ زنی و ضم انگلی کارش بالا گرفت۔

ہر چند کہ زشت دنا ستر ایم ہمہ در عمدہ رحمت خدا ایم ہمہ  
 در جلوہ دید چنانکہ ما ایم ہمہ شایستہ رفعت و بویار ایم ہمہ

برادر وزن صاحب قراں ہمایاں امیر حسین بنیر بوسے پیوست، و عد بست کہ ہر چہ از دلکشاں

امیر قمر بن نام کے از آواز سے چتا کہ ۱۲ \* امیر طراغاسے نام پر امیر قمر بن ۱۸ - باغی گزٹ آئینہ آئینہ اسے  
 سخن کی تہید ہے ۱۱

دیرگ و ساز گرد آید بر یکدگر بخش کنیم؛ و با ہم جز مهر، و با قوم جز آزارم، و با خلق جز داد نه و ز بیم  
 بخوبی گرمی این دود گرد دلاورد و دوسیر مردیم گهر تنگامه گرمی پذیرفت، و گزین دستگاہے  
 دسترگ سپاہے فراہم آمد۔ صاحبقران ناز سادگی بلکہ آزادگی دل باز باں یکے داشت۔ و  
 امیر حسین ہموارہ در کمین آں بودے کہ انباز را از سیاں بردارد، و بیکتائی علم دارائی افزاد۔  
 اندویدہ دری بگایشیایے آں نژند اندیشہ نازستی پیشہ۔ پے بردے، و از در زانگی و در زانگی  
 سچکاہ برونیاد و دے۔

ستم بجاں کج اندیش متیوال کردن      خجل ز راستی خویش متیوال کردن  
 روزگارے ورا از تر از رشتہ بمطل اہل۔ بالوک طوائف در کجدار و دیر ز و استیز و آدیز گذشت  
 ہنگام چشم براہ و گوش بر آواز داشتند تا بل اسفندیار نیرو را از کد ام سو چشم زخم سید۔  
 و شیرہ امیر حسین کہ جز بریو و غریو درنگ و نیرنگ کار نمی کرد، و در انبازی و دمسازی نقشہ بازی  
 و شعبہ بازی شیوہ داشت۔ نیرنگ سازی اقبال عدو مال صاحبقران کشور تاں را  
 نازم کہ ہم آں گردہ بے شکوہ را سو سو پاسے بنگ خوردے، و ہم ایں گردہ بے دستبر در ا  
 جا بجا دست از کار رفتے۔ صدرہ اتفاق افتادہ است کہ این اتفاق پیشگان خرد و غمن  
 خون گرفتہ را از نژاد چیتا خاں دست گرفتہ بر تکیہ گا و خانی و مرزبانی نشانہ اند؛ و ز دود  
 بویشمشیر بر سرش ساندہ اند۔ تناسے پلتنان ماسند و نطع از پئے ہم متیابود، و سو اسے  
 سوراں ماناز بالاش و خشت گور از پس یکدگر آوادہ۔

سیر شارہ و روش چرخ نیلگون      دیغا کند ہر آتہ در مذہب یکم

آسان آن نیم که پسندم طریق و رسم  
 ز اختر چه شکوه چون بود خدایم  
 نبود بخیر نمود صفات و شیون حق  
 صلح و نبرد و فتح و شکست و امید و بیم  
 توجیه منو نیست اگر انصاف درستم  
 تشریف خسرو نیست اگر اطمینان در گفتم  
 از حق بود افاضه هستی بهر صفت  
 جز وایه نبود آنچه بر سائل دهر کریم

همچنین بارها اسیر حسین را از در ماندگی و زبونی کا<sup>بخت</sup> سخت افتاده است، و سلطان سلیم آمد<sup>بهرت</sup> آرد<sup>بخت</sup> او را اسباب همتا - بر لایه گری و کس مجنونه بیاری و یادوری دل نماده است. کس با<sup>بخت</sup> کس  
 خانی امیر حسین آشکارا بود. همه می دانستند، و خدیو همه دا<sup>بخت</sup> از همه قرون ترمی دانست. و در<sup>بخت</sup> آن  
 و ضمیر حق پذیر آذریم ناگزیر - می گذشته باشد که مگر این سست مهر خوانی رشت در کار با<sup>بخت</sup> کس  
 نگویده بگذارد، و جهاندار را در گذر نداشتی و جانبا<sup>بخت</sup> را پس به دراز دستی نیازارد. آن نا<sup>بخت</sup> بود  
 رافره از روی کا که بختی و کام مگر نوز، در او دانش و داور دود. در آند دن<sup>بخت</sup> دل آذریم نه<sup>بخت</sup> داشت،  
 و در بر دن<sup>بخت</sup> ز ترکیب، و در گشتن خلق پردا<sup>بخت</sup>.

تو با رسا طلبی عاشق و من آن ندیم  
 کز بخت بخت او با بش آشکار کشد  
 پایان کار لشکریانش از ناخوشی ستوه آمده آن جوان میر خدا گیر را با هر چهار پیش گزفته آفرید<sup>بخت</sup>  
 و بخداوندگار سپردند. دارا<sup>بخت</sup> نبرد آذر با<sup>بخت</sup> را آهنگ عاجز گشتی نبود و غول گرمی پادش<sup>بخت</sup>  
 و یعنی جوش انتقام، نداشت. می خواست بر نا بختی و بی بختی و گنا<sup>بخت</sup> ان نا بختی و بی<sup>بخت</sup>  
 بختیدن. از نهاد اهل بزم خردش بر فاست. خامه شاه محمد مرزبان بدشتان، شیخ محمد

\* خدا را که یک خنجر خدا گرفتار شده باشد.

بیان سلسلہ دوز، و امیر کھنیر و کہ ریش ہائے نو و ناسور ہائے کمن داشتند۔ زخم تیز ترزدند  
و جزا ہائے خونچکاں، خواب قتال و قتال بر آوردند کہ باقصا ص خونائے ریختہ می خواہیم  
نہ انتقام قتل ہائے انجمنہ کہ دالی ولایت اکل را جل تواند کرد۔ ناگزیر بدیں گفتار فرجام گیرد  
بشرع حوالہ رفت۔ کاراگا ہاں و دانش پناہاں خوں ریختن فرمودند، و سادات و  
علما بہ کشتن فرستے دادند۔

بنداری چوں خوں گرفته اینہا شنیدہ باشد در دل اندیشیدہ باشد کہ خود را بگریختن  
از ہنگامہ بد برد۔ و سپس دوز را وی گنامی کہ ہمایہ بستی ست روزگار بسر برد۔ از انجا کہ سلاح  
و سلب نہ داشت سرایمہ از جا رفت، و از خرگاہ بدر آمدہ بجنگ سیلی دشت را و گریز پیش  
گرفت۔ خوں خواہاں بنوں گرمی دروے آوختند، و خوںش را کہ بدویدن گرم شدہ بود  
گرا گرم بر زمیں ریختند۔

توای ندیم کہ مانی ترانہ ردئی خویش	بسزہ کہ سراز طرف جو بار کشد
زیر ہمز گردوں مخور کہ ایں بے ہر	وہد فشار کسے را کہ در کنار کشد
ہو اسے تلج شمی ہر کرا بود در سہ	سرے بدفن شاہان تاجدار کشد

شیر خاں را دل دگر بود و زبان دگر بہ لایہ گری و فصول گسری پیام آشتی دریاں  
داشت۔ تا چنان شد کہ هیچ کس را ستیزہ و راندیشہ نگذاشت۔ انان گل و لالے کہ در او پیویدند  
و روز و شب از ہر دی سنے کے از شتاوری سنیاسودہ بودند، پیادہ آندہ پاسے بود،  
یعنی از شتاوری سنیاسودہ بودند

یہ سوزانہ  
سوزانہ  
سوزانہ  
سوزانہ



و سوار فرسوده اندام، دستور پشت ریش، فریب دوستی از دشمن خردگان (یعنی هایول و  
 لشکرانش که فریب از شیر شاه خورده بودند) دست از غارت و تاراج غنیمت کشیدند، و دوم  
 اسایش غنیمت نمودند. پایا به جاده زده و امن آتشنا شد یعنی پادشاه کشیده بخواب رفتند  
 و دیگر پاچوں صورت دیبا به بستر چویند پذیرفت. سر از بالش بر نمی خیزد تا کلاه و مقعر را چو کند  
 و پیر این حریر بن گران ست تا چلقه و چوین کجا برند. هوا نمناک بود، و ابر شرفشای،  
 تنخ در نیام زنگ بست، و نندیز بر بارگی گراں گشت. سپید و دسے کتیری تاریخ  
 جہاں را نسود گرفته بود. <sup>بہنگام سازان</sup> ہنگام چوے یکسر در غنودگان رختیستند.  
 شگرت سرائی پدید آمد و طرف ہزار ہزار در لشکر افتاد. کلاہ از کپڑا و پارویم ادا ہوا ریش نامتند  
 از رفت خواب جست، و بر اسپان بے زین نشسته، پراگندہ ہر طرف نامتند. گروہے  
 ہر چو بادامد، گویاں سوارہ خود را بدیازند، و ہند دسے چند ساحل جویاں ہشتا دست پیا  
 زدند. تا کہ اماں بزخم دم تیغ و کہ اماں بزخم تیغ باشند. و کہ اماں از طوفان ایں  
 دو آب (یعنی آب تیغ و آب رود) جاں بسلامت بردہ باشند. شہنشاہ بحر و بر (یعنی هایول و)  
 شنگ دشت نورد دریا شگرت (یعنی اسپ) را از فراز ساحل در آب افکند. پاسے از رکاب  
 و عنان از دست و اسب از خیم راں بدر رفت. و شاہ سوارے کہ شاہاں ہنگام سواری  
 بوسہ بر رکابش می زدند۔ غوطہ در آب خورد۔ نظام نام آزادہ از آب کشان لشکر کہ چہاں  
 از خویش اقبال را چشم براہ و گوش بر صدا داشت و مینی بے آنکہ خبر داشتہ باشد منتظر  
 عروج و اقبال خود بود، و با خوشنیتن در ایں اندیشہ کہ از ساحل چوں گذرد بر ساحل داشت

ہوا خواہ نہ ہاں جیتی کہ کوئی گوے دولت بُرد۔ خود را بآب در زد۔ بارے پرانست بآنگاہ  
بیناں تنقاس سخت کوشے بود، و بہر والا ویدر معنی آتشیان فترخ سرور شے بود کہ جہانباں  
را از گرداب بر آورد و بر جہانیاں منت نہاد۔

### از دستبند

اگرچہ مرزا کی نشر میں عموماً عربی الفاظ بہت کم آتے ہیں لیکن کتاب دستبند میں جو  
عذر کے حالات پر مرزا نے لکھی ہے۔ التزام کیا گیا ہے کہ تمام کتاب میں کوئی عربی لفظ نہ  
آنے پائے۔ باوجود اس سخت التزام کے مرزا نے دستبند میں اپنی طرز خاص اور  
شاعرانہ ادا اور بانگین کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چنانچہ غونے کے طور پر دستبند  
کے چند فقرے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں۔

”دیں روزگار۔ کہ ہر مزہ را، ہنجا، و ہر ہم را رقا، و ہر کجا پا ہے بود از سپہدار،  
سخن پیوندی بگذارد و گوے کہ خود روز و روزگار، برگشت۔ اختر شناسان سپہر پامے دینی  
منجاں) برآند کہ در اں روزگار۔ کہ بزم نازیزد و جرد شریار پارس از ترکمان تازیان دہل  
عرب) ہم خود۔ کیواں (زل) و ہرام (میخ) در خرچنگ (برج سطاں) ائمن آراے  
و ہر آزمایے بودند اینک ہاں پای (درج) سیر دم از خرچنگ چنناں ہم پیستن گاہ (جاس)  
قرآن) ہرام و کیواں ست؛ و ایں شورش و پرغاش و جنگ، و خواری و غوغواری، و زنگ  
و نیزنگ، نایہ (ظہور) آنت۔“

دانا میں گفتار کے لڑو؟ آں تا صحت لشکرے دیگر بود از کشورے دیگر، و ایں برگشتن

شکرست از خداوندان لشکر، چنانکه از داستان باستان پارسایان پارس بهمن نامستن  
 (عدم شبست) این دو ستیزه و آفرین هویدائی دارد و آن با لکهن و کیش بود - ایران پهل  
 بفرقه و فرنگ کیش نو یعنی اسلام، فرجام آبادی، و از بند آفرینندگی آتش پرستی آزادی  
 یافت. در این باره گفتار و آئین است - هندیان چه پنداشتند که آتش نامنه شادمان  
 باشند؟ پارسایان نیز از آتش تاقتند، و بسوی خدا راه یافتند - هندیان دامن دادگران  
 (یعنی اهل فرنگ) از دست دادند، و پیکنجه دام همی دوا (دورنگان) افتادند - نمی بینی  
 که از دامن تا دام و از دوا تا دوج مایه دوری است؛ و داد است که آرامش (راحت) جز در  
 آئین اگر نیز ختم داشتن کوری است. زخم تازیانه تازیان از خوبی آن کیش فرخ (اسلام)  
 مرعیه داشت؛ روزگار در نور و آس خستگی (یعنی غدر) خستگی اگر میداشت، بارانده از دوش  
 و لباس نرنگ (پیشانی و تپاه) بر میداشت. اگر در اندیشه راز و نامان به مردانش و داد -  
 از پس پیش آمد (سوی ویدی) هست بمن نشان دهند، و بر دل اندوه گین میناک  
 سپاس نمند. جهانیان با جهاناناس ستیزند، و لشکریان خون شکر آریاں ریزند؛ و آنگاه  
 شادی و درزند، و بر خوشی نشینند - با آنکه اسی داندگان فرزند و دکت آلی شتابان  
 زیان و سودا این هنگامه به آتش ختم خداوند گرم است؛ ورنه کارزار پارس انجمن امید سوز  
 و آرزو گداز نبود.

«چاشنگاه و دوشنبه شازدهم ماه روزه و یازدهم سئ سال یک هزار و شصت و پنجاه و  
 هفت تا گرفت در دود و دیر با بچه و بار و سیه دلی بجهید و آن جنبش زمیں را فرا گرفت سخن

کینست خوش  
 با بیاں  
 دلی

در زمیں آرزو ز لرز لرزے رود؛ در اں روز جہاں سوز بخت برگشتہ و سرگشتہ چند از سپاہ  
 کینہ خواہ میرٹ بشہر درآمدند؛ ہمہ بے آزارم و شور انگیز، و بخت او نہ گشتی تشنہ خون اگر نیز دیدہ بان  
 دروازہ ہائے شہر کہ پڑوں (علاوہ) از ہکو ہری و ہم پیشگی تشگفت (عجب نیست) کہ ہم پیش  
 ہم سو گند نیز باشند ہم پاس نک و ہم پاس شہر گذاشتند، و مہمانان ناخواندہ یا خواندہ را گراہی  
 داشتند۔ اُن سواران سرگراں بک چلو (سبک خاں) و پیادگان تہ خواستہ تیز و چوں  
 در ہا باز دور بان را میہماں نواز یافتند دیوانہ وار ہر شہرستانقتند، و ہر کرا از فرماندہاں، و  
 ہر کجا آراشگاہ اُن جہاں، یافتند تا از گشتند و پاک نہ سوختند۔ روے ازال سوی تہ یافتند  
 شستہ گدایان گوشہ گیر، از بخشش اگر نیزی توشہ گیر نہاں باقرہ و دودع می خوردند، و دشم  
 دور از یکدگر پراگندہ جای باروزگار بسرے بر تہ (یعنی رعایاے شہر ہمہ تہیر از شہر ناگداں)  
 و از غوغاے دزد و تیر و شب ہراسندگاں، نہ پلاکے در دست، و نہ خدنگے در شست؛  
 اگر راست پڑسی این مردم بہر آبادی کوے و بزن اند، نہ براسے آگہ بہ آہنگ پیکار  
 دامن بہ کر زنتہ؛ با اینہ ازال رُو کہ راہ آب تیز زو بہ خاشاک نتواں بست، دست از  
 چارہ کوتاہ دیدہ ہر کیے در سراسے خویش با تم نشست۔ یکے ازال ماتم زدگاں منم کہ در  
 خانہ خویش بودم؛ چوں غریب و غوغا شنودم تا از پردوش دم زدم، در اں مایہ درنگ کہ قرہ  
 بر ہم زدم، آوازہ بنوں غلطیدن صاحب اجٹ بہادر و قلعہ دار در آنگ (قلعہ) و دودین  
 سواران و پیادے رسیدن پیادگاں در راستہ بازار اندہر گوشہ و کنار، بلند گشت۔ ہیج مشت  
 خاکے ناخاکہ از خون گل انداماں از غوغاں زار نشد، و ہم گنج باغے نبود کہ از بے برگی مانا بخت

نوبہار نشہ۔ ہاے اہل جہاندارانِ داد آموز دانش اندوز نکو خوئے نکونام، واہ ازاں  
خاتونانِ پری چہرہ نازکِ ندام، باخنی چوں ماہِ دستے چوں سیمِ خام، و درین آں کو دکانِ  
جہاں نادیدہ۔ کہ در شگفتہ روی بر لالہ و گل می خندیدند، و در خوشخامی بر یکب و تندر و آہو  
سے گرقتند کہ ہمہ یک بار بگردابِ خوں فرورفتند۔ اگر مرگ بر بالینِ ایں کشتگان بمویہ (بگریہ)  
خروشد، و دریں سوگ سیاہ پوشند، و راست، و اگر سپر خاک گردد و فروریزد، و دریں سرکایہ  
چوں گرد از جا برخیزد بجاست۔

اے نوبہار چوں تن بسیل بخون بخلط      اے روزگار چوں شبیے باو تار شو  
اے آفتاب رو سے بیلی کبود کن      اے ماہ تاب داغ دل روزگار شو  
بارے چوں آں روز تیرہ بنام رسید، و گیتی تاریکتر گردید، سید درونانِ خیرہ کُش  
(بخیرگی کُشدہ) ہم در شہر جا بجا رخت تن آسانی انداختند، و ہم در آنگ باغِ خسروی را آخر  
اسپاں و نشین شاہی را خواجگاہ خویش ساختند۔ رفتہ رفتہ از شہر بے دور دست آگهی  
رسید کہ شوریدگان ہر سپاہ، و ہر فردو آمدن گاہ، (مترل) خونِ سپہداں ریختہ اند۔  
گرداگردہ مردم را از سپاہی دکتا در زدل کیے گشت، و ہمہ بے آنکہ با ہم سخن بود۔ و در نزدیک  
یکدست بر یک کار کمر بستند، و انکاخہ چہاں پُر زرد کمرے و چگونہ استوار ستہنی کہ جز بہ جنبش  
بجوشِ خوںے کہ از کمر گذر دکتا نہ پذیرد۔ پنداری ایں لشکر بے بے مرز و جنگجویانِ بشمار  
را جا روب دار کمر بند کیے ست۔ اُسے رفت و روب ہند بوم بہاں ساں کہ آراش و  
آسایش اگر جویند۔ با نذاذہ پر کاہے گاہے نیابند مجہیں جا روب گیتی آشوب ہی خواست۔

ایک ہزار شکر نگری ہم بے شکر آراے آرہے، و بسا پاہ بنی کیسرو بے سپہدار  
 یخنگ برخاستہ توپ و گلولہ و ساچمہ (چھڑا) و بارود ہمہ ازخانہ انگریز آدرودہ، و با گنجینہ دار ہا  
 روئے بتیز آورودہ، آئین نبرد و ورزش پیکار ہمہ از انگریز آموختہ، و سغ کیمن آموگاراں  
 افزوختہ، دل ست سنگ و آہن نیست چرا سوز و چشم ست رخنہ و دردن نیست چوں نگرید؟  
 آسے ہم باغ مرگ فرماندہاں باید سخت، و ہم بر دیرانی ہندوستان باید گریست، شہر ہاے  
 بے شہر یاہ پناز بندہ ہاے بے خداوند، چنانکہ باغ ہاے بے باغبان پرازد و رختان نابرومند  
 رہزن از گریہ و آزار و بازارگاں از تنہا، خانہ ہا ویرانہ و کلبہ ہا (دوکاٹنا) خوان نیما۔

### از دیباچہ ثانی درفش کاویانی

غالب خاکسار ہرزہ کار را اناساں بزمیں فرستادند؛ و فرماں دادند کہ دیں بیشیشیہ کشادری  
 (کاشتکاری) درندہ، و ایس فرماں (دفرماں) را با دماں (توقت) نہ پسندد؛ اگر یرمی باست  
 (مزدورتھا) کہ بستان و زمیں خستن، گا و ماندن و داندہ افشانن، ناداں (کشادندی) نکرد بلکہ،  
 بسوس در زمیں غل جاں کند، و اناں گہرا کہ با خویش آورودہ بود نیمہ وراں زمیں ہراگندہ  
 ہمانا (گویا) از ہر داندہ کہ کاشت ہزار داندہ چشم داشت، از مردارید کہ در خاک نماں کشتہ شنیدہ  
 کہ ریشہ سر ز ندہ کاش جو کاشتے تا سود برداشتے، دانست کہ ہمدرا خاک خورد؛ (یعنی تلف  
 شد تا چار) نیمہ دیگر را پیش شاہان روزگار بردہ دیدند و پسندیدند و خریدند شبے با یکے از  
 مازداناں خریدمش (خریدش) رفت کہ در ہمدرا فیماں مغل نیست؛ ابر بر باغ و ران و سمن و بون  
 یکساں بارود؛ چراست؛ کہ مردم چندے ناوار و اندے (چندے) تو نگزند، گفت راست گفتی؛

تو قیاس سر نوشت با کیست : (یعنی کیسا نیست) جدائش اس (ما با الا قیاس اگر بہت خراب  
 نیست کہ کار و بار گرہ ہے از ہر یک بر یک ورق ، و سوز و ساز جو کہ (گر دہے) از ہر کس یک  
 صفحہ نوشتہ اند۔ آناں ورق از دفتر با خوش آوردند و برات روزی از ہر در کہ مقدر بود برزند  
 ایناں۔ از اں رو کہ انفکاک صفحہ از ورق صورت نہ بست۔ تمید است آمدند و تہی کیسہ بستند  
 گفتیم از مصیبت کہ در چار سوے دہر ع

بخت صلہ مدح و قبول عزلم نیست

گفت آں از نیست کہ برات (دجہی یا چک) نیاوردہ دایں از انست کہ سخنماے بلنداری  
 و نہ باشا ساز باں (یعنی اجنبی زباں) حرف می زنی گفتیم چہ کہ تم تا از اندوہ باز رہم ؟ گفت شکیب  
 کوزو ، و غول گری ؛ و آنچه از شیخ علی حزیں شنیدہ می گوے  
 کس زبان مرا نمے فسد بہ عزیزاں چہ القاس کسم

نشاں دادن اغلاط بران قاطع پاس می خواست نہ تنیز ؛ و در نظر و مہند کس نماندہ باشد کہ مرا  
 بیس نیکی بر خواندہ باشد کیے خنجر آورد کہ سن قاطع قاطع برانم ؛ و اگرے اظہر آورد کہ من مخرقانم  
 کیست تا از من بدایں جو از مرداں گوید کہ از دریدن و سوختن کاغذ جز تقان و دغاں چہ خیر ؟  
 بڑہ مند (گناہگار) شرم ؛ اگر دہ آتش فگندہ در تیغ دو نیم زند بہر دو گزند در خور شرم یعنی لایق  
 ہستم ، و بہر دو سزا سزاوار + + + + +

سخنہ ان راستی جوے را بایستہ آں کہ از ہر کتاب فرہنگ عبارت جامع آں را بران گاہ تفر

چون کتابیں قاطع بران کے جواب میں لکھی گئی ہیں انہیں سے ایک کا نام قاطع قاطع اور ایک کا تحقیق قاطع رکھا گیا تھا ۱۱

بگرہ دکازن س تیزی در جو ہر حفظ فردو زود تا چگونگی پیوند انفاط کہ انگیزش کا وہ منی ست آشکار  
 شود۔ ہنگامہ آں را بہنجا رابل زبان نہ میند۔ دانکہ در سو داسے زبان دانی جزیاں نہ میند۔  
 وگراں داند و کارا ناں؛ مرا نیز خودے در و اسے دادہ اند۔ فراز آوردہ پیش آوردہ اند  
 بیگانگان را چوں پذیریم؛ و از نیروے خرد خدا داد کار چہ انگیریم؛ ہستی بخش را پاس کہ نہ دوزخ  
 دانش من دانشمند کسے ست کہ اگر چنانکہ راز داں بود۔ راز گوے نیز بودے ششیں ساں  
 بشمار آدے۔

نغمہ کبکس چوں کبکس مے نام	ز غویشاں بہ بیگانگی شاد نام
چہار سہر افراز در بوستانم	غویم دے روشناس غویشاں
گرفتم کہ از نسل سلجوقیانم	گرفتم کہ از ختم افریسیانم
رہ در سہم کشور کشائی نہ انم	دل دوست تیغ آزمائی نہ انم
بھغار پسو زبان۔ پسو نام	بیدان منی حسد راوند ز ختم
منہر گر زویند صاحب ترانم	دو سی سال توقع منی نوشتم

قاطع ہراں۔ کہ صنت تشنید خیال من ست، زمانہ اعمال من ست کہ در اں جہاں  
 بن خواہند سپرد۔ ہر میں جہاں خواہانند۔ در دل فردو آمد کہ بقاے چند کلاے چند بقا  
 وایں مجموعہ را کہ قاطع ہراں نام نہادہ ام۔ سپس درفش کاویانی خطاب دہم۔

۱۔ مراد اں مراد امیر امت و میر ناست ۱۲۔ سلیمان امیر حسن مستند بادشاہی بیات تحصیل مکت صیانت برداشت  
 از افلاک و تے غیر و ملائکہ تے ہند اند وایں ہر چہ ادا ساں اول و دوم و سہم و چہارم نامیدہ اند من امیر حسن مستند و بر دیز ساں نیم ملکہ آمد کہ  
 دسایہ را از دست از غرہ مناجاتی مدی ترجمہ کردہ ۱۳۔



لازم بجزام کلک طرز ترش  
 نامست ز تیزی بدیم تیج و شش  
 چوں اسم کتاب قاطع بران بود  
 گردید درفش کاویانی غلشش  
 ماشاک دجیح محل از عقیدہ خویش رجوع کرده باشم  
 سرودن سخماے ریزہ (متفرقہ)  
 جزا فرودن ہوش انگیزہ (سبب و باعث) ندارد دیاراں جفا کند  
 و من بہ ازاے جفا  
 (بعض ہر جفا) و فادوزم ہمانا کوفی و ہی یاراں خواہم و بس  
 بند نہنند پند ہم داورین  
 دارند اندر زورین دازم سنگ ز تند، ثمر بارم

### از قہر بیات و دیباچہ ہاے

مرزا نے جو تقریظیں اور دیباچے اپنی اور اپنے دوستوں کی کتابوں پر شریں لکھے ہیں  
 ان میں جیسا کہ اوپر بیاں کیا گیا شاعری کا عنصر نظم سے مراد تجال تریا یا جاتا ہے۔ وہ ہر ایک  
 معمولی بات کو پیش اور استعارے کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں، فقرہ اور آئنے اجڑا  
 عموماً ایک خاص قسم کا وزن اور قول اور اکثر صبح کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں، اکثر جملہ صفات  
 متوالیہ و متتابعہ ایراد کرتے ہیں اور صفات مرکبہ جو نظم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اکثر  
 استعمال کرتے ہیں۔ پس سوائے کہ یہ شریں شعر کے اوزان مخصوص سے جملہ اسکی ماہیت  
 میں کچھ دخل نہیں۔ مگر اہیں، ہر ایک اعتبار سے اُن پر شعر کی پوری پوری تعریف ملتی آتی ہے  
 چونکہ یہ شریں مرزا نے خاص کر اپنے عالی دلیغ اور کتبہ پنج معاصرین کی ضیافت طبع  
 کے لئے لکھی ہیں اور ان میں اپنی نوائیں طرازی اور نادرہ سنجی کا۔ جیسا کہ چاہے۔ حق

ادا کیا ہے اس لئے جب تک کہ ان کے ایک ایک فقرے کی شرح نہ کی جائے عام ناظرین ان سے کچھ لطف نہیں اٹھا سکتے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ کتاب کا حجم زیادہ بڑھ جائیگا جسکی وجہ سے کتاب کا مطالعہ ناظرین پر شاق گذرے گا لہذا ان نثریوں میں سے صرف اس قدر انتخاب کیا جائیگا جس سے مراد کی ان جزیل اور گرانمایہ نثریوں کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ اس غرض کے لئے ہم اول بطور مثال کے مختلف مقامات سے مختلف مضامین کے کچھ فقرے لکھ کر دکھاتے ہیں کہ مرزا کس طرح معمولی باتوں کو تشیل اور استعارے کا لباس پہنا کر بلند مقرر پر جلوہ گر کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب بیخ آہنگ کا دوسرا آہنگ۔ جو مرزا نے اپنے نسبی بھائی علی بخش خاں کی خاطر سے لکھا ہے اور جس میں اپنی طبیعت کے آفتاب کے خلاف دربان فارسی کے متعلق کچھ ابتدائی قواعد اور ہدایتیں قلمبند کی ہیں۔ اس کے اول میں ایک تنہید لکھی ہے جس میں طرح طرح سے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس پیکے سیٹھے مضمون پر کچھ لکھنا میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔

وہاں ایک جگہ مضمون مذکور کی نسبت لکھتے ہیں ”زینے شور کہ چون ذوق سے در طبیعت زاہد بیخ گلشن را اور انجاریشہ در خاک نہ دود. و خاکے نا استوار کہ ہر دیوار کہ در ان ریگستاں بر کشند پیش از سایہ خود بخاک افتد“

فارسی دیوان کے دیباچے میں ایک جگہ اس مطلب کو کہ دیوان مذکور اور اس کے نوادر اظہار میں آورد اور تصنیع یا کسی استاد کی بلا واسطہ تعلیم اور ہدایت کو مطلقاً غفلت نہیں اس طرح ادا کرتے ہیں ”بنامیز دینی چشم بدور تختیں نقابے ست از دے شاہر

ہر مہفت کردہ یعنی پنجیش نسیم برافقادیہ یعنی تنگ کشاکش دست ناکشیدہ۔ بارہ پچیس چہرہ  
 از گرمی چراغان نیم سوختہ پہلو رخ با فروختن دادہ یعنی داغ منت خست ناویدہ۔  
 ایک جگہ اس مطلب کو کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جیسا داغ منی خیزد یا تھا دیسا ہی منی کی  
 قدر و قیمت پہچانے اور اسکے بیان کرنے کا ملکہ بھی عنایت کیا۔ اس طرح بیان کرتے ہیں  
 ”معن آفریں خداے گیتی آراے راستایم کہ تانا تخانہ ضمیرم را از فردا تانی زگار رنگ منی  
 یعلل و گہر زبانت، بازویم را از زوی مر جاں سخی و خامام را ہنگامہ گہر زبانی از زانی خست۔  
 اب ہم کچھ کچھ عبارتیں دیباچوں اور تقریظوں سے انتخاب کر کے یہاں ناظرین تکمیل کرتے ہیں  
 دیوان فارسی کے دیباچے میں ایک جگہ اس مطلب کو کہ لوگ مجھے اکتسابی علوم سے  
 بے بہرہ سمجھ کر میرے حسن بیان پر تعجب اور میرے کمال سے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح بیان  
 کرتے ہیں ”لاے تم میخانہ سردی نسبت ناچشیدگاں۔ سگالند کہ بچہ انے را ایں مایہ میرانی  
 نطق از کجاست؛ فافل کہ نم زخمیک فیض ست کہ سہرہ ادمیدن، و نہال را سر کشیدن،  
 و میوہ را رسیدن، و لب را ز فرہ آفریدن آموخت۔ و بہر تو متاب از لی ہدایت تبلیغ کردگاں  
 از نشید کہ تیرہ سرانجامے را این ہمہ روشنائی گفتار چراست؛ بے خبر کہ فرہ تابش یک نور ست  
 کہ شمع را بہ شعلہ، و قدح را بہ ابادہ، و گل را بہ رنگ، و دروں را بہ من برافروخت۔ +++  
 و اعظم از کوتہ نظراں تنگ چشم کہ دمیدن تازہ گل از گیادہ، و درخشیدن برق بشہائے سیادہ  
 شگفت نداشتند؛ و خیدین ز بانہائے گویا بہ من ہائے نغز و شخارہ انکار نہ فرمودہ شکیں نفس ست،  
 و باد غالبہ سائے، و گل کشادہ روئے، و دلیل نواسج؛ و باں چہ گنہ کردہ است کہ سخن ہرے

دیوان  
 فارسی

جانشند، مہر جلوہ بر تابید، و ذرہ بیتیابی، و بحر روانی، و قطرہ آتلم، دل را کہ گفته است کہ از شورش  
ستودہ آید، ہمانا برانست، ایں گروہ بادہ در فحمانہ تنوفیق ہماں قدر بود کہ حرفیاب گذشتہ را ترو مانع  
ساختہ، حالیا بساط بزم سخن بر چیدہ، و جام و سبور بر سر ہم شکستہ، و ازاں قَلْزَم قَلْزَم را وق نئے  
بر جاے نماندہ، پندارند، کاش با یغمنے۔ کہ سن در فردوس رُودہ (یعنی صفت پائیں) بہ حلقہ  
ادب باش قدح می گیرم۔ فرار سند تا وار سند کہے فرادانست، و ساتی بے دریغ بخش، چایہ با  
جرعہ زیرست، و لبھا العطش گوسے۔ وَبَشَدَ وَرَمَنْ قَالَ۔

ہونواں ابر رحمت در نشانست      نئے در فحمانہ با مہر نشانست

ازے صبا کے سخن بہ رودگار میں از گنگلی تند و پُر زورست، و شب اندیشہ را بہ قرد میدان  
سپیدہ سحری براتِ فرادانی نوزست۔ ہر آئندہ رنگاں سرخوش غنودہ اندام میں خراہیستم،  
پیشینیاں چراغاں بودہ اند، و من آقا ہستم۔

اسکے بعد ایک جگہ اپنے تمام مخروصا ہات پر افسوس کر کے اس طرح لکھتے ہیں "انصاف  
بالاے طاعت ست۔ در ہوائے کہ بال بالا خوانی (یعنی خود ستائی) زدہ ام، و در آواز  
کہ خود را بہ شگونی ستودہ ام، نیمہ ازاں شاہ بازی ست، یعنی ہوا پرستی۔ و نیمہ دیگر تو اگر ستائی  
یعنی باد خوانی، پیدا میں کہ ہر جا نشانہ فحے از زلف مرغوا میراں کشودہ شود۔ بلا دریں آواز  
تا دل یہ پچا کہ آن شکن بندے۔ و خواری نگر کہ ہر گاہ از خود غافل و از خدا فارغے برازد نگ  
سروری کی نشیند۔ ہوس مرا بر انگیزد، تا بہ پیشیش بندہ وارست آئندے۔ شادم از آنادی کہ بسا  
سخن بہ خارجش باز آں گزاردتم، و دواغم از آزمندی کہ در تے چند کبر و دیر دنیا طلباں در مرج

اہل جاہ سیاہ کر دسٹم۔ دینا کہ عمر سب سیرتے بہ چاہد و چنگ سر آمد؛ و پاہ برد فرغ و در برف رفت۔  
فرجام گر ان خوابی بہ نخواست؛ و آشوب ہوشاکی فرو نہ نشست۔

افغانی دیوان فارسی  
نامہ دیوان فارسی میں اس بات کا عذر کہ دیوان کی تکمیل میں کیوں اس قدر میر  
لگی کہ اتالیق برس کی عمر میں اسکے چھپوانے کی نوبت پہنچی۔ اس طرح کرتے ہیں کہ فکر  
سنایت خود سر اور بلند پروازی اسکی روک تمام میں بہت سا زمانہ گزر گیا۔ اور اس مطلب کو  
اپنے طرز خاص میں یوں ادا کرتے ہیں۔

”ہاں وہاں رختے بہاں تو سنی کہ عنایت سے و شامش بوسے بہ تلتے، و از  
شمسوی دسکشی گام بہ رازی تنادہ جز بہ پناہ نہ تانتے۔ از ترسندہ دلی عنایت کشیدہ،  
و بہ لایہ آواز بوسہ اش آرمیدہ داشتے۔ چون پاہ از راہ ہیں گونہ کہ بہ شرم دم بہریدہ شد،  
و در زبند گشت؛ ہم جوش تندہی تو سن فرو نشست، و ہم دست و پاے سوار از غناں و رکاب  
خستگی پذیر آمد۔ تاب بہر نیمروز، مغرور سر سوار گداخت، و فتگی ریگ بیاباں نعل در پاے  
حق و رزم کرد۔ رایش را دم و کتہ را قدم گداز آمد، ہم آپ بہ آخر گرایند، و ہم اس را بہ بستر  
نیا ز آمد۔ توانائی بہ چاہہ سگالی تو سنی سر آمد؛ و در ہنگام گستہ دمی خستگی روے آورد۔ +  
++++ کیت تا ازین پرسد؛ و اگر ناپرسیدہ گویم و دلش فرو آید، کہ ویرسی سی سال

بہت را با فطرت چہ آویش تا دینی جنگ؛ و پس از انکہ کار بہاں جا رسیدہ  
کہ بہر گراں تو فکل فروماند۔ بیابانی گری تو رفیق کیدام قرار داشتی اتحاق افتادہ، خانہ دیریش  
بود، و شوق زود گراے؛ (جلد ہفتم) گستاخ از نیب دور باش اندیشہ بہر از نامے خاصہ

دل و زباں خوش شد؛ و اگر ناگہ اندول بزباں رسید۔ و الا یہی ہمت اُن را بخاتمہ سپرد و چہ  
 نفس (طبیعت) کہ یزدانی سر و شست در سر آغاز نیز گزیدہ گوے و پسندیدہ جوے بود۔  
 اما پیشتر از فراخ روی (یعنی بسبب آزادہ روی) پے جاوہ نشناساں برداشتے؛ و کثرتی  
 ز قمار آناں را تعزیش مستانہ گناشتے تا ہمدراں نگاہ پوش خراماں را بختگی از پیش قدمی  
 دہی یاقوت ہمراہی خویش کہ درین یافتند۔ مہر بختید، و دل از آرزوم (مروت) بہ درو  
 آمد۔ اندوہ آوارگیہاے سن خوردند، و آموزگار از دین نگرستند شیخ علی خریں بختہ  
 زیر لبی بیرامہ رویہاے مراد نظر مغلطہ گراخت؛ و زہر گاہ طالب آملی و برق چشم  
 عرفی شیرازی مادہ اُن ہرزہ جنبش اسے ناروا در پاسہ پیاسے من بسوخت۔ ظہوری  
 بسرگری گیرائی نفس (تا تیر کلام) حرزے بازو و توشہ بکربست؛ و نظیری لا ابالی خرام  
 بہنجاہ غاصہ خودم بچالش (ز قمار) آورد۔

دیوان تفتہ کے دیباچے کی تمہید میں ضعف و انحطاط قومی اور اپنے قلب مابیت کہ  
 اسطرح بیان کرتے ہیں۔ "ہاں اسے غالب تیرہ روزہ درم اختر کہ بدیں ہستی و کسائی شخصیت  
 کہ تراست۔ ہاں مانی کہ دانی در عالم فرض محال پسندے دیدہ ایم بر آتش آرمیدہ۔ اللہ اللہ  
 چہ مایہ جوش سوداست (یعنی غلبہ مادہ سودا) کہ ہر نفسے کہ مے کشی۔ چوں خطے کہ از نقطہ بر آوزند  
 ہر گز سوداست۔ اہل قلم و اندیشہ۔ کہ از روانی خامہ و روانی گفتار آب و ہوا داشت، و کسے  
 نفس را فرو روی پڑستار بود، و چاشتگش را نسیم سحری چسکار۔ بدیں ناخوشی و زہندی یہاں  
 چہماست۔ سبزو را چہ امتداد کہ بچمیدن دل از دوست تماشایاں تیرہ، و غنچہ را چہ رودے

داد کہ بہ دیدن پردہ شکیب نظار گیاں نہ درود.

اں اثر پردہ سازت چه شد ز فرمہ خارہ گدازت چه شد  
اں ز جہنم پردہ کشائیت کو دلولہ سلسلہ خائیت کو  
اں نفس نالہ کندت کجاست دواں نگہ جلوہ پسندت کجاست

گفتی (یعنی در جواب گفتہ) کہ سوز غم دود از دل بر آورد، و گداز نفس آذر در زباں زدو.  
بلای کہ ہر آئینہ نگداشت. و باز بانے کہ ہانا سوخت، عذر غم دگی مسوم نیست. بیا ماہیں  
دل بہ زہرہ الخد ز نواسے را سخن نہیم، و ہمیں زبان کنز نعمت ایں المفسر سرے را بقفا را ہم  
یعنی طوعاً و کرہاً تقریظ دیوان تفتہ بزرگواریم)

زمن جوے در بند کنوز بستن جگر خوردن و تازہ روز بستن  
سخن چیدن و دورہ انداختن دل افشردن و درجہ انداختن

(مراد از سخن چیدن و دورہ انداختن آنکہ بر ہنگناں اظہار خوشحالی می کنم و اندوہ درونی را  
کہ دل افشردن عبارت از اں است و در چاہ می اندازم تا بجز بیکس ظاہر نشود)

رواں کردن از چشم ہمارہ خوں بہ شور آبشستن ز رخسارہ خواہ  
تسکین زدائے کہ بردل بود تسکین شرابے کہ در دل بود

ستایش سخن چشم بدود ز خمد سخن را شرابے ست چہ زور کہ زیں ازاں بہ لائے  
(یعنی بدوے) و سپہ ازاں بیوے آنچنان برقص آید کہ اگر کعبہ را حجر الاسود از دیوار شستہ  
را عامہ از فرق فرو وافتہ شکفت نماید.

از تفتہ شکفت  
نماید

## انتخاب از مکاتبات

مرزا کی نشر فارسی کا سب سے بڑا حصہ انکے مکاتبات و مراسلات ہیں جن میں سے اکثر بہت صاف اور سلیس ہیں اسی لئے ہم اس حصے میں سے بہ نسبت اور نثر کے کسی قدر زیادہ انتخاب کرینگے اور جہاں تک ہو سکیگا مشکل فقروں اور دقیق عبارتوں کے نقل کرنے سے احتراز کیا جائیگا۔ اور نیز جو امور مرزا کے خاندانی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں انکو بھی چھوڑ دیا جائیگا۔

مرزا علی بخش خاں فیروز پور جبر کے میں ہیں؛ نواب احمد بخش خاں کا انتقال ہو گیا ہے اور انکی جگہ شمس الدین خاں سند نشین ہوئے ہیں۔ مرزا نے علی بخش خاں کو کلکتے پہنچکر خط لکھا ہے اسیں لکھتے ہیں۔

”میر فضل مولے خاں نام یارے دہتم؛ اور انا گرفت زاکاہ در عرض راہ بہر مشاء بادیدم در نور و گفتگو ہائے و پرس و جو ہائے کہ رفت۔ از جامہ گذشتن دینی از مرقون نخرالدولہ بہادر بمن خبر داد؛ و باز یہ کلکتہ مرزا افضل بیگ و دیگران بر گشتند۔ آو خ؛ کہ چراغ روشن این دیوں مرد و شبستان آرزو ہاتیر و تار شد۔ از جانب شما اندیشناکم؛ و دائم کہ انچہ شمارا پیش آید و لحواہ نباشد۔ اکساں را روز بازار خواہ بود؛ و فردا گھاں را گرمی ہنگامہ زد و اگر انجن از ہم پاشند؛ و پراگندہ ہنجد گرد آید۔ دولت روے گرداند؛ و اسودگی برخیزد۔ زمینار ہوشمندی را کار باید است؛ و ہوا و بخار و نگران باید بود۔“

ایک اور خط کو جو علی بخش خاں کے نام لکھا ہے اسطرح شروع کرتے ہیں ”و جان بہادر



سخن را از فراوانی برو سے ہم افتادن ست ؛ و گرہ در گرہ گردیدن . من آن می خواهم کہ اندک گویم ، و سود بسیار دہد ، و شنونده آن راز و دویا بد . و این بسیج ( قصد ) روانی پذیریت مگر آنکہ گویندہ در آن کوشد کہ نشستن از گفتن آن مایہ موثر تر زود کہ سیر این ہر دو رشتہ با ہمدگر نتوان یافت ؛ و نقش یکے در آیندہ دیگرے نتوان یافت . زمانے گوش بہن دارید و فراسید کہ چہ می گویم ، و این گفتن چہ می خواہم ، و شمارا در برابر آن چہ می باید کرد ، و اندازہ آن با ست تا کجا ست ، اسکے بعد کچھ خانگی معاملات تحریر کتے ہیں .

میراعظم علی اکبر آبادی مدرس مدرسہ اکبر آباد جو میرزا کے ہومن میں اور انھوں نے بیس برس کے بعد مرزا کو خط لکھا ہے اور خط نہ پہنچنے کی شکایت کی ہے اُنکے خط کا جوڑا اس طرح لکھتے ہیں .

امروز شہرہ بداعسم زدہ اند      نشتر ہر گ مبر و فر اعسم زدہ اند  
از کثرت شور عطشہ مغرم ریش ست      تا عطر چہ فتنہ برداعسم زدہ اند  
جنبش خامہ عیسوی ہنگامہ مطاع مکرّم مخدوم اعظم را نام کہ با حیا سے ہوسلی سے فروہ  
ساحت خاطر راعومہ محشر ساخت ، و بازار رستخیز گرم کرد . خار خار دیریں آرزو با سراز  
دل بدر آورد ؛ و یاد آمد کہ مرا ہم در گیتی وطنے ، و از مہربانیاں انجمنے بودہ است . چوں نشتر پرش  
بمغز اندیشہ فرو بردہ اند ؛ یعنی احوال پر سیدہ اند ؛ و چونکائی نواہا تاشا کردنی ست . و رازی  
زمان فراق کہ گمان مخدوم شاترہ سال ست و بدہست نامہ بگلہ کم اوبست سالت  
ستیز کرنگے بودہ است کہ نقش آسایش از صفحہ خاطر ہاں سترہ اند . آغاز و رد و دہلی .

کہ فرد باد غفلتے بہ قدح و شتم (یعنی بقیہ ہوا و ہوس و سر بود) کھنے از عمر بہ پیون جادہ کا دیرانی  
 ہوس گذشت، و بے راہہ خرامیدہ شد تا سر از مستی بگردید (یعنی بدستی سے سر بچ گیا) و  
 اندراں بخودی پائے مصطبہ پایہ گوے فرو رفت (گڑھے میں اتر گیا یعنی ایک ایسا صدمہ  
 پہنچا کہ نشے ہرن ہو گئے) لاجرم در ہم شکستہ سراپاے او گردانہ وہ سرور دے ابر خاستم۔  
 ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرف، و غوغاے دام خواہاں یک سو؛ آشوبے پدید آمد کہ نفس  
 را وہ لب، و نگاہ روزنہ چشم، فراموش کرد؛ گیتی بیس روشنی روشنایاں در نظر تیرہ و تار شد۔  
 بابے از بخت دوختہ، و چہنے از خویش فرو بست۔ جہاں جہاں شکستگی و عالم عالم خستگی، با خود  
 گرفت۔ و از میدان روزگار مالال، و سینہ بروم تیغ مالال، بگلستہ رسیدم۔ فرماندہاں سرزہنگی  
 کو کوچک دلی (یعنی مہربانی و شفقت) کردند، و دل را نیز بچشیدند۔ آں ہمہ بخشایش۔ کشادہ  
 رفت۔ امید کشایش آورد؛ و ذوق آوردگی و ہواے بیاباں مرگی۔ کہ مرا از دہلی برد آورده  
 بود۔ بدل نہ ماند۔ و ہوس آشکدہ ہاے یزد و یمنانہاے شیراز۔ کہ دل را بسوسے خود کشید  
 و مرا بہ پارس می خواند۔ از منیرہ بہ نیست۔ (یعنی بشادہ شہر گلستہ جلد ہوسہا از خاطر بدر رفت)  
 دو سال در آن بقعہ تجا و بودم؛ چوں گور ز جہل آہنگ ہند و ستاں کرد پیشاپیش و دیدم،  
 و بہی رسیدم۔ روزگار برگشت، و کار ساختہ شدہ۔ صورت تباہی گرفت۔ اکنون ششیش  
 سال است کہ خانماں بباد دادہ، و دل بر مرگ ناگاہ نہادہ، کچھ نشہ ام؛ و در آمیزش بہ  
 بیگانہ و آشنابستہ۔

"سن اگر نایبہ رخ و اندوہ۔ کیا رہہ ازاں بہ گفتم۔ در نگارش نامہ و سپارش نامہ کاہل قلم

دو کتاہ دم با شتم، و بزرگاں وطن را بیا دنیا رزم، در عالم انصاف بزم منہستم۔ اما اگر انجا کجاں  
 بہاں مہر و وفا کہ از دور افتادگاں نپرسند و از مرگ و حیات دوستاں باز بخونند۔ اگر گفتگو بیاں  
 آید، و سبب شکوہ عنان بر عنان (یعنی بمقابلہ یکدیگر) تاز و گوے دعویٰ چگونه خواہند برد، و  
 قطع نظر از حریت آب و دناں (یعنی حریت مغلوب) کہ نم۔ خداے تو انرا چہ جواب خواہند داد؟  
 "کس از اہل وطن غمخوار من نیست مراد در ہر نپداری وطن نیست"  
 مولوی نور الحسن نامے ایک نوجوان نے گلے سے مرزا کو خط لکھا ہے اور اُسکے  
 ساتھ ایک نشر کا ستودہ اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔ اُسکے جواب میں جو خط مرزا نے  
 لکھا ہے اُس میں لکھتے ہیں۔ "پدید آمد کہ خاطر عاظر را بجانب نتر گراشتے، و ہنگامہ اس  
 گفتار (یعنی نتر نگاری) را در انجا (در کلکتہ) آراشتے بہت۔ بارے ہم دل پر پسندیدہ شعلے  
 نہادہ آید، و ہم اندر یں فن گزیدہ روشے پیش گرفتہ آید۔ دم سردی شمار (یعنی کم شوقی شمار)  
 بہ دانش آموزی۔ انجہ دیر دوز (یعنی دیر ماند گذشتہ) بہ کلکتہ دیدہ ام۔ یاد میکنم، و خوں گرمی شما  
 (یعنی سر گرمی شما) در خرد اندوزی۔ انجہ امروزے گرم خود را بیں شادی کنم، ہانا و دانیشہ  
 نامے بر گزرد ام بیاں زودوی کہ نتر از شاخ اقتدہ نخلے شدہ، و رطب بار آورده، ہانے نے  
 ہنگامہ یوسفی در نظر دارم بیاں خوبی کہ دل از فرشتہ رباید۔ از بند حجاب بدر آمدہ، و ہر ہمت  
 کردہ۔ خواستہ آید کہ مستودہ شہر در ہر راہ بین فرستید، و من آں را گزشتہ، نوشتہ ہر کتہ را گزشتہ  
 بذکر را بیا یتگی آراستہ بشما فرستم۔ صاحب بن! اگر دانستہ آید کہ گفتار چہ بقبار سو گزرد، و سخن جز بہ سخن  
 شناختہ نشود، ہر چند ارادت شما ذریعہ سعادت من و خرسندی شما موجب رضامندی من است لیکن

محترموں درمیاں نہ گنجد، و میاں بجی گری خامہ کار بر نیاید۔ آری نگارش یک دست است و گفتار  
 محنت محنت۔ مستردن یک لفظ از میانہ، و آوردن لفظ دیگر بجای آن بر نشانہ۔ و انما شناسہ  
 کہ چہ بایہ گفتگو چہ قدر پرس و جو دارد۔ و حق این پرسش نتوان گزارد۔ مگر ہنر بانی۔ و دریں  
 تردید کی یکے از برادران۔ کہ در برادران ازوے عزیز ترے نیست۔ سخن ہاے پر گنجدہ مرا کہ  
 عبارت از نشرست۔ گرد آورده، و صورت سفینہ دادہ است۔ نیز پس اُن مجموعہ پریشانی  
 پیش شما سے فرستم، تا دستایہ سگالش در سخن و باز نہانندہ اندازہ کموئی فن تواند بود۔ + + + +  
 نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے۔ جب کہ مرزا سے نیا نیا تعارف ہوا ہے۔ مرزا کو خط  
 لکھا ہے اور اسیں انکی شاعری اور نکتہ سخن کی بہت تعریف کی ہے، اپنے تلامذہ افکار میں  
 سے کچھ انکو بھیجا ہے اور اُن سے تازہ غزلوں کی جو حال میں لکھی ہوں درخواست کی ہے۔  
 مرزا نے اُسکے جواب میں جو ایک طولانی خط لکھا ہے اسیں ایک لمبی تمبید کے بعد لکھتے ہیں۔  
 ”تا دکانم در کشادہ بود، و رنگ رنگ متاع سخن بروے ہم نہادہ، کس از مشتری با حلقہ  
 بر در تردد، و سوداے خریداری از بیج دل سر بر نزد۔ چوں دکان را کالا، و زباں را حرف  
 جگر آلا (یعنی آلودہ بخون جگر) نماند۔ روزگار اگر انما یہ خریدارے (یعنی نواب مصطفیٰ خاں) پرید آورد  
 کہ نقد رائج سخن خود را بہ ہماے گفتارِ ناسرّو من می دہد، و گو ہر اہل پلہ بیجانگی حرف می بندد۔  
 + + + ہاں وہاں اسے خریدار دکان بے رونق! از افرادانی مسترب و ردد مسعود  
 ہایوں نامہ چہ گویم کہ مرا۔ بالاکہ نکوئی خواہ خوشیم۔ بر من بر شک آورد۔ حوصلہ مرا کہ فرسودہ  
 عہدہ دہرم۔ گنجائی اِس مایہ شادی کوہ و اندیشہ مرا۔ کہ دل شکستہ دور باش یا رانم۔

فرجام پذیرائی اس ہمہ قبول کجا! روزگار را از آزار خویش چگونه پشیاں گیرے کہ انجینیس  
سادمی را بخود در پذیرے۔ و دوستاں را کجا قدر ناشناس پذیرے کہ از شما اینقدر ستایش  
در بارہ خویش باوردایے۔ حقاً کہ نہ آسان ست ستودہ شدن بہ زبان شیوایاںاں (یعنی  
قصص) و دشوار تر از آنست اندازہ نمائی با اندازه دانال

”قبلہ مزد چیل سالہ جلگہ کاوی آنست کہ فراہم آوردم، و برفرق فرداں ساسے افشاندم  
(یعنی مجموعہ نظم فاسی) اکنون اہم بدان روانی و آشم بدان گرمی نیست، گوئی پس از سخن آن  
گنج گنجہاں رفته، و از سخن ہرچہ ازل آرد دین بود گفتہ شد۔ + + + + +

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم تے تذکرہ گلشن بے خار کا مسودہ مرزا کے مطالعے کے  
لئے بھیجا ہے اُسکو دیکھ کر مرزا نے نواب صاحب کو یہ خط لکھا ہے ”دین کہ زبانم در تائیش  
بیقرار است و اندیشہ در گائیش (مشورہ) گسار۔ امید کہ دراپ پایہ بزمہ خوشامد گویاں شمرہ  
نشوم، و بدیں پایہ جرأت بزمہ مند نگردم۔ بنامیزد (چشم بد دور) تذکرہ ترتیب یافتہ مجموعہ فراہم  
کہ پیش طاق بلند مای را نقش و نگار است، و نہال نکوسرا بخامی را برگ و بار۔ رہرو نظروں  
بہ بیدارے کنار نا بیدارے ذوق سخن گام تماشا بردار دوشہ بہ ازیں بر کمر تواند بست۔ خضر  
باں ہمہ جلگہ تشکی کہ سبدر داشت لیش بر شومہ ایے تر نتوانست کرد؛ و اں آب از دیا بخشیدن  
بود۔ شاگرد ہے را از دور و نزدیک سخن زندگانی جاوید بخشیدید؛ و ایں لختے از عمر کار و گیاراں  
کردن ست۔ جاو داں زندہ باشید کہ سخن گویاں از شما زندہ جاوید شد نہ۔ و مہنگاں نامہ گوئی  
نام برآمد۔ باجے گزشتن خامہ و گوہر ہر نگشتن نامہ در رویت الفت بہ نگارشی شاہدین شاہرا

حضرت آرزوہ از چہ دوست! ہر چند ذکر خدام پچیس مقام در جریہ ایں فن نہ سزاوارتین  
فضیلت باشد لیکن اگر بقضائے فرعونیت جراتے بکار میرفت گناہے بنود و در تلافی  
آں بہ پوزیش نیارنئے اقادہ

حکیم احسن اللہ خاں مرحوم نے مرزا سے جب کہ وہ کلمتے میں مقیم ہیں خواہش کی ہے  
کہ اگر آپ نے اپنی کچھ نثریں جمع کی ہوں تو بھیج دیجیے اُسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔

”در دمنہ خوانا! نسیم در دو شکلیں رقم نامہ غنچہ راس را زار پارہ کشاے، شمیم ایں فوید را  
غالیہ ساے آمہ کہ روزگار بہ کز لکب تبطل زمان فراق نقش بے اعتباری ہاے سن از  
منور خاطر اجاب نہ نشر دہ ترکنا ز صرصر بیداد جدائی خاکسار ہاے طراذیب غریزاں نہر دہ“  
”در معرض طلب بشر فز ماندہ تر از اں میزبان بے دستگاہم کہ نا گرفت (اچانک) مہمانے

غریزش از راہ دور دور سر، و بیچارہ بباگرد سراپاے سراپہ خوشیئن گرد و تا شرباے دود  
پختے زمان کشینے (یعنی نان عجیب) فراز آرد من و ایمان من کہ گرد آردن نثر را گندہ سپر ختم  
و خود را دیریں کشاکش نینداختہ ام۔ جب پیدا ست کہ فرور بخیمہ ملک این کس (یعنی من)،  
نقشے ست تیر بند (یعنی زشت) یا رنجے ست فرہمند (یعنی خوب) در صورت اول چہ لازم ست  
خود را بیچ فروختن، و وبال نظارہ آیندگاں بہ حکم قرین، و در شق ثانی اندیشہ می سجد کہ  
ز فغاں چہ بردہ اند و گذشتگاں چہ یافتہ کہ مار آند وے آں وایہ (یعنی در یوزہ) بقیاب آرد۔

۱۔ اول سر دیں منی صد مالدین خاں مرحوم تخلص، آرزوہ کا ذکر نہیں کیا گیا تھا اگر مرزا نے جب یہ خط لکھا تو اسکا  
لئے سن کا بھی تذکرہ کر دیا ۱۷

انصاف بالاس طاعت است۔ بدعوی گاہے کہ قرآنائی قتیل را بفر و سیدگی فرنگ  
 دینی، پسندیدگی روش، مسلم داشته، دلواس فورالعین واقف بشیوائی شیوہ دینی بوی  
 طرز، برافراشته باشند۔ باکہ بایگفت کہ نتائج طبع ماکبائی ست، و مارا چہ لذت دیں جگر تالی  
 سطح چند کہ یہ باجلی دیوان رنجہ کسوت حرف و رقم پوشیدہ، و دود و سودے کے باہر شریف  
 موسوم بہ گل رعنا از سواد جوشیدہ است ارغمال می خرم و از شرم تنگ باگی آبیگرم و سلام  
 شیخ امام بخش ناسخ نے اپنا دوسرا دیوان میر موسی جان کے ہاتھ فرما کر بھیجا ہے اسکی  
 رسید اس طرح لکھتے ہیں ” دریں ہنگام۔ کہ فرومانگی از اندازہ گذشتہ دول بافسر و گی خوش  
 گرفتہ است۔ مذاہم چہ نگارم و چہ می نگارم کہ دریں نگارستان نگہ از نازیدہ درنی گنبد، و دریں نگار  
 خانہ از شادی در بنان (سرنگشت) مے رقصہ بخت را بر سائی ستایم و پندارم کہ بطور معنی  
 رسیدہ ام۔ خود را بگرا ناگی آفریں گویم و انکارم کہ موسے را بایہ بیضا دیدہ ام۔ اگر مخدوم مرا  
 بگرفتہ عیار ایں دعوی حیرتے روئے دہ، دایں مایہ بالاخوانی و خود نمائی از من عجب آید۔  
 گویم ہاں انصاف، سخن بہ کنایہ می سرایم نہ بگزان۔ موسی اشارہ بہ سیدی کرمی میر موسی جان  
 و یہ بیضا عبارت از دیوان فروغانی عنوان۔

نہے دیواں کہ مداوش از دودہ چراغ طورست۔ و غلافش از دیباے حلقہ مخور۔ ظہر منی  
 را سفینہ است، و جواہر مضمون را گنجینہ۔ + + + + + سبحان اللہ سخن بہ روشنگار مخدوم سلیمان  
 رسید، و اردو مارونق دیگر پدید آید۔ اینک از رسیدن نامہ من بجا طر ماطر جاسے گرفت، و شکوہ  
 آن بزمان ظلم رفت۔ مرا آبد و اترو، و از زب مراد نظم جلوہ گر ساخت۔ خوش اس کج دل

پیش قدم دہم جاے باشد، وچوں تاہم من نہ رسد، آرزو وارزد گرد و سر اس نوازش گردم، وچیں  
پیش جان براقتانم۔ ++++++

مولانا فضل حق مرحوم کے مکان کے قریب آگ لگنے کی خبر مزا کو بذریعہ خطا موصول  
لالمہیر لال کے معلوم ہوئی ہے اس پر مولانا ممدوح کو اس طرح لکھتے ہیں۔

وہ جملہ و کعبہ! اگر نہ ایسے بودے کہ لالمہیر لال راہو اسے دیدن عقاد رسر، و ناگاہ  
شاہک ہے نشین نہانی من گذر، اقتادے۔ آں درگفتن آتش گردا گرد و الا کا شاد، و خوشن  
خاند و رفت ہمایاں از ہر کرانہ، و نرسیدن ایسے بجلازماں در اس میانہ، انکجا شنودے؛  
و اگر نہ شنودے ہر آئینہ ہم حق دستانہ پیش کش۔ کہ شیوہ غمخواری داند و رہائی ست۔ ناگزاردہ  
ماندے، دہم از دی نیایش کہ لازمہ حق شناسی و پاس گزاری ست بتقدیم نرسیدے۔  
ہاں اسے وفادارمن! بیگا تھاں (چوں لالمہیر لال) کامیاب پیام دنامہ، و آشتایان جگر نشہ  
رشتہ خامہ!!

و اسے برن کہ قریب از تو بمن بناید نامہ و اشہد مہر بخت خواں زردہ  
”ہانا آں سوزندہ آذر سرگرمی شوق از من فراگرفتہ بود کہ بتیا بانہ گرد سر گردید، و اندراں  
آتشک (شدت) زباند و شرارہ و خوشین نگہداشت۔ بیہات من کجا دیں ہمہ دعوی بلند از  
کجا!! خود نہایتاے گمان تاثیر مرد و فاست کہ مرا میں رنگ ہر نہ لاسے و یا نہ سراے  
وارد، و درہ آں را کہ از شعلہ آہ جگر سوخکاں و امن نسوزد، و عجب نیست اگر آتش افزودہ  
پیرا من نسوزد۔ شکوہ شکیش، و پیچارہ (طنز) بہر طرے خداے توانا را شکر گویم کہ بے بی زبنا



از بندگان خویش گرد آید، و تائبے بصر را رادیده و دیده و راں را سترید بست افتد - کرشمه  
 نیر و جبریل و مہجہ آسودگی خلیل را در نظر آمازہ کرد + + + اگر دستے کہ پیش فرستای  
 خواہم کشید، و مرا اندرین محال طلبی برین زبان طعنہ دراز نخواہد شد - ازاں مخدوم بے عتاب  
 پاسخ این نامہ و تفصیل این ہنگامہ درخواستے در سیدے کہ در اں ہنگام کہ آتش زبانہ زد  
 و نگہ بستران تیرگی و دوسے و تابش ہنوسے فرار سید - شتا چہ می کردید؟ و نور چشم مردی و فرزندگی  
 سوئی عبدالحق کجا بود؟ و پس از آنکہ رتخیز در ہمایہ آشکار شد، و ہزار ہزار غمین افتاد و سوسلی  
 درونی پرستاراں و بیابانی برونی ہوا و اراں چہ قیامت آورد؟ و اینمہ آشوب چہ پایہ و کشید؟  
 و فرجام کار - کہ فرود آمدنی دادند - بر کارخانہ دواب و نیمہ و بارہ کماراں (یعنی اسباب ایشان)  
 کہ اینہا را جز باطراف کاشانہ محل نیست، و بیشتر ازینا طعنہ آتش بلکہ افروزیہ بر ایندھن،  
 آتش ست - چہ گذشت؟ لیکن - چون از رش التفات لہزن سلب کردہ، و مرانیک در دل  
 فرو آورده اند کہ حال ایدراں گوشہ مخاطرم جائے نمازہ - ہر چہ گنہ ام بفرق آرزوست نہ پسیل

سوال - والسلام

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے خط کا جواب جس میں شوق ملاقات اور غزل تازگی خواہش  
 ظاہر کی ہے اسکے اول اور آخر کے فقرے یہ ہیں ”سحر گاہے کہ دلم از در دشنامہ چنانکہ مویش  
 ہمیشہ از بچ ہمایہ دما زار باشد - بقرار بود، و دستم از اسلم بیابانی دل رخشہ دار، و فرزندہ سرکش  
 از در آمد، و سپردن بہار ساماں نامہ گل بہ بیب نہایت - ہر چند نامہ سپارسی امید آگیا

دل کو رس سے اور شاد کو مہا ہے تشبیہی ہے۔

دیدہ جاں را تو تیا آورد، قمارک اقبال را افسر و سپیکر آذر و راز و یونیشید؛ لیکن اثابین کہ  
 آن قدسی معاوضہ از شعر و قزل چون نامہ اعمال زناہ از ذکرئے و شامہ سادہ بود؛ دل و دلا  
 بد ایں نیا سود، و غارم بد ایں یکہ و جہ صبا شکست بگنم بے ہنہ بے تروہ دیدارے کہ دل تشاہد  
 ایں توان مستین، و دہ کہ شمع غزلے کہ لب ز فرغہ کھن توان کشودن + + + + + امید کہ  
 ازین بند زود نہ دیر بان شاسے غزل شادوم فرایند، و نوید رو بکو تا ہی نہادین روز فراق کہ  
 اندرین موسم کہ خسرو انجم بہ آشد جاے دار و عجب نیست۔ بفرستند دولت و اقبال و از قول  
 جوانب نامہ شیخ امیر اللہ سرور قلعہ دہ رسیدن و لنوا نامہ دل را نمودند و شلیخ  
 آذر و راز بر و مند ساخت۔ مگر از نار رسیدن یا شیخ نامہ ہاسے خوشی مے کنید؛ و از خدا  
 شرم ندرید۔ من خود از جانب شامگرانی و اتم کہ گنجائید؛ و چہ در سر دارید؛ بارے پردہ  
 از روے کار شامگر غنم؛ و دانستم کہ یک چند مرا فرا خوش کردہ بودید؛ ناگاہ در و در حجاب  
 مولانا تراز علی بد ایں بقعہ افتاد؛ شنیدید کہ غلامی (یعنی غالب) از سخت جانی ہنوز زندہ است؛  
 مہر گنن بچنید؛ خواستید کہ بنامہ یاد آورید؛ از فراوشی روزگار گذشتہ اندیشہ کردید؛ لاجرم  
 دروئے چند بر ہم بافتید۔ و آرا دیبای بی بی نامہ ساقیہ از مال بن رسیدہ اید چہ گویم کہ گننن نہ نہ و چاک گذشتہ  
 شکستہ دل تراز ایں ساغر بلور شیم کہ در میان حنا را گننی زد و در رہا  
 خیر و سر، و آشفٹہ راسے، نہ زباں سخن سراے، و نہ دل از سراے سگی بر جاے۔

چہ بخت نہانے اس وقت کہ ہے جب آفتاب بیج آمدن تھا چکا تہد مرزا کا شخص آمد کہ نام مجرہ ہے اس شخص کا  
 بیجا سے چہ نہانے سے بلکل نامہ کا ہے وقت میں آپ کا گئے کہ کچھ دیکھیں۔

چار سال می گذرد که مقدمه من با جلاس کونسل در پیش است، و دلم از فقره بیم و امید  
 ریش حکم که قطع خصوصیت تواند کرد بنیاده، و هنگام به پایاں رسیدن تیر و شتاب امید  
 در نیامده. حالیا براں سرم که چون جزو اعظم کونسل اشترالامرا لارڈ ولیم کونڈس بشک  
 بریں دیار در آید بدامنش در آویزم. و پرسیده که در آن هنگام در آنش زمانه بود  
 بر آنکه که نواب عالی جناب بدلی نخواهد آمد، و هم از آن برنگردم؟ و نیز خواهد رفت. اگر  
 همچنین است بدآمین در روزگار من، و آفاق از دوری راه و درختی کار من.  
 خواسته اید که نتایج طبع والاے شما بگرم و از توبیده باے کام و زباں خود شما  
 فرستم. فرصت آن کجا؟ و مانع این کو؟ آمد آمد نواب گورنر، و دیروزه اخبار از هر درخت  
 افراد مقدمه، و تمهید نگارش حال، سنجیدن اندیشه باے رنگارنگ، و سگالیدن اندازه  
 بیاں. آن مایه و ستیاری و مخواری از کسے چشم ندارم که چون در تمے انشا کرده باشم نقل آن  
 تواند برداشت؛ باچوں دفترے از بهر نگریستن پریشان کنم آن اوراق پرانگده را فرام  
 تواند کرد. بهر رنگ چند روز در گرفتارید؛ و تا زمانیکه بمن پویندید گاه گاه به نامه  
 رنگ زرداے آئینه و دادا باشید + + + +

مولوی سراج الدین احمد لکھنوی جو کلکتے میں کسی عمدہ خدمت پر متعارف ہیں اور خزانے  
 نہایت پتے اور گاڑھے دوست ہیں انکو نواب امین الدین احمد خاں مرحوم کے باب  
 میں جبکہ وہ رئیس فہر و زبور حبر کے خلاف اپنے مقدمے کی پیروی کے لئے کلکتے گئے  
 ہیں۔ اس طرح لکھتے ہیں دو مقدمہ غالب! اگر نہ اندوہ سترگ بند بر دلم نہادہ بودے من

دو آنم و دل کہ در شکوہ چہ روض با ایجاد و در گلہ چہ عہدہ با بنیاد کردی . صرفہ شما دینی بود  
 شما در ناگاہی من ست (جبکہ سبب سے شکوہ کرنے کی فرصت نہیں ہے) ورنہ اگر تاج توں  
 دواختے آن قدر با شما در آوختے کہ شمار ادا من و گریہاں بزیار رننے ، و مرا سرد و شکستہ

اں روان بین ، و در رسمہ غننے کہ بزم فرہنگی ، و شما بر ایں رسمہ در روز با بگذر و دہ  
 با در رسمہ غننے کہ بزم فرہنگی ، و شما بر ایں رسمہ در روز با بگذر و دہ  
 بخار و شامہ سے رو بہ آگہ اندریں و رق گنجائی ایں و در سطر نیز خود لیکن عویشہ بر ایں  
 یہ حید کہ مبادا دوست او انشاس من مرا از خود خورسند داند ، و بدیں گاہاں از تلافی فارغ  
 باشد و من زیاں زدہ جاوید گشت امید باشم .

بالجہ دریں نامہ نگاری مدعاے اصلی بدیں رنگ ست کہ برادر صاحب مشفق  
 نواب امین الدین احمد خاں ببادرا بن محمد الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خاں  
 بیاد درستم جنگ را ہاں مون بلا کہ زور تم شکستہ بود دینی تقدی ریش غیر فریور خانہ  
 بسلا بقتاداد خون و فایم گردن کہ دریں سفر از ہماییش بازماندم . و امانگی و  
 بیچارگی من از اینجا تو اں سنجید کہ دندان بر جگر نم ، و امین الدین احمد خاں را در سفر تنہا  
 گذارم . اگر قاضی محبت بدیں جرم بر نظم نشاند ، و بہ تیغ بے دریغ خونم ریزد ، سزاوارم .  
 و لطف دریں ست کہ ہر خید درین باب بگفتار گرایم ، و ہنگامہ پوزش آرایم ، شہساری  
 بیشتر گرد ، و غفلت افزاید . مگر سراج الدین احمد تلافی برخیزد تا از گرانی تشویر فرسنگ  
 سبکہ دش گردم ہوگر و غفلت از چہو بر افتادم . مینی کمرہ غمخوای در ہر و نو نودی استوار

بندید، و خود را دوست دیرینہ امین الدین خاں دانستہ آنچنان چارہ سازی و گناہ گری  
 بجائے کہ اس دردمند و دراز خانہ (یعنی امین الدین خاں) اسد اللہ رو سیاہ را فراش  
 کند، و شمارا بجاسے او داند، و نیز بہ برادر و الا قدر گفتہ شدہ است کہ چون بہ کلکتہ رسد و شمارا  
 دریا بہ۔ و اند کہ اسد اللہ پیش از وہ کلکتہ رسیدہ است۔ قطع نظر ازین مباح کہ بہ شرم۔ آخر  
 خدا کے ہست و وہ اسے ہست۔ افسانہ ناکامی و تمکشی اس فرغ ناصیہ سعادت یعنی  
 امین الدین احمد خاں غارہ راول بگدازد، و آہن را آب گرداند،

دوسرا خط مولوی سراج الدین احمد کے نام اس طرح شروع کرتے ہیں ”گوہر گلشن  
 نامہ و لنواز ہیں اندر وزگارے دراز رسید، دیدہ و دل را فرغ و فراغ بخشید، ناریدن  
 نامہ مرا بافسردگی شوقم حل کر دید، چرا بہ مرگ من حل نہ کر دید؟ تا از دانشا سی ہاسے شمارا  
 بودے، و شمارا اہل دل و دانش شرمے۔ من دایمان من کہ رشید مہر شاہ مقرر دل و دیدہ،  
 و محبت شمارا بجاں در اینختہ تازندہ ام، بندہ ام۔ وفا آئین من ست، و مودت دین من ست۔  
 اگر در نگارش نامہ درنگے روے دہر بہ فراموشی محمول نشود۔ در دہا در دل، و ہنگامہ ہا  
 در نظر، و فقرہ ہا در خاطر، و سودا ہا در سر۔ چہ گویم چہی کہم، در دوشب چگونہ بسمی برم۔  
 ایک اور خط میں مولوی صاحب موصوف کو استرنگ صاحب خاں سکریٹری  
 گورنمنٹ ہند کی وفات پر اس طرح لکھتے ہیں مد عمر من و جان من! پس از رسیدن  
 گرامی نامہ در بند آن بودم کہ پاسخ نہ کر شوم و اجراے خود شرح دہم۔ ناگہاں دینی کہ  
 دو شبہ پاتر دہم ذی الحجہ بود آوازہ و ناقاد کہ مجموعہ مکارم اخلاق را شیرازہ وجود

از ہم گیسخت، شمع ایوان سروری مُرد، و نہال بلغ آگمی بزرگ و بار فروخت، تکیہ دہانہ  
را دست از کار رفت، و گرہ کُتای بستہ کاراں رانے بناخن شکست۔ خالم بہمن چگونہ  
گویم؟ و اگر من دگویم کیست کہ نمیداند؟ کہ مستر اندر و استرنگ مُرد، و از گیتی جز نام نیک  
با خود بُزد کاش رُوے گداختہ (گچلی ہوئی کافسی) بر دزدہ گوشم رنجیدے تا نشویم  
کہ چہ شد۔ اکنون امید غمخواری از کہ بایدیم داشت؟ و دل را بجہال گردش چشم کہ تسکین داد  
ر پوئے کہ فرانس ہاکنس بہادر و خصوص وادخواہی من بہ صدر فرساده است۔  
چگونہ کہ چہ مایہ امید گاہ و اندوہ فراہ بودہ است تکیہ بر کار سازی اں چابک حسد  
بیدارے قادینی استرنگ) دہتم اکنون از شش سو فلک بکام دشمن ست۔ زنیار در  
پاسخ ایں نامہ درنگ روا مدارید؛ و بنوسید کہ اں والا گہراچہ رُوے داد، و اں گلشن  
روضہ مردی را کہ ام تند باد از پانگندہ و پس از دے سر انجام دفتر کہہ چہ شد و جایش کہ  
گرفت۔ اللہ بیس ماسوی ہوس۔

ایک اور خط میں مولوی صاحب موصوف کو اپنے ایک لکھتے کے دوست مرزا احمد بیگ  
کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں ”والا نامہ رسید، و فوید فراق دائمی مرزا احمد رسانیدہ  
چہ مایہ شگسں دل و سخت جانم کہ نامہ و تعزیت دوست انشامی کنم و اجزائے وجودم  
از ہم نمی ریزد۔ می گفت کہ بدلی می آیم؛ و عدہ فراموش بے مروت راہ گردانند، و تاقہ  
بسر مشرب دیگر راند۔ گزتم کہ خاطر دوستاں عزیز نہ داشت۔ چرا بحال تحرو سالان خود  
نہ پرداخت، و سایہ از سرشاں باز گرفت۔ و اے بے یاری یارای و سے، و درینا

بے پردی پسران دے۔ ہر خیز از مرگ نتوان نالید، گسستن تار و پود پندارستی  
 را چارہ نتوان کرد۔ لیکن انصاف بالاے طاعت ست؛ ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد بود۔  
 چرا آن قدر صبر نہ کرد کہ بہ کلکتہ رسیدے، و دروے نظارہ فروزش در گیارہ دیدے۔ چرا آن بہ  
 وزنگ نہ وزیر کہ حامی علی جواں گشتے، و کار با باندہ دانش دے رواں گشتے، حیف  
 کہ ہمیں پسرش خرد سال ست؛ و باشد کہ بہ حقیقت سرمایہ پر دانا، و بگرد آوردن زر ہاے  
 پراگندہ توانا، نباشد۔ و باشد کہ چوں آن سرمایہ بہ جنگ آرد بیاد دہد، و بر فردستان خود  
 ستم کند، و کہیں برادران را ناکام گوارد۔ ہر آئینہ دیں حال ایسے باید ہوشمند و حق شناس  
 کہ گرد چارہ بر آید، و غمخواری بے پیرماندگاں نماید۔ شدہ دشمن قال سے

مرا باشد از در دلفلاں خبر کہ در طفلی از سر بستم پر

و شد کہ تیاراں بیچارگاں میں فرض و فرض میں ست ہم ہمشاد ہم بر مرزا ابوالقاسم خاں  
 بیکی ایں جامعہ در نظر باید داشت و غافل نباید بود۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

ایک اور خط میں مولوی سراج الدین احمد سے دوستانہ شکایت اس طرح کرتے ہیں

”زینہار صدرینہار اے مولوی سراج الدین! بقرس از خداے جہاں آفریں کہ چون تیار  
 قائم گردو، و آفریدگار بشینند؛ من گریاں و مویکناں دران ہنگامہ اکیم، و در تو آویزم،

و گویم کہ ایں تکس ست کہ یک عمر مرا محبت فرغیت، و دلم برد؛ و چوں من از سادگی برد فا  
 تکیہ کردم، دایں را از دوستاں برگزیدم۔ نقش کج باخت، و بمن بیوفائی کرد۔ خدا را  
 بگو کہ اُس زماں چہ جواب خواہی داد؟ و چہ عذر بیش خواہی آورد؟ و اے بر من کردگار نا

گذرد و خبر نداشتہ باشم کہ سراج الدین احمد کجاست و چو حال دارد. اگر چنانچہ پاداش  
و فاست بم اللہ ہر قدر توانی بغیر اسے کہ اینجا مہر و وفا فراوان ست؛ لاجرم جانیہ باید کہ  
فراوان باشد. و اگر خود ایں تعافل بہ باد افراہ (یعنی پاداش) جرے دیگر ست نیست گنہہ را  
خاطر نشان باید کرد، و الگاہ انتقام باید کشید، تا شکوہ در میاں نہ گنجد، و عراز ہر گرفتار نباشد.  
منم کہ معاش من از گونہ گون بچ و رنگ رنگ عذاب بہ معاد گرفتار ماند؛ بخوں در جگہ و تنش  
ور دل، و خار و ریزہ پیاہن، و خاک بر سر، هیچ کافر بدیں روز گرفتار مباد، و هیچ دشمن  
ایں خواری مبیناد. راست بہ تنہا روی مانم کہ در صحرا پایش بگل فرود رود؛ و ہر چند  
خواہد کہ بالا جہد تواند و فرد و تر رود. و الا قدر نواب امین الدین احمد خاں بہادر  
کہ گیتی را بر دیش دیدے، و وصالش را زندگی دانستے، بہ کلکتہ رہبر اشد. و بگز زندگی از بہر کہ  
خواہم دول را بیدار کہ شاد ماں دارم. و اماندگی من از اینجا تو اں سنجید کہ تو انتہام پیش  
کردن، و داد اشم اور اتہا گذاشتن

ایک اور خط میں مولوی سراج الدین کو اپنے مقدمہ کے بگڑ بانی کا حال بطرح لکھے ہیں  
”کار بن بہ داد گاہ دہلی۔ چنانکہ دانستہ باشید۔ تباہی گزید۔ حایا براں سرم کہ اگر مرگ  
اماں و ہد باز باں دُر دینی در سپریم گورنٹ (سرم) و در دول بدان رفرہ فروریم کو غفلان  
ہوا و ماہیان در یار ابر خود بگرایم ہر مہمات! اگر معاش من ہیں خنجر ابر و پیہ سالانہ ہم  
بدیں تفریق۔ از دوسے دفتر سرکار ثابت شدہ ہو بلستے کہ صاحبان صدر مرا از پیش  
را نندے و گفتندے کہ ہر زہ مخروش؛ آنچه تو باز یافت و انودہ یافتنی از اں نفروں تر



نیست، و قرار داد نیز ہاں ست۔ لاجرم دیوانہ بودے اگر میں کشور باز آمدے، و با  
 یک قبیلہ دینی با جمعی کثیر کہ خوشیاں در برادران من اند۔ بہ ستیزہ برخاستے۔ وہ  
 باطل ستیزی نام برآوردے۔ + + + + +

چکنم کہ کار برگشت، و روزگار برگشت۔ خدا را بنگو، وہ درد دل من وارس کو لبرگ  
 بتوسط کرنیل بہتری اٹلاک برن مہرباں شود، و پوٹے کہ خوشتر از ان نتواں اندیشید۔  
 بصد رفتہ، و جوابے کہ سودمند تر از ان نتواں سنجید۔ از صدر حاصل نہاید، ہنوز  
 آں جواب در راہ باشد کہ کو لبرگ مغزول گردد۔ و ہاکنس کہ بجائے کو لبرگ نشیند۔  
 آنچه بر ہم زدن ہنگامہ سلطنتے را پس باشد۔ از بہرین بصد نوید، و من در اں دوری  
 (معاہدہ) از ستر استرلنگ چشم یادری داشتہ باشم، ہنوڑاں رپوٹ بصد رسیدہ باشد  
 کہ ستر استرلنگ رہو راہ عدم گردیدہ باشد۔ چوں از ہمہ گیلیم، و بدامن جابج سوئٹین  
 بسا در آویزم، گرم از جا برخیزد، و دامن بر شغل جانانی افتاند۔ سبحان اللہ!  
 مغزول نگردد مگر کو لبرگ، بمرگ ناگاہ نہیر دگر استرلنگ بولایت زود مگر جابج سوئٹین،  
 در خور ایں صدمہ ہائے جاں کاہ نباشد مگر اسد اللہ و ادخواہ۔ + + + + +

مولوی سراج الدین احمد کے نام ایک اور خط۔ دہلواز نامہ پس از عمرے  
 رسید، و عمرے دیگر بخشد، تا عمر باندہ سپری شدہ را تلافی تو اند کرد۔ اما شاہ کردن نے  
 کہ نہادش بغم سرشتہ باشندہ آسانست۔ منم کہ جوں نامہ شمار رسیدے متاناز جابے  
 بر جتے، و جہاں جہاں نشاط اند وختے۔ اینک تا چشم بسوا دایں میخندہ و چار شد گیتی

در نظم تیرہ و تار شد نخست آنچه بتقدیر آمد خرد آشوب خبر سے بود کہ دل تا جگر خوں کرد  
 معنی از جہاں رفتن خواہر عزیز تھا۔ ہے ہے! ایں مخدومہ موجود ہاں ست کہ تا در ملکست  
 خبر بخبری دے شنودہ بودید دل از دست رفتہ بود، و سراپگی سراپے خاطر را فرود گشت  
 در نظر دارم کہ از مردنش بر شاہ قیامت گزشتہ باشد۔ توانا از دپاک شمارا شکیب عطا  
 فرماید، و نمونہ ہی دل و توفیق ثبات ارزانی دارد، و ایں سانچہ را در روز نامہ عمر شمس  
 حاتمہ مکارہ و قطع مصائب گرداند۔

آتشکارا شد کہ مخدوم مرا از علائقہ تازہ خشنودی نیست۔ ہر آمینہ انکشاف ایں معنی  
 بخار مال بردل فرد بخیت۔ خدا را دلنگ تو اں شد، و ملکست را غنیمت باید پنداشت۔  
 شارسٹانے (معمورہ) بدیں تازگی در گیتی کجاست۔ خاک تیشی آں دیار از دنگ آری  
 مرز بوم دیگر خوشتر من و خدا کہ اگر متاہل نہ بودے، و طوق ناموس عیال گردن نہ داشتے  
 دامن بر ہر چہ ہست افشاندے، و خود را در اں بقعہ رساندے۔ تا دیتے در اں میز کہہ بوجے  
 و از رنج ہوا ہاے ناخوش آسودے۔ نہ ہے ہوا ہاے سرد، و خوشا آبہاے گوارا،  
 فرخا باوہ ہاے تاب، و خزانہ ہاے پیش رس۔

ہمہ گرمیوہ فردوس بخوانت باشد غالب آں ابنہ بنگالہ راوش مباد  
 مولوی سراج الدین کو مرزا صاحب نے کسی واقعے کا قطعہ تاریخ لکھ کر بھیجا ہے  
 اور انھوں نے بغیر خواہش مرزا صاحب کے وہ قطعہ بہت سی محبت و تائید کے ساتھ خلیفہ  
 آئینہ سکندر میں چھپوایا ہے۔ جب وہ پڑھ کر مرزا کی نظر سے گذرا ہے تو اسکا شکریہ اور

ایک اور خبر کے درج کرنے کی درخواست اس طرح کی ہے درگناہے رانا مور  
 ساختن، ویسچے راہمہ پنداشتن، غایتے ست شرگ و مرتے ست بزرگ، خاتہ کہ  
 اس شرگ غایت بے ابرام داعی روئے نماید، و ان بزرگ مرت بے استدعائے  
 سائنش بظہور آید۔ مگر مذہ اگر دیدہ حق میں دارد۔ بنگرد کہ واجب تعالیٰ شائے اجزائے مکند  
 برا کہ در کیم عدم تنواری بودہ اند۔ بعض غایت پیرایہ وجود بخشیدہ، و براں معدومات منت  
 نہادہ۔ حقا کہ اگر تاملے بسزا کردہ شود رقم گشتن قطوے مایخ و آئینہ سکندرازیں عالم خبر  
 می دہد۔ و چون ناخواستہ انجینیں نوازش بیاں آمد۔ ہر آئینہ روانی خواہش را چگونہ  
 چشم نتوان داشت۔ لاجرم در گزارش مدعا فصلے بیاں نہادہ آرزو را سر انجام گفتگو  
 دادہ می شود۔

نہفہ مباد کہ قدر تناسی حکام رنگ آں رحمت کہ فاضل بے نظیر و الہی یگانہ مولوی  
 فضل حق از سر رشته داری عدالت دہلی استغفا کردہ خود را از تنگ و عار و بار ماند۔ حقا کہ  
 اگر از پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آں مایہ بکاہند کہ از صدیک و اما نڈ،  
 و باز آں پایہ را بسر رشته داری عدالت دیوانی بنجند، ہنوز ایں عمدہ و دہ مرتبہ دی خواہد بود  
 بالجملہ بعد ازیں استغفا نواب فیض محمد خاں (رئیس مجھڑا پانصد روپیہ ماہانہ برائے مصارف  
 خدام محدد می معین کرد و تر خود خواند۔ روزیکہ مولوی فضل حق ازیں دیار می رفت و خیمہ خود  
 دہلی صاحب عالم مرزا ابو ظفر بیادیر لانا را تا پد رو کند۔ سوے خود طلبید، و دو شاہرہ بیوس  
 خاص بروش وے نہاد، و آب در دیدہ گرد آئند؛ و فرمود کہ دو ہر گاہ شامی گوئید کہ من

رخصت می شوم۔ مرا۔ خزانیکہ بیدیرم۔ گزینہ نیست۔ آما ایزد وانا دانکہ لفظ دواع از دل نیاں  
 نمی رسد الا بعد جہر ثقیل، تا اینجا سخن دلچسپ و باریک است۔ غالب ہستام از شامی خوش  
 کہ واقعتہً تو دوج مولوی فضل حق، داند و دنا کی دلچسپ و باریک، و بدر آمدن دلماسے اہل شہر  
 بعبارتے روشن و بیانے دلاویز در آئینہ سکندر بقالب طبع در آرید، و مرادین تفقد  
 منت پذیر انگارید۔ والسلام

مولوی سراج الدین احمد نے خط اس مضمون کا بھیجا ہے کہ مرزا صاحب کچھ حالات  
 پارسیوں کے اسلاف کے لکھیں اور کوئی ایسی کتاب نشان دیں جس سے اُنکے مفصل  
 حالات معلوم ہوں۔ نیز کسی تذکرے میں دج کرنے کے لئے مرزا کے اشعار کا انتخاب اور  
 خود مرزا کا ترجمہ طلب کیا ہے اُسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔

”ہر نیسے کہ ز کوئے تو بخت اگم گذرد یادم از دلولہ عشر سیکتا زوہد  
 رسیدن مہر افرا نامہ دل برد، و جاں بخشید۔ اگرچہ آں جاں باسن نامند، و ہم بر سر آں نامہ  
 بقشان دن رفت، لیکن سپاس در بابائی و جاں بخشی باقی ست۔ امید کہ تا جاں بخشیدہ  
 یزدان در تن ست گزارہ آید۔“

مخدوم من در رسیدن نامہ پیشین دودل (دمرد) چراست؟ ہنوزم نشا و دود  
 آں نیتہ در دل، و سواد سطور آں صحیفہ در نظر جا دارد۔ چون فرماں چناں بود (یعنی ڈاڑھ  
 پیشین) کہ غالب خوشیتن شناس سختے از رسم دراہ ستر گاہ پارس برگوید، و کتابے  
 از اناں گردہ نشان دہد کہ از آں دیریں کشش، و ساز ایں باستانی زبان۔ اناں اوراق

اتوان یافت، لاجرم دانش من (علم من) اندازه سرانجام پاسخ آن برتافت (کمل نکرد) چون دوباره  
 گفتند که خواہش چنین است۔ ناچار ہنرموشی از وہاں و پردہ شرم نادانی از میاں برداشته میگویم کہ  
 روانی این خواہش از بھیکس چشم اتوان داشت، و خود را بہ بنیادیں شپروش (کلاش) خستہ توان  
 نگارندہ و بتان مذاہب با اینہم لات آشارونی (واقفیت) آنچه میگوید نہ ہمہ است و نہ ہمہ بجای خود  
 رہینی بکمل است و نہ سراپا صحیح است) پارسیانیکہ در سورت و بھیمی آشیان دارند۔ زینہار گمان زبری  
 کہ از آن گردہ (یعنی از شرگان پارس) جز نام نشان دارند۔ آن پویہ و آن ہنجار (یعنی آن دوش  
 و آن طریق) و آن نگارش و آن گفتار ندارند، و جز تخمہ و زرا دانند و شے شیوہ باپسیاں  
 نمانند۔ پارسیاں از گرانایگان روزگار، و برگزیدگان داور بوده اند، و بہ روزگار فرمانروائی  
 خویش داشتہاے سودمند (علوم مفیدہ) و کشہاے خرد پسند (اخلاق پسندیدہ) داشتند۔  
 کشایش را از خواہش ہفت سپہر و نمایش اندازہ گردش ماہ و مہر و پید آوردن خشنہ گہرا  
 از تہ خاک، و بد کشیدن بادہ ناب از رگ تاک، و پردوش اسباب خستگی و رنجوری، و گزارش  
 احکام پرتکلی (طبابت) و چارہ گری، پردہ کشائی فرست اسرار گیائی (سلطنت) و فرمانبری  
 در صد بندی تقویم آثار بندگی و فرمانبری، عنوان یک و گر بسن رنگ رنگ گہرا، ہنجار  
 سرہ کردن گودہ گوں ہنر، و ادو گیا با فراخو بہر دور و بکار اندر آوردن، و پرندگان ہوا  
 و درندگان دشت را بشکار اندر آوردن، کوتاہی سخن۔ والائی اندک بہر گونہ بنیش، و پیدائی  
 اندازہ کمال آفرینش، ہمہ در آئینہ اندیشہ میں فرزا گھاں روے نمودہ۔ و انگیزش  
 بایشکی گفتار کردار کہ اکنون بہ اندکے از آن بسیار نازند از مغرورانش این فرہنگیان بہت۔

نہجینہ خسروان پارس را از ہر علم و قدرے بود، و ہر قدر از گرانمایگی گنج گوہرے۔ چوں  
دولت از اس طائفہ روئے ترافت، و سکندر ابن قلیقوسن ایراں دست یافت، گت خانہ  
خسروی بتاراج رفت۔ اما آنچہ پراگندہ بود و گنہاں بہر گوشہ و کنار داشتند۔ بر جامانہ تابار و گنہاں  
پیر دزی تازیان در اس کشش و کوشش از ہر جا گرد آمد (فرام آمد) و بفرمان خلیفہ۔ افروزینہ گلشن  
از باہاسے (دھاماسے) بغداد شد۔ ہانا احکام آذربہستی ہم باؤز باز گشت۔ زبان آذران  
عرب پارسی براہ تازی آہستہ، و زبانے تازہ برگرفتہ۔ اکنون کمیت تا ہاں زبان کسن  
سخن درست تواند گفت، و از اس دیریں آئیں براستی خبر تواند داد۔ چو ہندہ ایں راز را  
کام دل بر نیاید، و سن ضامن کہ ہر چہ پس از فراوان جستجو فرام آرد۔ نہ آنچاں باشد کہ  
دل ہاں توان نہاد۔

دیگر آنچہ کلک شکبار ہاں رفتہ کہ تنجہ از گفتار نادر و اسے خود بہ نگارم، و تجھے از ما جہرا  
خود برگزارم۔ اندیشہ را بہ لب گردین و خرد را بہ سنگت زار (محل تعجب) انگند۔  
چکویم از دل و جانے کہ در باہا است ستم رسیدہ یکے نا امیدوار یکے  
از چہ ہاں آرزوم و مرا ایں پایہ از کجا باشد کہ ستودگاں مرا ستایند، و گفتار مرا دہند کہ  
شعر جاد ہند۔ از فرجام فرہندی ہستی (یعنی از شان و شکوہ ہستی) و سرور بگ پیدائی۔  
کہ نزدیک شکارا میناں نمود زوال، و بوالا دید یکتا گزیناں (یعنی قائلان وحدت وجود نمود)  
بے بودست۔ آنچہ مین دادہ اند زبانے ست یافتہ سراے و خامہ است بیودہ پرے۔  
من ہم از بے یابی چوں کو دگاں کہ درم از برفال سازند و یہ نہجینہ داعی تازند سرودہ زبان

و پیودہ خامہ را (یعنی کلام خود را) پارہ پارہ ہم بستہ و ریزہ ریزہ کیا کردہ، گمان نام آوری  
 کہ دل از تاب اند و ناروائی آں خوں ست۔ دیوانے ترتیب دادہ جا بجا بنظر گاہ افتادہ  
 یار اں فرستادہ ام۔ بزرگانے کہ بہ پیش غالب مستند روے آند۔ سواد ہر غزلے کہ  
 خواہند از اں ادراق بردارند، کہ انتخاب و اتقاط اشعار حوالہ بر اسے نامہ گرد آور (یعنی  
 مولف تذکرہ) است، نہ باشارہ و ایماے مخور۔ + + + + اما اگر گزارش حال مخور  
 ہوس ست، خود ایں مایس ست کہ چوں در جریہ آں فن از من سخن راند سخن را  
 در ستایش من بدیں گونه پگری نشاند کہ از ناکسان روزگار و بیکیان دہلی دیاہ سلطان  
 ایست کافر اجراء، و گریست مسلمان نما، کہ از غلط نمائی غالب مخلص میکند و بدیں نگ  
 ترازمی نماید۔

خوسندی غالب نبوذ غنیمتین یک بار بفراے کہ اسے بکس ما  
 پناہاں نمانا کہ در اصل آفرینش از دودہ روز فروز قشاک، و حلقہ بخت بر تنگناں ستمسہ  
 دروے ہی نادیدہ کسم، آرا ایں سخن پیشکش (یعنی بر طرف) ترک نرا دم، و نسب من  
 با فراسیاب و چنگ سے پیوندہ بزرگان من از انجا کہ با سلجوقیاں پیوند ہم گوہری داشتند،  
 و بعد دولت ایماں را بہ سردری و سپہبدی افراشتند۔ بعد سپہی شدن دگا و چاہندی  
 آں گردہ (یعنی سلجوقیاں) چون نامہوائی (کسا دبا زاری) و بنیوائی روے آورد۔ مجمع را  
 ذوق رہنی و غارتگری از جاے برد، و طائفہ راکشا و زری پیشہ گشت۔ نیاگان مرا بہ  
 توراں لرین۔ شہر سمرقند آرا شگاہ شد۔ از اں میانہ نیاسے من از پدر خود بخندہ آہنگ ہند

کرد، و بلا هوَر همراهی معین الملک گزید چون بساط دولت معین الملک در نوشتند -  
 به بلبل آمد، و با ذوالفقار الدوله میرزا نجف خاں بهادر پیوست - زان پس پدرم عبداللہ بیگ  
 خاں شہا جہان آباد بوجہ آمد، و من بہ اکبر آباد چون پنج سال از عمر من گذشت - پدر از  
 سرم سایہ برگرفت - غم من نصر اللہ بیگ خاں چون خواست کہ مرانہ ناز پرورد - ناگاہ گمش  
 فرزند آمد - کما بیش پنج سال پس از گذشتن برادر پیہ میس برادر برداشت، و مرادیں  
 خرابہ جاتما گذاشت - و ایس حادثہ کہ مرانہ شائہ جاں گدازی و گردوں را کینہہ با زنی بود  
 در سال ہزار و ہشت صد و شش عیسوی بہنگام ہنگامہ لشکر آرائی و کشتہ کشانی مصمام الدولہ  
 جرنیل لارڈ لیک بہادر بروے کار آمد چون غم مرحوم از دولتیان دولت اہل فرنگ، و بلا  
 انہوی چار صد سوار بر کاب مصمام الدولہ، با سرکشاں سرگرم جنگ بود، و ہم انہ بخشش ہای  
 سرکارانگہ زنی دو پرگنہ سیر حاصل از مضافات اکبر آباد بہ جاگیر داشت - سپہ سالار سرکار  
 انگلیتہ بہ خوں بہاے آفتاب (یعنی نصر اللہ بیگ خاں) کلبہ تار گدایاں را چراغ، و ما  
 بنیوایاں را بوض جاگیر شہاہرہ از خار خاجہ تجوس و جہ معاش فراغ بخشید تا امر وز  
 کہ شمارہ نفس شماری زندگانی بہ چل و چار میرسد - ہراں رات بہ خرسندم، و ہدایاں قانع  
 در سخن از پرورش یافتگان سید اقیانم، و سواد منی را بفرغ گوہر خویش روشن کردہ ام  
 از ہیج آفریدہ حق آموز کاریم بہ گردن، و بار بست رہنمایم بروش نیست -

غالب بہ گزند دودہ زاد شستم      زان و بھغای و تم نیست دغم  
 چون فت سپیدی ز دم جنگ شبر      شد تیر شکستہ بنیا کاں قسّم



نامہ بیاں رسید، و شرم پر گندہ گوئی و دراز نفسی بر من آشکم کرد و دیدہ و راں دانند  
 کہ گفتنی فراواں بود، و افسانہ پریشاں؛ تا کجا اندک گفتی، و گفتار را از درازی بگاہشتی  
 مراد را بچہ رفت گناہے نیست۔ و اگر خود گناہ است، دوست کریم ست و کرم مند خواہ۔ و ہلہام  
 منشی جو اہر سنگہ جو تخلص کے باپ راے جھمیل دہلوی نے مرزا کو حیکمہ کہتے  
 میں ہیں ایک رئیس کی نسبت جو اپنے باپ کی جگہ مستنشین ہوا ہے۔ لکھا ہے کہ وہ حکیمانہ  
 طریقہ رکھتا ہے اور سخاوت اسکی جبلت میں ہے۔ اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں "ایک  
 گفتی غلامی روش حکیمانہ دارد، و دنیا را کارا با گانہ می گذارد۔ با این ہمہ اندوہنا کی خندہ ام  
 در گرفت، و عنان ضبط خویش از کفرم بدر رفت۔ ندانی کہ بر اسپان باد ز قمار پر شستن، و  
 گرد ما گردہ مردم را پیشاپیش دوانیدن، تن را لباس زنگار بزر آستن، و معدہ را  
 بہ الوان خوردنیہا متلی گردانیدن، شہوہ از اندازہ بیرون راندن، و بخار مصیبت برفق  
 آفتاب زدن، از حکمایا بد؛ و ز تشکاں را شاید کار دانشوراں چیست؟ و دراز آبادی و دین  
 کو ہے نشستن، و از شش جہت در بردے خلائق بستن، تن را بر ریاضت فرسودن، و  
 بجاں را بچرخوی پالودن۔ ہر کہ حکیم خود گزین ست کار و بارش این ست۔ بے برگ و نوٹے  
 از شکبہ گوناگوں حسرت بدرجہتہ بہ فراخ ناسے سرخوشی (مستی) رسیدہ است؛ از کجا کارادہ نونہ  
 و بالطبع کریم نبود۔ ہنوز ادعیہ منی از ربیع غلیظہ صالحہ کبدیہ متلی وارد؛ ہر آئینہ بفرمان باد  
 ست۔ روزے چند باش تا بنگری گرہ بر کیسہ ز رزناں، و در حسرت ز تعلق کردہ زاری  
 نماں۔ ایں کہ فلاں و بہاں را از ترود خویشستن مانده است۔ حاکم بردے در مسئلے

نماشت، وہرچہ کردانہ مخروزی و ابلیسی کرد۔ چہ۔ اگر دانباہودے، و خرد داشتے۔ آناں راکہ  
 رازہ است نہ رازہ سے، و کار با آناں گزشتے۔ و ایناں راکہ با خود در یک پیرین جادوہ  
 است چوں غبار از دامن افشانده سے؛ وہرگز ہوا سے ایناں نہ رفتے۔ کودکی و بچا اصلی  
 و عزیز با مکر و رایام صاحبزادگی و ولیعیدی آناں دے پرداشت، و با ایناں نہتے رام بود  
 آناں دل بدیں خیرگی خالی کردن، و در دام ایناں بدیں کوری و آمدن۔ نہ بفرمانش  
 ست نہ بفرمان بنیش؛ حکیم کرامیگونی؟ و کرم پیشہ کرامیخوانی + + + چوں سخن دریں  
 باب بسیارست ناسبہ عا ختم می کنم۔ دیدہ بنیشے دست و دل راداشتے سودمند روزی باد۔  
 مولوی محمد علی خاں صدر این باندہ جن سے مرزا باندہ سے میں ملکر کلکتے روانہ ہوئے  
 ہیں۔ کلکتے میں پہنچکر انکو سفر کی تمام روٹ دکھائی ہے اسکے آخر میں لکھتے ہیں در روز شنبہ  
 چارم شعبان پارہ از روز برآمدہ در کلکتہ رسید۔ غریب نوازیہ سے و باب بے منت رانازم  
 کہ در حبس دیار خانہ جتا کہ باید، و ہر گونہ آسائش را بکار آید، ہم اورا باندازہ فرخ خاطر از کمال  
 قضاے، و ہم اندر و مانند دواں آرد دنیا طلباں میت الخلائے؛ در گوشہ صحن پر آرا بید شیریں  
 چاہے، و بر طرف بام در غور اہل تنہا آگاہ ہے۔ بے آنکہ جستجوئے رود، یا گفتگوئے شود و نیست  
 و بے زحمت بکرایہ وہ روپیہا ہائہ بہم رسید؛ و آدم و چاروآرا کیہ گاہ آراش گردید۔ و روز  
 از پنج راہ آسودہ منشور لامع النور (یعنی سفارش نامہ مولوی محمد علی خاں) را شعل راہ عیسا  
 ساختم، و در کشتی نشستہ آہنگ ہنگی بند کر دادم۔ لطیف ملاقات نواب علی اکبر خاں طباطبائی  
 اگر گویم کہ مرا از محبت عجب آمد۔ و دوست بود اگر گویم کہ مرا میں بر شک آوردنیز جادوہ و جادو کہ

خود آفریدہ و خود برگزیدہ۔ ہیں گرانمایگی و صاحب دلی درنگار دیگرے نخواہد بود۔ یا رب ایس  
گو بہر گرامی از کدام کان است، و ایس گرامی گو بہر گرامی ذات (از کدام ایس دودماں) بارے  
چون نخستین صحبت بود۔ بچارہ جوئی و مصلحت پرسی در دوسرندام، و دوسہ ساعت نشسته بنگار  
باز آمد۔ آفخ را فحوس، کہ دین روز بانواب را با حکام ہنگلی و خصوص زینے کہ وقت امام بارہ  
است معارضہ و پیش و دل سرگرم فکر کا رخوش است۔ و شد و راقائل۔  
ہمہ را ماتمی حسرت دنیا دیدم چون بمشرت کدہ گیر و مسلمان فتم  
روزگار فرمانبر و بخت فرماں پذیر باد۔

ایک اور خط میں مولوی صاحب مروح کو دیگر حالات کے بعد کلکتے کے مشاعروں  
اور اپنے معترضوں کا حال اس طرح لکھتے ہیں "از نوادر حالات اینکہ سخنوراں و نکتہ بیان  
ایں بقعہ پس از ورود خاکسار بزم سخن آراستہ بودند۔ در ہر ماہ شمس اگر نیری روز کیشنبہ نخستین  
سخنگویاں در مدرسہ سرکار پکینی فراہم شدند، و قزلماے ہندی و فارسی خواندند۔  
ناگاہ گراں مایہ مروے کہ از ہرات بفارت رسیدہ است دراں انجن می رسد، و اشعار  
شنودہ بباغ بلندی ستاید، و بہر کلام نادرہ گویان این قلم و قلم بامے زیر لبی می فرماید چل  
بلبل بالذات مفتون خود نمائی ست ہنگناں حسد می برند، و کلانان انجن و فرنگان  
من برد و بیت بن اعراض نادرست بر آورده آں را شہرت می دہند۔ و بے آگہ مرا  
زباں بیان آشنا شود۔ از دانشوراں کہ محمدوی و ملاذی نواب علی اکبر خاں و کرمی طاعی  
مولوی محمد حسن از انانند۔ جو ابہامی یابند، و پس زانوے غموشی سے نشیتند۔ چنانچہ ہم

یہ فرمان ایس دوہنر گوار مشنوںے انشا کردہ ام، و بعد از اظہار عجز و انکسار خویش جواباً بے  
 اعتراض و راں ابیات موزوں ساخته؛ و اں مثنوی (یعنی مثنوی با و مخالفت) پسندیدہ طبع  
 عالی افتاده است. انشاء اللہ العظیم زیں بعد عریضہ کہ بہ الاخذ مت خواہر رسید و رتے  
 آزاں ابیات در نور دآں خواہد بود۔“

نواب ضیاء الدین احمد خاں اکبر آباد گئے ہوئے ہیں مرزا انکو اپنے قدیم وطن اکبر آباد  
 کی یاد میں دلی سے اس طرح لکھتے ہیں: ”جانِ برادر! اشکِ داہِ غالبِ امراد، یعنی  
 آبِ دہو اے اکبر آباد بہ شماساز گار باد، گزتم کہ خود را بسفر گرفتہ (یعنی فرض کردہ اید) دوزخ  
 خود (یعنی بدانت خود) از من دور تر رفتہ آید؛ اما چوں ہنوزم در وطنید، ہمانا کہ نزدیک  
 با منید، شادم کہ شوقِ دور اندیش دیدہ و دل را دریں سفر با شافرا دتا، ماہِ حدیثِ غربت  
 (یعنی درد ملی) داد شادمانی دیدارِ وطن نیز توانم داد۔ زمینار اکبر آباد را بچشمِ کم (یعنی چشمِ حیات)  
 نگزند، و از رہگذر ہاے آں دیارِ احفیظ گوی، و الا ماں سراے، گذرند، کہ آں آباد چہ ویراں  
 و آں دیرانہ آباد باد، بادِ گاہِ بچوںِ مجنونی، و ہنوز آں بقعہ را در ہر کتبِ خاکِ چشمہِ رُخونی ست۔  
 روزگار بے بود کہ در آں سرزمینِ جہم گیار نامِ ستی، نہ رتے، و هیچ نہالِ جزولِ باغیاورد  
 نسیمِ صبحِ در آں گلکہ (یعنی اگرہ) بہستانہ و زندین و لہار آں مایہ از جابرانچینے (یعنی بشورش  
 آوردے) کہ در آں را ہواے صبحی از سرو پا سایاں رایتِ نماز از منیر فرورختے۔ چہرہ  
 ہر ذرہ خاکِ آں گلِ زمیں را از تنِ پیاسے بود و نشیں، و ہر برگِ آں گلستاں را از جالِ  
 دُور و دے بود خاطر نشان؛ تا تا ز کی وقتِ شمار در نظر داشتہ در پردہ شور و شیلِ انجمنہ بود۔“

چشم براہ داشت کہ کے زبید و دروغ کریم گاہ تو تشند کہ خوش نکلین زیننی اسپر نکلین  
کہ در اکبر آباد معروف است (و عاے مرا یکدام ادا پذیرفت ؟ و دریا پناخ سلام من بزبان معج  
چہ گفت ؟

نواب عبداللہ خاں صدر الصبر میرٹھ برادر نواب محمد سعید خاں مرحوم رئیس رام پور نے  
مرزا کو لکھا ہے کہ رئیس معوج کی شان میں قصیدہ لکھو مگر اس زمانے میں مرزا پریشاں بہت ہی افسردہ  
آنکے جواب میں لکھتے ہیں دو خدام بلند مقام کہ سرانجام قصیدہ از غالب بے نوا چشم داشتہ اند  
مگر آں فرسودہ رواں افسردہ دل را کہ ہنوز نہ مژدہ است - زندہ پنڈا شتہ اند۔

گمان زلیت بود بر منت زبیر روی بہت مرگ ولے ہزار گمان تو نیست  
کاش کشائیش ایں کار چوں صنعت نقاشی و گلدستہ بندی تنہا بکوشش دست و بازو صورت  
بستے تا چشم از خشتی دل پوشیدے، و فرماں پذیرانہ در پردازش کار کو شیدے، چہ نعم چوں ہمیں  
رشتہ در دست دل ست - تا دل بر جاے نباشد زباں سخن سراے نہ باشد دیدہ و ران  
صاحب دل داند کہ چہ قدر دیدہ و دل بہم آئینہ شود، تا نقشے - بیاں شگرفی کہ بالغ نظراں  
پسند نہ آئینہ شود۔ ایں دل شکستہ بہم نہ پیوستہ کہ در سینہ من، و ہمانا دشمن دیرینہ من ست -  
زنہار بکار سخن گسری نیاید، و منی آفرینی را شاید + + +

قاضی عبدالحمیل بریلوی نے کچھ قرعیں اقل ہی مرتبہ اصلاح کے لئے بھیجی ہیں اسکے  
جواب میں اصلاح کے متعلق لکھتے ہیں، دو خواہش مکت و اصلاح مرا فرود چند اکہ دیدہ بہا  
سود و ختم نازیبا صورتے بنظر در نیامد، بخلا و روش خود از نیو ہاے در ملی ست۔ آری

بے غامہ در بنان ہر کس خراسے دیگر دارد، آموزش را دریں پرده راه نیست و اگر گویند  
ہست، ہر آئینہ سے تو اقم گفت کہ نیست مگر تہنیتی و ہنرانی آموزگار، و ہر روزگار  
در سرہ کردن گفتار، چوں صحبت صورت ندارد، و گفتہ آمد کہ ہرچہ بہر خطا گفتہ اند نہ غلط گفتہ اند  
می باید حلقہ بر دور دل زد، و بہت از سبب قیاض در یوزہ کرد، بکثرت مشق، و فراوانی در شغل  
و پیروی را ہر وان راہ داں، کشایش باروے خواہد نمود، و اندیشہ را دستگاہ و گفتار  
را سرمایہ خواہد افزود،

مولانا افضل حق مرحوم کو ایک خط میں خط نہ بھیجنے کی شکایت لکھی ہے اور ایک قصیدہ  
جو حمد میں قرنی کے سب سے پہلے قصیدے پر لکھا ہے خط کے ساتھ بھیجا ہے اور اسکی  
واد چاہی ہے وہ خط بیخندہ لکھا جاتا ہے ۔۔ سبحان اللہ! بآنگہ از فراموش گفتگانم، و دامن  
کہ دوست مرا بہ دو بخور بلکہ بنیم خشن بزگیرد۔ ہر گاہ باز دادن آہنگ گلہ روے ارم، و سخم  
کہ ایں پرده (یعنی نعمہ) را بے پردہ (یعنی بے تحلف) می توانم سرود، و از قہر ماں اندیشہ  
دور باشتے (یعنی امتناع) در میاں نیست۔ ہر آئینہ۔ بدیں شادمانی کہ ہنوز ہم بادوست  
روے سخن نہست۔ آنچہاں بز خوشیتن مے بالم کہ غم جاں گداز فراموشی فراموش، و لب باز  
ز غمزدہ کہ دل در بند سرودن آنست (یعنی شکایت) فراموش می گردد۔

از خوشیتن بدوق جانا تو ساقیتم      باادگر مساز کہ ما تو ساقیتم  
دریں روزا ہوا سے آن در سراقا دکریتے چند در توجید تمبیا لعرنی گفتہ آید چوں  
عیش اندیشہ پاسے رسید کہ نہ عونی را غل مانزد و نہ مرا جاسے۔ تاگزیراں ابیات دہر کے

عرضہ میداں کہ چون من صد و چون عرفی صد ہزار را بہ سخن پرورش تواند کرد، و پایہ ہر یک  
بہر یک تواند نمود۔ والسلام

یہاں تک ہم نے مرزا کے مکاتبات میں سے جو بجائے خود ایک دفتر طویل الذیل ہے  
کسی قدر صاف اور سلیس عبارتیں انتخاب کر کے لکھی ہیں اگرچہ اس قسم کی اور بہت سی باتیں  
اور خطوط مرزا کے مکاتبات میں سے انتخاب ہو سکتے ہیں مگر کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا ہے  
اس لئے ہم اسی قدر قلیل پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس انتخاب کے بعد ہکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان مشہور  
آستادوں اور شہداءوں میں سے جن سے ہندوستان کے لوگ بخوبی واقف ہیں چند شخصوں  
کی تشرکات مقابلہ مرزا کی نشتر سے اس طرح کیا جائے کہ جو عبارتیں مرزا اور دیگر اشخاص کی نشروں  
میں متحدہ المضمون پائی جائیں انکو ایک دوسرے کے محاذی لکھ دیا جائے اور اس بات کا  
اندازہ کرنا کہ کون سا بیان کس پایہ کا ہے اور کون سا کس درجے کا۔ ناظرین کے ذوق و  
وجدان پر چھوڑ دیا جائے۔

سب سے پہلے ہم دو متحدہ المضمون مقام سنہ شرا اور مہر نمروز سے نقل کرتے ہیں جنہوں  
نے دوسری نشتریں ابراہیم عادل شاہ والی بجا پور کی نو صفتیں الگ الگ بیان کی ہیں  
جن میں سب سے اول معرفت الہی کا ذکر کیا ہے اور شاعرانہ خیالات کے ساتھ اپنے  
ممدوح کو اس صفت سے موصوف کیا ہے۔ مرزا نے غیر ذلکے دیباچے میں حمد و نعت  
کے بعد بہادر شاہ مرحوم کی مدح کے موقع پر اپنے شاعرانہ انداز میں انکو بادشاہی اور مدد شاہی کا

جامع قرار دیا ہے اور مثل نفوی کے نظم و شعر و نویں یہ مضمون ادا کیا ہے چنانچہ ہم دونوں  
کتبوں سے وہ مقامات متقابل یکدگر نقل کرتے ہیں۔

غالب

ظہوری

آجا جدارِ لفظ و معنی جہتِ ثنائی تا اگر کثرت  
کہ تخی خلیل خود بینی ابراہیم عادل شاد و امرِ شایم  
بہ نہ صفت یگانہ و ممتاز گردانیدہ اول معرفت  
کہ با وجودِ محجب کثرت در مشاہدہ شام و وحدت  
معنی کلام معجز نظام دو گوشتِ انطواء لہذا و دو گوشت  
یقیناً، و صفتِ مال و ساختہ، گشتِ انیت  
و دوستان عقیدہ قش از من و خاشاک شک و شبہ  
پرواختہ مجموعہ عرفان موعداں فردے از  
دقتر شناسائش، عفت و اشتکام سوسے  
سپندیدہ طبع توانائش، بہ توضیح بیانِ ش  
نشان نامے بے نشان یعنی ذات بی نشان  
ہمہ دلشیں و خاطر نشان، بہ اقامتِ جلال  
تاکید نظر بر دیدنِ نینداختن، و مقصود  
تسکین بہ احوالِ اخلاص نہرِ دامن، نہار

از اینجا کہ بعد ہر دو طورے دیگرست، و پس نہ ہر انجام  
سر انجامے جداگانہ بہ ہم عہد عہد اسے دیگرست  
یعنی اسے دیگر از اسامے الہی و در ہر وقت و تہ  
کشتائش طلسم دیگر قزوینوی نشان الہی کہ چند  
را بنام آوردی شکوہ خود و فنا از سیما و خشیہ، و انکا  
را بہ نشانندی فقر و قافروغ بخشدے، منظرے  
کامل و مرا تے، روشن خواست تا دماں منظرہ طور  
بہر درنگ، و دریاں ملت رزیت بہر صورت یکبارہ  
رود نہر، اورنگ و منبر کی شد، و سادہ و سجادہ را  
دوئی از میاں رفت، و فرش کاویانی کہ نشان پاشاہی  
ست، از عصا و را کہ ہر دو شعار در و نشان ہر دو  
درفش جمع کردہ، ہمت پذیرفت کہ پیدائی من بہ پیوند  
این دو جزو باز بستہ است، و عصا و را در فرش را پست  
گفت کہ میں صغیر (میں مدد فرش) نقشِ حیات را



## ظہوری

بہمنہ نہ پیوندیت کہ گینختش برکش کش  
 کشیاں (یعنی قیناں) نہ خند، و کفر را  
 با ایمان نہ سرسیت کہ صداعش مند اجارہ  
 از پیشانی بر ہماں نہ برد۔ از صد توحید  
 دوی در کی گریخت، وہ علاوہ بحر پیش خودی  
 در توی او یختہ۔ گوشے حق شنو، چشے حق میں  
 دے حق جو، خاطرے عرفاں را، سینہ  
 معرفت خیر انار کے آساں سا، جیسے  
 سجدہ ریز۔

## غالب

رسانستہ است۔ یکدگر خوردن این دو قیام دینی  
 فقر و سلطنت) مجمع البحرینے چید آورده و سر ہم آوردن  
 این دو قوس نقش دارہ پدیدار کرد۔ از سرش فروغ  
 مرداد بافتن وں و پاوون دشتن یکے ساتھ  
 و برقع گزہ چشمہ باز پرین پرن ہاں یکے پسند غنند  
 سرش را تاج شاہی افزا غنند و دوش را بوزلی افزا غنند  
 .... نہ ہے در انجمن خلوت نشین، و با پادشاہی کاظمی  
 گوین۔ پادشاہاں در انجمن انراں کارا گاہ آداب و ختم  
 و کارا گاہاں در خلوت انراں پادشاہ فیض انداختہ۔

## ثنوی

پا سے رفعت بر آساں دارد  
 سر خدمت بر آساں دارد  
 در عبادت بہ گفتن و دین  
 طرز اوستہ ز حق پرستیدن  
 خلوت دیگران و صحبت او  
 وحدت این و آن و کثرت او

## ثنوی

اے کہ از رازناں آگہ نہ  
 دم قرن از رہ کہ مرد رہ نہ  
 و نہ رازاں مرد مرد رہ کیست  
 آدمی بسیار آتا ہے کیست  
 ورتے پر ہی کہ مرد رہ کیست  
 جز سراج الدین سادہ رہ کیست

۱۔ ظہوری ظہوری کا شعر ہے اسی سے ڈاکٹر نے اس شعر کے مفہوم کے بیان کے لیے اس شعر کو لیا ہے

## نہوری

دردش این و آن نے گنجد  
 ہیج بجز حق وراں نے گنجد  
 بیت شکن گشت پوئلگشت  
 بادش ازانی اقتاد دست  
 کفر در فکر محنت بر سر فلان  
 شرک در شکر نعمت ایناں  
 طینتش باج خواہ طینت با  
 نیتش پادشاویت ا  
 در جہادت زہے تو مندی  
 بندگی در خوہد ادندی  
 سر وحدت بنزد از پوست  
 ہمہ آؤ کرد خویش را ہمہ دوست

## غالب

در طریقت بہ مناس بہ ہواں  
 در خلافت پیشوا بہ خواں  
 آنکہ چوں از راز وحدت دم زند  
 و فقر کون و مکاں برہم زند  
 آنکہ چوں در نئے نوار اسرہد  
 نے شود تھلے کہ شبلی برہد  
 شبلی از منبر دہ آؤ از عشق  
 شاہ ما بر تخت گوید راز عشق  
 عشق دار دپایہ ہر کس نگاہ  
 منبر از شبلی و تخت از پادشاہ  
 انجہ ابراہیم ادم یا فقتست  
 بعد ترک سید جم یا فقتست  
 شاہ ما دارد ہسم در ہروی  
 خرقہ پیری و لاج خسروی  
 شاہی و درویشی اینجا باہم است  
 پادشاہ و عہد طلب عالم است

شیخ علی حزیں اور مرزا کے طرزِ زبان کا مقابلہ  
 شیخ نے جو اپنے دیوان کا دیباچہ لکھا ہے اسیں وہ فخریہ فقرے جو اپنے دیوان اور اپنے  
 کلام کی شان میں لکھے ہیں اسی قسم کے فقرے مرزا نے بھی دیوانِ فارسی کے دیباچے میں  
 انشائے ہیں۔ سو دونو دیباچوں میں سے ہم ملتے جلتے فقرے انتخاب کر کے اس مقام پر  
 مقابلہ کیا کرتے ہیں۔

## غالب

## حزیں

بایں خطبیت لبالب از جو اہر کلم و جو اہر کلم  
 روح پرور ہوایش ربی اعتدال و جد اول  
 سطورش ازما پر نہیں مالا مال خاکش نکشیں  
 و شمیش عنبر آگیش آتش خار تنگ و شمیش  
 مسیح آئیں از صبور جی فیضی کہ ساقی گلکش مہرودہ  
 سیاہ مستانِ حروف سر در کنار ہم غنودہ اند و از  
 نشہ ہوش پردازے کہ دستِ نکرست در جام و سبک  
 افغانش ریختہ خردستان معنی نشید شوق مہرودہ  
 بنام از دُخسِ لیلیٰ ست کہ از طرفِ خیام الفاظ  
 سر بر زوہ در جلوہ گری ست یا شور مجنوں ست  
 کہ از عادی تفسیرہ دل پر خاستہ در پردہ و رست

۱۔ الفاظ کو اس لئے کہ وہ کاغذ پر رقم ہیں کاغذی پیوں کہا  
 ہے اور کاغذی پیوں داد و تحادہ کہتے ہیں دوسرے فقرے میں  
 ساقی کو اپنے گناہ کی روشنی حروف کی سیاہی میں پوشیدہ ہے  
 منسلک کلمت اور یہ پیش کیا ہے ۱۱

خیز

یہ مستانے است از گل پیریتان در مع ،  
 نگارستانے ست سیس بنانش فوج و فرج .  
 سی پکراتند در خیابان سلور و شادوش ،  
 آغاں شیوہ دلبر انداز بادۂ ناز گزم نشاوش  
 نازک بناتند حجاب پرورد گل پیر بناتند  
 تنہا گرد پختہ مفراتند بر شتہ پوست ،  
 بیگانہ نقراتند آتشا دوست . صوفیاتند در  
 وحدت خانہ عشق مست سماع ، سوختگانند  
 سپند آساست و دواع . درویشاتند  
 تجرد کیش ، فروکشاتند از ہمہ دیش .  
 شیر صولاتند از جوشن خطا پلنگینہ پوش ،  
 دریادلاتند از شورش عشق در جوش و  
 خروش . آئینہ پکراتند آئینہ تاب ،  
 پاکیزہ گوہراتند کیسہ خوشاب . گلبرگماے  
 شبنم زوہ بناری ست ، انراشیدہ نالماے  
 میں شامخاریت .

غالب

چوں پیکر تصویر از حیرت واقفہ خاموش (یعنی)  
 اپنی بے قدری سے حیران ہیں) مشعل کین گزرتانند  
 (یعنی فریاد دیتے) چوں آذر اندود دل سے پوش  
 گویم و دو چرخست یا لالہ و دواع ، اما سوختگی را  
 سرگزشت است و خستگی را رویداد . گویم تجلی و کون  
 یا جنت و حور ، اما نازش را ظمروت و آتش  
 را سواد (نواح) طلسم شعلہ در دوست باز بسند  
 خیال ، شعلہ بنیاں ، دو دو پیدا ، دل لوح طلسم  
 و زبان طلسم کشا . ہنگامہ ابرو باوست بر گنیزتہ جادوی فکر  
 ابرگہ یاش ، و باد الماس نشان ، اندیشہ طواریزنگ  
 و لب انصاف خواں . دو دو کیا میت باز پنج و تابی کلاں  
 شعلہ و دل افتادہ است . بر او آتش بشتہ خیل غراستہ  
 بسامان خبشتہ کہ در کیں گاہ رودادہ است . از  
 دام بر جبتہ . جمالیت در پردہ نمایش خویش شاطرا  
 حقیقی را ستایش بکار نہالے ست و در سایہ و ہند  
 خویش تملکند ازل را سپاس گزار .

## مرزا اور ابو الفضل کی طرز بیان کا مقابلہ

مرزا نے مہر نیروز میں اکثر تاریخی واقعات وہی لکھے ہیں جو شیخ کے اکبر نامہ میں مذکور ہیں؛ مگر چونکہ مرزا نے اُن واقعات کو کسی قدر کی مٹشی اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ اپنی خاص طرز میں لکھا ہے اس لئے دونوں کتابوں کی طرز بیان میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ہم یہاں ایک سیدھا سادہ واقعہ دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔

### اکبر نامہ

### مہر نیروز

ترک بزرگترین فرزند ان یافت بود	ترک ابن یافت نشان جہانداری یافت و ترکاں اس
ترکاں اور یافت او غلاں گویند	والاشکوہ را۔ ازاں رو کہ بترکی شہر یار جواں را او غلاں
و بہوشیار دلی و کارگزاری و عیث پڑی	گویند۔ یافت او غلاں گفتند۔ داد و دانش آئیں دشت،
از ہمہ برادران امتیاز داشت	و دریں ہر دو شیوہ و دشنامے گزین دشت، خانی و فرزانی
بعد از ولادت پدر بر تخت فرمانروائی	رافرننگ با پدید آورد، و فرماندہی و فرمانبری را اندازہ
نشست، و داد و مردی و مردانگی و	بر نداد۔ ترہنگ و سیلول با سلیقا را کہ چشمہ اسے رواں
مظلوم پرستی داد۔ و در جائے کہ کواں	و گل دیوہ فرواں داشت۔ از بہر آراش گزیدہ از نے و
اور اسیلول با سلیکا کی می گفتند، و	غلت و چوب و گیاہ نشین با افزشتے، و پوست دام و دود را
چشمہ اسے آب سرد خوشگوار و گرم	پوشش تن ساختے۔ گویند نمک ہر دو نگاہ و سے پدید آمد؛
عافیت بخش و مرغزار اسے و گلش	و در زماناں بیش ترے و گوشت پہناں بے نمک بھی خوردند
داشت۔ اقامت فرمودہ۔ اچھوٹ	ترکاں شمشیر زن را بفرمان فرزند شمشیر گلن دینی یافت او غلاں



اکبر نامہ	مہر محمود
<p>و بیاضی بعد از غلبت پدر          و اشارت عالیش فرماں روا          شد. کیوک خاں فرزند رشید          اوست. پدرش و بیہکام پدر          کردن جہاں سریر غانی باو عطا          فرمود. او قدر سلطنت را دانست          در لوازم آن اہتمام بجای آورد          النجہ خاں پسر اوست در          آخر عمر پدر و لیحد شد. داد          داد و دہش را از اندازہ سیر دل          برد. و ترکان در زمان دولت          ست دولت شدہ اند او خود          عدول نمودند. و چون متوکی          براں بگذشت اوراد و پسر          بیک شکم آمد. کیے را منحل          نام کرد و دیگر آتا مار. و چون</p>	<p>را بہ نعل تازہ آراست. اما پادشاه و انشوری بود و او گری          کہ جز دانش نہ حجت و جز داد نہ کرد. روزنامہ عمرش          رقم یک صد و ہشتاد و شش سالگی پذیرفت و نوشتند          و بارنامہ کجلی و گزشتی بنام سپر فرخ اخترش کیوک خاں          نوشتند. ستودہ ستایش و خورکار آگاہی آبروی پادشاهی          افزود. و یک صد و چہل سال از مرگ ماں یافت. فرزندانہ          آاز شاہی نشان یافت جہاں از بخوشی و خوشنودی جہانیاں را          بہ مہر و آدم نگاہ داشت. سر انجام کار جہان و جہانیاں را          بغیر از خویش النجہ خاں گذشت. بہر دوستی دریا گفت. و          بیدار بختی ابر کردار بود. دہش را بر داد و ہش داد و فروستان          (زیرستان) را بر دہش از خواہش بے نیاز ساخت. بسکری را بہ          برت (یعنی بکبر و غور) از جہاں رفتند. و از دائرہ کشید و          تیش بدزدند. آراشد (یعنی انتظام) کنار گرفت. و          دہت پرستی صورت پذیرفت. باقوی این فرمانرواے          باریک و نواد و پسر توام تلاد. اورنگ نشین (یعنی انجمن)          کیے مانحل خاں و دیگرے آتا مار خاں نام نهاد.</p>

اکبرنامه	مهرنیزد
<p> بچه کار دانی رسیدند ملک خود را  به دو حصه بخش کرد یک نصف را به  مغل داد و نصف دیگر را بتاتار  و چون پیر بزرگوار ایشان بود  حیات سپرد فرزندان با یکدیگر  مواقت نموده هر کدام در ولایت  خویش خود آرائی می کردند. </p>	<p> هر دورا بتاز پرورد چو بر تائی رسید نظر خویش  را دینم کرده نیمه بمل و نیمه بتاتار تا مزد کرد و خود بکسید  و بست دهفت سال در گیتی درنگ ورنیده بپای  رفگان برداشت الله الله این را نیز چون روز  فرز فغان دگر روز فرود رفت  ریزد آن برگ و این گل افشاند  هم خزان هم بهار در گذرست </p>



## حالت

مرزا غالب مرحوم کی لائف اور اُنکے کلام کا انتخاب جس قدر کہ یہاں اُسکا دکھانا مقصود تھا۔ ختم ہو گیا، مگر ابھی چند ضروری باتیں لکھنی باقی ہیں۔  
ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کتاب اُن تصنیفات میں شمار نہیں ہو سکتی جسکی چکل ملک میں ضرورت سمجھی جاتی ہے؛ اور جواہل وطن کی موسمی بیاریوں کے لئے براہِ راست دوا اور علاج کا کام دے سکتی ہیں۔ کیونکہ اُس مضمون کے لکھنے پر ہلکواُس اندھی اور بہری دیوی نے عبور کیا ہے جسکی زبردستی اور حکومت کے آگے مصلحت اندیشی کے پر ملتے ہیں۔

ستانہ سخن میر سدا ز دل باب ما عشق ست کہ پرستہ زبان ادب ما  
راقم کو مرزا کے کلام کے ساتھ جو تعلق بدو شعور سے آج تک برابر چلا جاتا ہے اُسکو چاہو اُس متقدمانہ جوشِ غضبیت کا نتیجہ سمجھو جو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے، اچھا ہو اُس یقین کا ثمرہ خیال کر دو جو نہایت زبردست شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے، بر تقدیر یہی وہ چیز تھی جسے ہلکواُس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ پس نہ ہلکویہ دعویٰ ہے کہ جتنے اس تالیف سے ہلک کی کسی بڑی ضرورت کو رفع کیا ہے؛ اور نہ یہ خیال ہے کہ محض ملک کی خیر خواہی اُسکے لکھنے کا باعث ہوئی ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ جو کام محض

طبیعت کے اقتضا سے نہ کہ عقل کی عواذید سے سرانجام کیا جائے اُس سے لوگوں کو بواسطہ یا بلا واسطہ کسی طرح کچھ فائدہ نہ پہونچے؛ ہوا جو اپنی سوج میں چلتی ہے، اور دریا جو اپنے جوش میں بہتا ہے۔ گواں کو خود خبر نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انکی سسی محض بے حاصل اور انکی کوشش سراسر بے سود ہے۔ اسی طرح کوئی ذرہ ذراتِ عالم میں ایسا نہیں جو اپنی انتظار میں حرکت سے نظامِ کُل میں کچھ نہ کچھ دخل نہ رکھتا ہو۔

اُسے تو کہ سچ ذرہ راجز بردہ تو رہی نیست در طلبتِ تو اں گرفتِ باد یہ را بہر ہی  
یادگارِ غالب کو ہم نے دو حصوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے میں مرزا کی لائف یعنی انکی زندگی کے حالات اور انکے اخلاق و عادات کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں انکے کلام کا انتخاب ہے۔ اگرچہ مرزا کی لائف میں۔ جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں۔ کوئی متممِ باشان واقعہ انکی شاعری و انشا پردازی کے سوا نہیں پایا جاتا، باہم نہیں آئیں بہت سی مفید نصیحتیں بھی اہل وطن کے لئے موجود ہیں۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ مرزا پانچ برس کے تھے جب باپ کا، اور نو برس کے تھے جب چچا کا انتقال ہوا۔ انکی ننیاں۔ جہاں انھوں نے پرورش اور نشو و نما پائی۔ آسودہ حال تھی۔ باپ اور چچا کے منیر بن چھوڑ جانے سے نانا اور نانی کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ خود مرزا کی طبیعت میں گرمی اور جدت کی ایک آگ بھری ہوئی تھی جسکے بھڑکانے کے لئے حموضی سی اشتعال کافی تھی۔ باپ اور چچا کا

سایہ تربیت بچپن میں سر سے اٹھ جانا، نخیال کی مرقہ الحالی، مانا تانی کی ناز برداریا  
 اور خود مرزا کا ڈنکی الجس ہونا، یہ تمام اسباب ایسے تھے کہ عقنوان شباب میں آنکا جاوے مستقیم  
 سے تجاوز نہ کرنا نہایت دشوار تھا۔ مرزا کی ابتدا بگڑی اور ایسی بگڑی کہ جب تک نخیال  
 کی تمام املاک اور دیہات کی صفائی نہولی نشے ہرن نہوئے۔ اگرچہ مرزا بہت دیر میں  
 سنبھلے مگر وہ مشہور ہے کہ ”صبح کا بھولا شام کو آجائے تو بھولانہ جانو“ انھوں نے  
 اپنے فضل و کمال، حسن معاشرت، شرفیادہ فضائل، اور کریمانہ اخلاق سے۔ جو کہ  
 آنکے ذاتی جوہر تھے۔ وہ عارضی وجہ سے اس طرح دھوڑا لے کر گویا کسی اُن سے دہن الودہ  
 نہوا تھا جس فن پر انھوں نے لڑکپن میں ہاتھ ڈالا تھا اُسکو اخیر عمر تک نبھا دیا؛  
 غفلت اور بہستی کے عالم میں بھی اُسکا خیال نہ چھوڑا؛ اور باوجودیکہ زمانہ قدردانوں سے  
 خالی تھا اُسکو اس درجے تک پہنچا کر چھوڑا جو اُسکا منتہا کمال تھا۔

اگرچہ معاش کی طرف سے وہ کبھی زیادہ تنگ نہیں ہوئے مگر حوصلہ اور ہمت کے  
 سوا کبھی استطاعت نصیب نہیں ہوئی؛ بلکہ جن اگلے تلووں میں بچپن اور جوانی گزری  
 تھی اُسکے لحاظ سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ اخیر دم تک خور بعد الگور میں مبتلا رہے۔ اُسکے سوا  
 امراض جسمانی سے کبھی فرصت نہیں ملی اور اپنے ہنر کی کسادبازاری کا بچ ہمیشہ سوانح  
 رہا۔ باوجود اُسکے زندہ دلی اور شگفتہ طبعی مرتے دم تک اُنکی رفیق حال رہی۔ اگرچہ  
 نظم و نثر میں جوار نالیاں انھوں نے کی ہیں وہ بظاہر بے صبری اور تنگ حوصلگی  
 پر۔ جو ایک اخلاقی کمزوری ہے۔ دلالت کرتی ہیں؛ لیکن درحقیقت یہ اُنکی شاعری و

انشاپردازی کے میدانوں میں سے ایک میدان تھا جسکی زمین انکے پانچ لوگ گئی تھی۔  
 اول تو خود یہ مضمون ہی ایشیائی شاعری کا جزو اعظم ہے؛ دوسرے ہر شاعر ایک خاص  
 راگنی کا کلاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کے شعراء میں امر القیس گھڑے اور عورت  
 کی تعریف اور عیش کے بیان میں مشہور تھا، اسے حسن طلب اور صفت شرابی  
 ضرب المثل تھا اور اسی طرح ہر شاعر کی شہرت کسی خاص بیان کے ساتھ مخصوص تھی۔  
 علیٰ ہذا القیاس ایران میں فردوسی رزم کا دہنی تھا، نظامی بزم کا، اور سعدی  
 موعظت کا۔ چونکہ مرزا خاں صکر بخ و مصیبت کے بیان میں یہ طوٹے رکھتے تھے اس لئے  
 یہ مضمون اکثر ان کے قلم سے تراوش کرتا تھا۔

اگرچہ مرزا اپنی شاعری کا سکہ اس وجہ سے کہ زمانہ اسکا اندازہ کرنے سے عاجز  
 تھا۔ پہلک کے دلوں پر جیسا کہ چاہئے تھانیں بٹھا سکے؛ مگر دستِ اخلاق حسن  
 معاشرت اور صلح کل سے انھوں نے ایک عالم کو مسخر کر لیا تھا۔ قطع نظر شاگردوں  
 اور مستفیدوں کے دوستوں اور ہوا خواہوں کی تعداد بھی سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں  
 تک پہنچ گئی تھی؛ اور ہر ایک کے ساتھ انکے برتاؤ کا طریقہ ایسا مہر انگیز تھا کہ ہر شخص  
 اپنے تئیں انکے مخصوص ترین دوستوں میں سے شمار کرتا تھا۔ غمخوہوں اور محتاجوں کی  
 اپنی دسترس سے بڑھ کر خبر لینی، نوکروں اور لگے بندھوں کو عسرت کے وقت اپنے  
 سے علم نہ نہ کرنا، دراصلگی میں دوستوں کی امداد کرنی اور انکی مصیبت پر مثل بیاؤں کے  
 افسوس اور انکے ساتھ ہمدردی کرنا، ہر حال میں پاس وضع اور خود داری کو ہاتھ سے

نہ دنیا، نہ ہی تعصبات سے پاک ہونا اور ہر مذہب و ملت کے دوستوں کے ساتھ یکساں  
 صفائی اور خلوص سے ملنا، یہ اور اسی قسم کی وہ تمام خوبیاں جو دار الخلافہ کی قسم  
 سوسائٹی کا زیور سمجھی جاتی تھیں انکی ذات میں جمع تھیں۔ خصوصاً دفا واری، شخص شناسی  
 اور احسان مندی کی شریف خصلت جو ہندوستان کے قدیم خاندانوں کا شعار تھا مرزا  
 کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چونکہ انکے چچا نصر اللہ بیگ خاں لارڈ لیک  
 کی مہمات میں شریک رہے تھے اور انکی وفات کے بعد گورنمنٹ نے انکے پس ماندوں  
 کے لئے جنہیں سے ایک مرزا بھی تھے۔ کئی ہزار روپیہ سالانہ بطور پنشن کے مقرر کر دیا تھا  
 مرزا نے۔ جیسا کہ انکی تحریرات سے ظاہر ہے۔ اخیر عمر تک گورنمنٹ کے اس احسان کو  
 فراموش نہیں کیا۔ تمام عمر ملکہ مظفر اور وائسرائے اور فیسٹ گورنروں اور دیگر حاکموں اور  
 افسروں اور تمام انگلش قوم کی جمع سرائی میں بسر کی، بعض افسروں کی وفات پر  
 دزداناک مرثیے لکھے اور ہمیشہ محفل کے ساتھ اپنے تئیں وابستگانِ دامن دولت انگشتہ  
 سے سمجھتے رہے۔ غدر کے زمانے میں فوج باغی کے غلام دستم سے جو اثر انکے دل پر  
 ہوا تھا وہ انکی کتاب دستنبو سے۔ جو غدر کے حالات پر اسی شورش و فتنہ کے زمانے  
 میں انہوں نے لکھی تھی۔ ظاہر ہے۔ سٹیشن میں ولیم فریئر صاحب رزروٹنٹ و کیشنر  
 دہلی کے بے گناہ مارے جانے پر جو سخت مدد انکو پہنچا تھا وہ انکے اس خط سے جو  
 شیخ امام بخش صاحب کو اس واقعہ کے ہوتے ہی انہوں نے لکھا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ اس  
 خط میں کہتے ہیں ”دیئے در شکرانِ ناعدا ترس کہ ہندابِ ابی گرفتار باد۔ ولیم فریئر

کہ رزیدنٹ دہلی وغالب مغلوب رائے رائے تھی بودہ در شب تاریک حضرت تنگ گشت، و مرا  
خیمہ مرگ پر تازہ کر دو۔ دل از جا سے رفت، و سترگ اندوہ سے سراپا سے اندیشہ راز و گزشت  
خزینہ آرمیدگی پاک مہیخت، و نقش امین از صفیہ نصیر سر سرتر نہ شد،

اگرچہ مرزا کے کلام میں مرتبہ قصائد کی مقدار تمام اصناف سخن سے زیادہ معلوم  
ہوتی ہے اور انھوں نے بایں اس بات پر افسوس کیا ہے کہ عمر کا بہت بڑا حصہ  
اہل جاہ کی بھٹی میں صرف ہوا، مگر ادنیٰ تاہل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو فن مرزا نے  
اختیار کیا تھا انکی تکمیل انکے زمانے کے خیالات کے موافق زیادہ تر اس خاص صنف  
یعنی قصیدے کی مشق و مہارت پر موقوف تھی؛ کیونکہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی صنف  
سے ہوئی اور کوئی شاعر جسے قصیدے میں کمال ہو نہیں پہنچا یا وہ سلم الثبوت نہیں سمجھا  
گیا۔ یہاں تک کہ حکیم سنائی، شیخ سعدی، اور امیر خسرو جیسے بزرگوں کا دامن بھی اس لغو گوئی  
سے پاک نہیں رہا۔ خود مرزا کا قول تھا کہ قصیدہ نہیں لکھ سکتا اسکو شرا میں شمار کرنا  
نہیں چاہئے اور اسی بنا پر وہ شیخ ابوالہریرہ ذوق کو پورا شاعر اور شاہ نصیر کو ادھورا  
جانتے تھے۔ بڑی دلیل اس بات کی کہ مرزا نے جس قدر قصیدے اہل دنیا کی طرح  
میں انشائے ہیں ان سے محض فن کی تکمیل مقصود تھی۔ یہ ہے کہ انکا مروج مخاطب  
صحیح ہر یانہو، اور اس سے حسن کلام کی داوطلب کی توقع ہو یا نہ ہو۔ وہ ہمیشہ قصیدوں  
کے سراخام کر رہے ہیں اپنی پوری طاقت صرف کرتے تھے اور ہر قصیدے میں اپنا  
کمال شاعری اسی طرح ظاہر کرتے تھے جیسے تہنی۔ سیف الدولہ کی یا عرفی خاتما ہا

کی تعریف میں کرتا تھا جس کو کہ چند قصیدوں کے سربراہ پرہیزگاروں کی تعریف پر  
 تحریف سے آنکھوں نے کسی امید یا توقع پر ہندوستان کے بعض رئیسوں کی طرح  
 میں لکھے ہیں۔ باقی انکے تمام قصائد یا توحید و نعمت و منقبت میں ہیں، یا اپنے مغز  
 اور لائق ہمعصروں کی تعریف میں، اور یا ان لوگوں کی شان میں جکودہ اپنا مڑتی  
 اور دلی نعمت سمجھتے تھے اور جنکی مرح سرائی کا فرض بطور شکرگزاری و منعم پرستی نہایتید  
 صلہ و انعام ادا کرتے تھے، جیسے تعلقہ دہلی کے بادشاہ و ولیعہد، یا ملکہ معظمہ اور اسی سلطان  
 کشور ہند اور دیگر اعیان دارکان سلطنت انگلشیہ، یا فرمانروایان ریاست رام پور  
 والور وغیرہ۔

بایںہ جس مؤثر طریقے سے مرزا نے اہل دنیا کی مرح سرائی پر افسوس کیا ہے  
 وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ وہ دیوان فارسی کے دیباچے میں اپنی شاعری کے  
 متعلق بہت سے فخریہ فقرے لکھنے کے بعد لکھتے ہیں وہ درہوائے کہ بال بالا خوانی  
 زدہ، و درادائے کہ خود را بہ شکر فی ستودہ ام (یعنی جس دیوان پر میں نے اس قدر  
 فخر کیا ہے) نیمہ ازاں شاہد بازی ست یعنی ہوا پرستی (اس سے مراد غل سرائی ہے)  
 و نیمہ دیگر تو نگرستانی ست۔ یعنی باد خوانی (اس سے مراد قصیدہ گوئی ہے) پیدا میں !  
 کہ ہر جا بہ شانہ۔ فنی از زلف مرغولہ مویاں کشودہ شود بلا در من آویزد تا دل پہ چاک  
 آں شکن بندے، و خواری نگر کہ ہر گاہ از خود غافل و از خدا غافلے ہر اوزنگ سروری  
 کج نشیند ہونہں مرا برا لگیزد تا بہ پیش بندہ دار است استے شادم از آزادی کہ با سخن پہنجاہ

عشقبازاں گزارو ستم، و داغِ غم از آزمندی کہ در تن چنبد بگرد دنیا طلباں در موجِ اہلِ جاہ  
سیاہ کرد ستم۔ درینا کہ عمر بیک سیرِ نختے بہ چامہ و چنگ سر آمد؛ و پارہ بدرغ و دریغ رفت  
یہاں تک جو کچھ کہ مرزا کی لائف کے متعلق ہلکھٹا تھا لکھا گیا۔ اب ہم چند سطریں  
انکے کلام کے انتخاب کی نسبت لکھنی چاہتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں۔ جیسا کہ مکرر بیان ہو چکا ہے۔ مرزا کے کلام کا انتخاب صرف  
اس غرض سے درج کیا ہے کہ شاعری و انشا پر دانی کی غیر معمولی استعداد جو مرزا کی  
فطرت میں رکھی گئی تھی۔ جہاں تک کہ انکی نظم و نثر اس پر شہادت دے سکتی ہے۔  
صاحبانِ ذوقِ سلیم پر واضح و لائق ہو جائے۔ اگرچہ فی الحقیقتہ طریقہ مذکور سے ان غرض  
کا پورا ہونا نہایت دشوار ہے لیکن اگر بالفرض اسکا پورا ہوتا تسلیم کیا جائے تو بھی  
بظاہر اس سے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

زمانہ حال کی ترقیات نے جس طرح علمی دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا ہے اس طرح  
لٹریچر کی حالت بہت کچھ بدل ڈالی ہے۔ قدیم طریقے کی شاعری و اگرچہ ابھی تک اسکا  
نغم البدل پیدا نہیں ہوا، روز بروز نظروں سے گرتی جاتی ہے۔ نظم و نثر میں بجائے  
صنعتِ الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سادگی اور حقیقت پرانی کی طرف طبیعتوں کا میل  
زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جو باتیں پہلے محاسنِ کلام میں داخل تھیں اب انہیں سے  
اکثر داخلِ عیوب سمجھی جاتی ہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں قدیم لٹریچر کا تسلط ابھی بہت کچھ  
باقی ہے اور پبلک کا مذاق عام طور پر نہیں بدلا مگر زمانے کا رخ قدیم شاہراہ سے



یقیناً پھر گیا ہے؛ اور آئندہ تمام قافلوں کو جو اس وادی میں قدم رکھنے واسلے ہیں  
 زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا ضرور ہے۔ پس اگر مرزا کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا شاعر  
 فرض کر لیا جائے تو بھی اس زمانے میں انکی نظم و نثر کے نونے پہلک کے سامنے  
 پیش کرنے اور انکے مبلغ کمال کو لوگوں سے روشناس کرنا بظاہر ایک ایسا کام معلوم  
 ہوتا ہے جس کا وقت گزر گیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زمانہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے  
 اسکو قدیم نونوں سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہو سکتا؛ خصوصاً ہندوستان کی  
 لٹریچر ترقی جس قدر مشرقی زبانوں کے قدیم لٹریچر سے وابستہ ہے ایسی ایرپکے  
 موجودہ لٹریچر سے نہیں ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے بعض نامور شعرا مشرقی  
 شاعروں کے کلام سے اب تک استفادہ حاصل کرتے اور اس سے صدمہ اہلوب  
 بیان اخذ کرتے ہیں تو ہمارے ہموطن کیونکر اس سے استغنا کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔  
 جس طرح زمانہ حال کے انجینئر قدیم عمارتوں اور پرانے کھنڈروں سے انجینئرنگ کے  
 متعلق صدمہ مفید نتیجے استخراج کرتے ہیں اسی طرح اس زمانے کے ناظم اور ناظر قدیم  
 لٹریچر سے بہت کچھ لٹریچری فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ معنی مانا کہ انگلش لٹریچر کی  
 ترقی منہائے کمال کو پہنچ گئی ہے اور ہمارے لٹریچر نے اسی کی بدولت کچھ عرصے  
 سے آگے قدم بڑھانا شروع کیا ہے مگر جب تک لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ ہمارا انگلش لٹریچر  
 کون سی باتیں اخذ کرتی چاہئیں اور اپنے قدیم مشرقی لٹریچر سے کیا سبق لینا چاہئے  
 اسوقت تک ہمارا لٹریچر اصلی ترقی سے محروم رہیگا۔

مرزا کے فارسی کلام کا نمونہ جو ہم نے اس کتاب میں دکھایا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ وہ زمانہ حال کے مذاق کے موافق نہ ہو لیکن اس سے مرزا کے کمال شاعری میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خود ایران کے بڑے بڑے نامور شعرا جو اپنے زمانے میں مسلم الثبوت تھے آج اہل زبان انکی طرز شاعری کو نام رکھتے ہیں؛ خصوصاً متوسطین کے طبقے میں جو لوگ جامی کے بعد ہوئے ہیں اور جن میں تقریباً وہ تمام شعراء داخل ہیں جنہوں نے صفویہ اور مغلیہ کے عہد حکومت میں ایران یا ہندوستان میں علم اشیاء بلند کیا تھا انکی شاعری کو جیسا کہ رضا قلی خان ہدایت نے اپنے تذکرہ مجمع الشعراء میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ آج اہل زبان میں کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ سب قدما کی روش کو پسند کرتے ہیں اور انہیں کے متبع کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ متوسطین کے طبقے میں بڑے بڑے نامور شعرا گذرے ہیں جنکے کمال اور اسنادی کا انکار نہیں ہو سکتا۔ پس درحقیقت کیسی شاعری یا اقتاب پروازی کا پبلک کے موجودہ مذاق کے خلاف ہوتا اسکے سوا کچھ معنی نہیں رکھتا کہ جو جسے پہلے ایک خاص وضع کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی وہ اب دوسری وضع کے سانچے میں نہیں سما سکتی۔

اگرچہ مرزا کی شاعری نے شعراء متوسطین کے محدود دائرہ سے قدم باہر نہیں رکھا؛ وہی چند میدان جن میں انہوں نے گھوڑے دوڑائے تھے ہمیشہ مرزا کو جولا نگاہ رہے؛ لیکن جس درجہ کا ملکہ شاعری انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اس سے پایا جاتا ہے کہ جس طرح دریا سے تواج بہر مریخ کرتا ہے اُدھر اپنا رستہ برابر نکالتا چلا جاتا ہے۔

اسی طرح وہ جس میدان میں قدم رکھتے اُسکو کامیابی کے ساتھ طے کر جاتے۔ وہی بارود جو آتشبازی میں پتھروں کا جی بھاتی ہے جب اُسکو دوسری طرح کام میں لایا جاتا ہے تو بڑے بڑے طعموں اور پیاروں کو پرکھنے کی طرح اُڑا دیتی ہے۔ اور وہی ایک چیز تھی جسے کہیں صرف اجاب کے جلسوں اور امیروں کے درباروں کو گرم کیا اور کہیں ملکوں اور قوموں میں حب وطن اور قومی ہمدردی کی آگ لگا دی۔

اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری کسی خاص زمانہ یا خاص ملک کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا؛ نہیں یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ شاعری کی اعلیٰ قابلیت جیسی قدیم اس ہوتی تھی ویسی متاخرین میں نہیں ہو سکتی؛ یا جیسی ایران کے شعرا میں ہوتی ہے ویسی ہندوستان کے شعرا میں نہیں ہوتی۔ ملکہ شاعری کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسی مصوری کی قابلیت یا سُر ملی آواز؛ جس طرح ان دونوں صفتوں کا ہر زمانے اور ہر ملک میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر پایا جانا ممکن ہے اسی طرح اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف اسباب سے مختلف صورتوں اور مختلف شانوں میں ظور کرتا ہے؛ اور سب سے بڑا اور زبردست حاکم جو شاعر کو ایک خاص رنگ پر ڈال دیتا ہے وہ سوسائٹی کا دباؤ اور اُسکا مذاق ہے۔ انیسویں صدی کے ساتھ جو اسکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اگرچہ پچھتی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتا، اور اسی سوسائٹی میں نشوونما پاتا جس میں فردوسی نے نشوونما پائی تھی تو ہمارے نزدیک اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ رزمیہ نظم میں وہی رہنما بنا جو فردوسی

نے پایا تھا؛ اور فردوسی اسی اعلیٰ قابلیت کے ساتھ جو قدرت نے اُسکے دماغ میں ودیعت کی تھی۔ اگر ہندوستان کی اس سوسائٹی کے سائے میں پلٹا جو انیس کو میسر آئی تھی تو یقیناً وہ شاعری میں وہی صنف اختیار کرتا جو انیس نے اختیار کی تھی اور اس میں انیس سے کچھ زیادہ قبولیت حاصل نہ کرتا۔ اسی بنا پر ایران کا ایک شاعر آخر شاعر کہتا ہے۔

نیست اندر زمانہ محمودے      ورنہ ہر گوشہ صد چو عنصرت  
اور اسی اصول پر غالب مرحوم کہتے ہیں۔

تو اسے کہ موخرن گسترانِ شیشینی      مباحث منکر غالب کے در زمانہ نیست  
مرزا نے جس وقت شعر فارسی کے میدان میں قدم رکھا تھا اس وقت ہندوستان میں دو طرزوں کا زیادہ رواج تھا؛ ایک نظیری و عرفی وغیرہ کی طرز جو اکبر کے زمانے سے چلی آتی تھی؛ دوسری مرزا بیدل کی طرز جو عالمگیری کے عہد میں شایع ہوئی اور علوی و صہبائی پر اکرتی ہو گئی۔ جو لوگ شعر فارسی میں کہاں بہم پہنچانا چاہتے تھے وہ انھیں دونوں سے کوئی طرز اختیار کرتے تھے۔ اگرچہ حافظ اور خسرو کی غزل ان سے بہت زیادہ مقبول خاص و عام تھی مگر ان وجوہات سے جو متاخرین کو طرز جدید اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور جن کا ذکر ہم دوسرے حصے میں کر چکے ہیں۔ مرزا نے اول بیدل کی روش پر چلنا شروع کیا؛ پھر اس نظر سے کہ اہل زبان اس طرز کو کسال باہر خیال کرتے تھے۔ نظیری و عرفی کی

طرز اختیار کی۔ ظاہر ہے کہ ایک ہندی نثر و شاعر جو ایسے ناپرساں زمانے میں پیدا ہوا ہے اور جس نے فارسی شاعری میں نظیری و غنی و غیرہ کے کلام سے بہتر کوئی ممکن انقلاب نمود کیا ہو۔ وہ سوا اسکے کون کا اتباع اختیار کرے اور کیا کر سکتا تھا۔ یہی بات کہ آئندہ اس طرز شاعری میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے اور ان لوگوں کی پیروی کا نام تک حق ادا کیا ہے۔ سوا اسکو اس طرح ثابت کرنا تو ناممکن ہے جیسے دو اور دو چار، البتہ جو لوگ شعر فارسی کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ اکیسری دورہ کے شعر اور مرزا کے کلام کا مقابلہ کرنے کے بعد امید ہے کہ مرزا کی اعلیٰ درجے کی قابلیت و استعداد کا اعتراف کرینگے اور اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زمانے کا اتفاق اور سوسائٹی کا دباؤ اس شخص کو جس روش پر ڈال دیا وہ ضرور انہیں کامیاب ہوتا۔ چنانچہ اخیر عمر میں جب مصیب قاضی کے قصائد مرزا کی نظر سے گزرے تو اس کے کلام کی روانی اور بیباختی پر دیکھ کر انکو قاضی کی روش پر پلٹنے کا خیال پیدا ہوا تھا؛ اور اسی لئے ان کے سب سے پچھلے قصیدوں اور غزلوں میں یہ نسبت پہلے قصائد اور قطعات کے زیادہ روانی اور بیباختی پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اب دوسری جہال پلنے کا وقت نہیں رہا تھا اس لئے اس روش کی تکمیل ہونی ناممکن تھی۔

۱۔ کتاب میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے۔ مرزا کو شاعری کے لحاظ سے جا بجا نظیری و غنی و غیرہ کے شعور و مرزا اپنا پیش رو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم یہ قرار دیا گیا ہے سو قلع نظر اس کے کوئی شک ہی دلیل اس عوسے پر قائم نہیں ہو سکتی، اور ناظرین کے

ذوق و وجدان کے سوا کوئی چیز اسکا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہاں ذوق اور سوال پیدا ہوتے ہیں؛ اول یہ کہ ایک زبان دان آدمی شاعری میں اہل زبان کے برابر ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک پیرو اپنے پیشرووں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ سو دوسرے سوال کا جواب تو بالکل صاف ہے۔ دنیا میں ابتدا سے آج تک نہ صرف شعرو شاعری میں بلکہ ہر علم اور ہر فن اور ہر پیشہ میں اکثر پیرو اپنے پیش روؤں کے صرف برابر ہی نہیں بلکہ ان سے فائق اور افضل ہوتے رہے ہیں۔ فردوسی رزمیہ ثنوی میں اسدی اور دققی کا پیرو ہے؛ مگر دونوں سے گوے بہت لے گیا ہے۔ خواجہ حافظ غزل میں سعدی کے قدم مقدم چلے ہیں مگر سعدی سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ قاضی قاضیہ میں تمام قدم سے بڑھ گیا ہے۔ میر تقی نے تمام اگلے رنجتہ گویوں کو۔ جو یقیناً اسکے پیش رو تھے۔ غزل میں اپنے سے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ میر انیس تمام مرثیہ گویوں سے جو ان سے پہلے ہوئے۔ بازی لے گئے ہیں۔ پس اگر مرزا غالب کو فارسی شاعری میں نظیری و عرفی سے افضل نہیں بلکہ صرف ان کا ہم پلہ قرار دیا جائے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

رہا پہلا سوال سو ظاہر ہے کہ شاعری کا ہنر دو مختلف یا قوتوں سے مرکب ہے؛ ایک انجینیشن یعنی قوتِ تخیل کی بلند پروازی، دوسرے مناسب الفاظ کے استعمال پر قدرت۔ انیس سے پہلی لیاقت۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک زبان داں

بہ نسبت اہل زبان کے، ایک کم علم بہ نسبت فاضل متبحر کے، اور ایک دیہاتی گنوار بہ نسبت خواص اہل شہر کے برابر تہ افضل و اعلیٰ درجے کی رکھتا ہو۔ دوسری نسبت اگرچہ بظاہر اہل زبان کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آئیں بھی مثلاً ایک ہندی نژاد اکتساب کے ذریعے سے خاصکر اُس حصّہ زبان میں جو فارسی کی محدود شاعری میں مستعمل ہے اہل ایران کی برابری کر سکتا ہے۔ علامہ ابن خلدون عربی زبان کی نسبت جو بظاہر فارسی کے نہایت وسیع زبان ہے۔ لکھتے ہیں کہ در ایک غمبی (یعنی غیر عربی) فصحاء عرب کے کلام کی مارست سے اہل زبان میں شمار ہو سکتا ہے۔ پس فارسی زبان جو بہ نسبت عربی کے نہایت تنگ اور مختصر زبان ہے اس بات کے زیادہ قابل ہے کہ ایک ہندی نژاد فصحاء ایران کے کلام کی فراوانی سے اہل زبان میں شمار کیا جائے۔

ذکورہ بالا اصول کے موافق کچھ شک نہیں کہ ہم اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ مرزا کو ملکہ شاعری کے لحاظ سے اکبری دور کے تمام شاعروں پر ترجیح دیں یا اُن سے کم سمجھیں یا اُن کے برابر قرار دیں۔ یہی دوسری لیاقت سوا سکی نسبت پہلے حصّے میں باجیاد کر لیا گیا ہے کہ مرزا نے ایک نہایت مستند صاحب زبان کی تعلیم و تلقین اور اپنے ذاتی تخلص اور کثرت مطالعہ اور غوامی فکر اور مشق سخن اور خاصکر اپنی خدا داد لٹریچر قابلیت سے یقیناً وہ مرتبہ حاصل کر لیا تھا جس سے ایک زبان دان مثل اہل زبان کے مستند سمجھا جاسکتا ہو۔ لارڈ مکالے نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص غیر ذہنی زبان

میں اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں ہو سکتا۔ بے شک اچھا ایسا سمجھنا یورپ کی شاعری کے لحاظ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ یورپ کی شاعری درحقیقت نیچر کی ترجمانی ہے۔ اُسکا میدان اُسی قدر وسیع ہے جس قدر نیچر کی فضا۔ اُسکے فرائض مادری زبان کے سوا دوسری زبان میں جیسے کہ چاہئیں۔ ادا نہیں ہو سکتے؛ بلکہ ایشیائی شاعر جو اس طریقہ شاعری سے نااہل ہیں وہ اپنی مادری زبان میں بھی اُسکی شکلات سے عمدہ برائیاں نہیں ہو سکتے۔ بخلاف ایشیائی شاعری اور خاص کر متاخرین کی فارسی شاعری کے کہ یہاں شخص معمولی خیالات کو جو قدما سیدھے سادے طور پر بیان کر گئے ہیں نئے نئے اسلوبوں اور نئی نئی تراکٹوں کے ساتھ باندھنا یہی کمال شاعری سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی فی نفسہ ایک بہت بڑا کمال ہے لیکن ایسی شاعری میں زبان کا صرف ایک محدود حصہ مستعمل ہوتا ہے جسکو غیر زبان والا آسانی سے یکمہ سکتا ہے اور بشرطیکہ اُسیں شاعری کی اعلیٰ قابلیت ہو اُسکو شعراے اہل زبان کی طرح بلکہ بعض صورتوں میں اُن سے بہتر استعمال کر سکتا ہے۔

مرزا کا موزن نظیری و عرفی کے ساتھ صرف قصیدے اور غزل میں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ مشنوی میں نظیری محض صفر ہے؛ اُسے اس صنف کو چھوا تک نہیں۔ عرفی نے بیشک چند ثنویاں لکھی ہیں؛ مگر صاحب آتشکہ نے اُن میں سے صرف ایک کی نسبت لکھا ہے کہ ”درہ نگفتہ است“ اور باقی کی نسبت اُسکا یہ قول ہے کہ ”بسیار بدگفتہ“ حکیم ہام کا بیٹا حکیم حاذق عرفی کی ثنوی کی نسبت لکھتا ہے۔



شنویش طرز فصاحت نہشت کان نمک بود و ملاحظ نہشت

البتہ ظہوری کے ساتی نامہ نے ہندوستان میں بہت شہرت حاصل کی ہے مگر اسکا قصیدہ چنداں وزن نہیں رکھتا۔ بخلاف مرزا کے کہ اسکو مثنوی پر بھی تقریباً اسی قدر قدرت ہے جیسی قصیدے اور غزل پر۔ نثر میں نظیری و عرفی دونوں نے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ البتہ ظہوری کی سہ تشر کو ہندوستان میں بہت فروغ ہوا۔ مگر اس میں اول سے آخر تک ایک بے مزہ کمافی یعنی ابراہیم عادل شاہ کی مدح و ستائش کے سوا دوسرے مضمون کا نام نہیں جس سے لکھنے والے کی قدرت بیان معلوم ہو۔ پس اگر ظہوری کی طرز بیان اور طرز عبارت آرائی کے حسن و قبح سے قطع نظر کی جائے تو بھی اس کے حق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکو مدحیت نہشت لکھنی آجھی آتی تھی۔ بخلاف مرزا کے کہ وہ اپنی طرز خاص میں ہر طرح کے مضامین لکھنے اور ہر طرح کے مقاصد ادا کرنے پر یکساں قدرت رکھتا تھا؛ خصوصاً فخر و خود ستائی، غم و اندوہ اور شکایت و زاری نامی کے مضامین جس خوبی و لطافت اور باکپن کے ساتھ مرزا نے نثر میں بیاں کئے ہیں اسکی نظیر نہ صرف ہندوستانیوں کی نثر میں بلکہ متاخرین اہل ایران کی نثر میں شکل سے دستیاب ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم یہ باتیں ایسے زمانے میں لکھ رہے ہیں کہ ہر شخص آزادی سے اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن فارسی زبان ہمارے ملک میں بہتر نہ مردہ زبان کے ہو گئی ہے؛ اور اس لئے لوگوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ دیکھو، پڑھو سمجھو۔

اور جانچو۔

الفرض مرزا کی فارسی نظم و نثر کے متعلق ہماری رائے کا ماحصل یہ ہے کہ ان کا مرتبہ قصیدہ اور غزل میں عربی اور نظیری کے لگ بھگ اور منظوری سے بڑھاپو شتوی میں منظوری کے لگ بھگ اور عربی و نظیری سے بالا، اور نثر میں تینوں سے بالا تر ہے۔ اگرچہ مرزا کی غزل میں کہیں کہیں پیچیدگیاں ہیں؛ اور نثر میں بھی اکثر فقرے نہایت پیچیدہ نظر آتے ہیں جو ممکن ہے کہ اہل زبان کے نزدیک فصاحت کے درجے سے گری ہوئے ہوں؛ مگر ایسی کسروں سے کسی زبانداں یا اہل زبان کا کلام پاک نہیں ہو سکتا؛ اور نہ ایسی جزوی فروگزاشتوں سے کیلی اُستادی میں فرق آ سکتا ہے و لہذا ذرا غافل۔

گر سخن اعجاز باشد بے بند و نیست      در یہ بیضا بزم انگشتا یک نیست

مرزا کے اردو کلام کی نسبت ہم دوسرے جتنے میں بقدر ضرورت بحث کر چکے ہیں۔ مرزا کا موازنہ شعراے اردو زبان کے ساتھ صرف غزل میں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ غزل کے سوا دیگر اصناف میں ان کا کلام کان لکھن ہے؛ اور اردو کی نثر میں دیگر شعرا بقابلہ مرزا کے صفر محض ہیں۔ مرزا کی غزل کا ڈھنگ اگرچہ میر و سودا کی روش نہیں ہے؛ مگر خواص اہل ملک جو تعلیم کی قید سے آزاد ہیں۔ ان کے چیدہ و برگزیدہ اشعار کو میر و سودا کے انتخاب سے کچھ کم پسند نہیں کرتے۔

مرزا کی نثر اردو نے تمام ہندوستان میں شہرت حاصل کی ہے اور خاص عام

نے بالاتفاق اُسکو پسند کیا ہے۔ اُنھوں نے اُردو خط کتابت میں ایک خاص طرزِ ایجاد کی ہے جو تمام ملک میں مقبول ہوئی ہے اور اکثر لوگوں نے اپنی بباط کے موافق اُسکی پیروی کی ہے۔

ان تمام باتوں پر نظر کرنے کے بعد مرزا کی نسبت یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ لٹری قابلیت کے لحاظ سے مرزا جیسا جامع حیثیات آدمی۔ امیر خسرو اور فیضی کے بعد آج تک ہندوستان کی خاک سے نہیں اُٹھا، اور چونکہ زمانے کا رخ بدل چکا ہے اس لئے آئندہ بھی یہ امید نہیں ہے کہ قدیم طرز کی شاعری وانشا پر داری میں ایسے بالکمال لوگ اس سرزمین پر پیدا ہوں گے۔



## غلط نامہ یادگار غالب

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ
۱۲	۱۱	خدا	آگے خدا	۱۱۹	اعتراف	انحراف
۲۳	۱۰	شاہ	شاد	۱۴۲	خج	چخ
۳۱	۸	رہتے تھے	رہے تھے	۱۸۵	اللہ	اللہ بس
۳۳	۱۰	زبانید	زبانید	۱۹۳	نیرنگی	بیرنگی
۴۸	۱۱	باؤں برس	باؤں برس	۱۹۵	ڈھکیل	دھکیل
۵۱	۴	مفہم	مفہم	۲۱۰	استواریا	استواریا
۵۵	۲	باہل راو	باہل راز	۲۳۰	تیر خیال	میر خیال
۶۶	۴	آنھوں	انھوں نے	۲۴۲	خاوریہ	خاوریہ
۶۸	۱۴	آدمی	آگے کا آدمی	۲۶۱	خوصلہ	خوصلہ
۶۵	۸	غلف	غلف	۲۶۸	بندے غم	بندے غم
۶۶	۱۰	یون بید	یون بید	۲۷۳	طاقت ہو	طاقت ہو
۱۰۲	۱۴	جن سے	جس سے	۲۸۸	ایں گونہ	زیں گونہ
۱۰۴	۷	اُنخ	اُنخ	۲۹۱	غلف زار	غلف زار
۱۱۵	۴	قدم	قوم	۲۹۵	جہنم	جہنم
۱۱۷	۱۴	آسی میں	اس میں	۳۰۱	ازخود	ازخود

صحیح	غلط	لا	نہا	صحیح	غلط	لا	نہا
نرود	زود	۳	۳۸۰	میزان میں	میزان	۱۲	۳۱۸
امروزے	امروزے	۱۲	۳۸۲	شانہ	خانہ	۴	۳۱۹
خوسند	خوسند	۷	۳۹۱	رختِ خواب	رخت	۱۲	"
پرورد	پرورد	۴	۴۰۳	ازیم و ختم دل دست	ازیم و ختم دل دست	۳	۳۳۸
مہرِ نغروز	مہرِ نغروز	۱۶	۴۱۰	قلم	قلم	۳	۳۵۵
دہ	مراور	۵	۴۱۱	ذرق	ورق	۵	"
ہونا	ہونا	۱۱	۴۲۹	قرار داد	قرار د	۱۶	۳۷۶

# اشہار

ہمارے پاس مندرجہ ذیل کتابیں مصنفہ جناب مولوی الطاف حسین صاحب جالی  
فروخت کے لئے موجود ہیں جن صاحبوں کو کسی کتاب کا خریدنا منظور ہو اسکی  
درخواست ارسال فرمائیں۔ فوراً بذریعہ ویلیو پی ایل پارسل تمیز کی جائیگی۔

نام کتاب	قسم کاغذ	تعداد صفحات	قیمت علاوہ محصول ڈاک
یادگار غالب	جرمن پیپر	چار سو چالیس	۱۷
دیوان حالی مع مقدمہ	سی رام پوری	چار سو ستر	۱۷
"	چکنا دلائی	"	۱۷
مجموعہ نظم حالی	"	ایک سو چالیس	۱۰
شکوہ ہند	"	انٹیمٹ	۰۲
سناجات بیوہ	"	چھتیس	۲

رافعہ

سید عبدالعلی از دہلی حویلی میر افضل کوچہ پنڈت

